جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

مباحثہ لدہیانہ

جو کہ مابین حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود
و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام و ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب
بٹالوی ہوا ہے

الحق

یعنی

تصدیق اصول اسلام و تحقیق ملت قویمہ حضرت خیر الانام علیہ
الصلوٰۃ والسّلام کا ماہوار رسالہ

بابت

ماہ ذی الحجّہ ۔ محرم ۔ صفر ۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۹ ہجری المقدس
مطابق جولائی ۔ اگست ۔ ستمبر ۔ اکتوبر سنہ ۱۸۹۱ عیسوی

مؤلفہ

مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی

۴ ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حکیم فضل دین طبع ہوا

بار دوم — قیمت ۸ / علاوہ محصول — تعداد ۴۰۰

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الصادق المصدوق المطاع الامین ۔

دہلی کے مباحثہ کے شیوع میں امید سے زیادہ توقف ہوا اس عرصہ میں بیقرار اور منتظر شائقین کو فرط تحیر سے طبعًا طرح طرح کے ظنون واوہام کے پنجہ میں اسیر ہونا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس التوا وتوقف میں بھی بڑی مصلحتیں ثابت ہوئیں اور اب یہ دنیا میں اپنی پوری تجلّی کے ساتھ آفتاب نصف النہار کی طرح چمکا ہے۔ بیشک ایک عالم کو انتظار لگ رہا تھا کہ اس جلیل اور باہیبت دعوے کے مقابلہ پر جو مرسل یزدانی امام ربّانی حضرت غلام احمدؑ قادیانی نے کیا ہے مستند اور مسلم فضلاء سے کوئی شخص کھڑا ہو اور مسلمانوں کو دلی شوق تھا کہ قدیم بغل پرورده عقیدہ کو نہ چھوڑیں جب تک کسی زبردست مقابلہ کی محک پر کس کر اُس کا ناسرہ ہونا ثابت نہ ہوجائے۔ لودیانہ کے مباحثہ سے جو اصل دعویٰ مسیح موعود سے بالکل اجنبی واقع ہوا تھا مسلمانوں کی پیاس کو ایک قطرۂ آب بھی ہونٹ تر کرنے کیلئے نہ ملا تھا۔ گوایک وجہ سے اہلِ حق مبصّر کو اس سے بھی حضرت مرزا صاحب کا مویّد من اللہ ہونا صاف طور پر ثابت ہو چکا تھا۔ مگر عام لوگ جنکی نگاہیں مبادی سے متجاوز ہوکر مقاصد کی تہ در تہ باریکیوں پر پہنچ نہیں سکتیں کھلا کھلا ثبوت اور بیّن حجت کا ظہور چاہتے تھے سو رحیم کریم اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو حیرت وتردد کی ظلمتوں میں ابتلا کے وقت اپنی خاص رحمت سے چراغ ہدایت ہاتھ میں دیتا ہے اپنی دائمی سنت کے موافق اب بھی تقاضا فرمایا کہ ان فطری سعیدوں کو جن پر بعض بواعث سے آنی حجاب پڑ گئے ہیں اور جنہیں حقیقۃً قبول حق کی سچی اور پُرجوش تڑپ تو لگی ہوئی ہے مگر وہ صدیقی ایمان کے خلاف قاطع حجت اور باہر دلیل دیکھکر ایمان لانا پسند کرتے ہیں۔ اپنی مرضیات کی راہیں دکھانے کیلئے ایک خاص امر فارق بین الحق والباطل دکھلائے۔ اس حکیم حمید اللہ تعالیٰ نے اپنی زبردست حکمت کے پورا کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود کے دل میں سفر دہلی کا ارادہ القا کیا۔ آپ ۲۸ ستمبر کو مع الخیر وارد دہلی ہوئے۔ کل پنجاب اور ہندوستان کی آنکھیں بڑی بےصبری سے دہلی کی کارروائیوں کو دیکھنے لگیں۔ ان کا یہ موروثی اعتقاد چلا آتا تھا کہ دہلی بڑے بڑے نامی علماء اور اجلہ اولیاء کا مسکن وماویٰ ہے اس لئے وہاں کما ینبغی احقاق حق اور ابطال باطل ہو جائیگا مگر افسوس وہ نہ جانتے تھے کہ ان کے حسن اعتقاد کے محرک ومرجع جن کی پاک اور برگزیدہ تصنیفات وتالیفات انکی دلکش تصاویر کے مرقع کی بجا قائم مقامی کرکے پڑھنے والوں کے دل میں سوسو حسرتیں چھوڑتی ہیں قبروں میں سو رہے ہیں اور انکے سینوں کو روندنے والے اترا اترا کر چلنے والے وہ لوگ ہیں جو فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّہَوٰتِ [1]

[1] مریم: ۶۰

کے پورے مصداق ہو رہے ہیں۔ بے شک بعض اب بھی ہیں جنہیں مقدس اسلاف کی سچی یادگاریں کہنا کچھ بھی مبالغہ نہیں۔ الغرض حضرت مرزا صاحب اپنے مخدوم آقا اپنے مقتدا جناب ہادئ کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح جبکہ وہ اہلِ مکہ سے ایذائیں سہہ کر طائف ایسے مہذب و شاداب شہر کو تشریف لے گئے تھے کہ کہیں ان میں ہی کوئی طالب حق مل جائے ہندوستان کے مہذب شہر دہلی میں آئے۔ مگر کیا ہمیں اس بات کے اظہار پر دلی رنج مجبور نہیں کرتا کہ اہلِ دہلی نے (الّا ماشاء اللہ ومن شاء عصمہ) شاید اہلِ طائف کی تاریخ پڑھ کر اور اپنی پر زور نخوت ورعونت پر اعتماد کر کر نہ چاہا کہ وہ ایک مرد خدا کے ساتھ بدسلوکی کرنے میں ان گزشتہ مخالفان راستی سے کوئی قدم پیچھے رہ جائیں خیر جو کچھ ان سے بن پڑا انہوں نے کہا اور کیا **اور ایک با امن۔ رحیم۔ مہذب اور پکی بے طرف دار گورنمنٹ** کے پرسطوت و بارعب وقت میں جس قدر مخالفت کا وہ حوصلہ رکھتے تھے انہوں نے کی مگر ان کی متفق کوششوں سے نور اللہ بُجھ نہ سکا بلکہ آخر اُنہی کے ہاتھوں اُنہی کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے اس نور کی ترقی کا موجب بنایا مگر انہوں نے سخت غفلت کی وجہ سے نہ سمجھا شاید اب بہتیرے سمجھ جائیں۔ یہاں ہمیں ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ ہم دہلی کی کارروائی کے جزوی وکلی حالات مفصلاً لکھنے کی تکلیف اٹھائیں۔ اس امر کو ہمارے مکرم دوست منشی غلام قادر صاحب فصیح ضمیمہ پنجاب گزٹ مورخہ ۱۴ر نومبر میں بڑی وضاحت اور صداقت سے شائع کر چکے ہیں ہمارے نزدیک اتنا ہی کہنا ایک جامع مضمون کے قائم مقام ہے کہ ان لوگوں نے ایک مسلم انسان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں حقوق العباد میں سے کسی ایک حق کی بھی رعایت نہ کی لیکن اللہ تعالےٰ کو منظور تھا کہ بہر نہج ان پر حجت تمام کر دے گو میاں مولوی سید نذیر حسین صاحب اور انکے لشکروں نے اللہ تعالیٰ کے اتمام حجت کی راہ میں عمداً بڑی بڑی چٹانیں ڈالدیں اور ہر طرح ہاتھ پاؤں مارے کہ انکا لشکر قیام بیّنہ سے ہلاک نہ ہونے پائے اور جوں توں کر کے وہ پیالہ اُن سے ٹل جائے مگر اللہ تعالیٰ نے مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی کو ایک دوست کی صورت میں ان کا خانہ برانداز دشمن بھیج دیا یہ کہنا نادرست نہیں کہ مولوی صاحب کو دہلی کے بعض پیروانِ میاں صاحب نے جو میاں صاحب سے بوجہ شدّت ہَرَم اور دیگر ملاؤں سے بوجہ فقدان قابلیت مایوس ہو چکے تھے بڑے شوق سے بلایا اور یہ بھی بالکل حق ہے کہ مولوی محمد بشیر صاحب کو باغراض شتّٰی خود بھی خواہش تھی کہ حضرت مرزا صاحب سے مباحثہ کریں بہر حال اس سادہ دل مولوی نے میاں سید نذیر حسین صاحب اور انکے تابعین کے رحم انگیز زار نالے اور سخت سرزنش پر بھی مطلق کان نہ دھر کے بڑی جرأت سے حیاتِ مسیح علیہ السلام کا دعویٰ کیا اور اس دعویٰ کو کیونکر نباہا ناظرین اِن مضامین کو پڑھ کر خود ہی سمجھ لیں گے گو {۲}

مولوی محمد بشیر صاحب نے کسی نیت پر اس میدان میں قدم رکھا ہو مگر ہم انھیں مبارک دیتے ہیں کہ انہوں نے ہندو پنجاب کے علماء کی طرف سے اپنے تئیں فدیہ دیا ہے واقعی وہ ایک زبردست کفارہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کی طرف سے ہوئے ہیں اللہ تعالےٰ نے انھیں اس لق ودق بیابان میں جہاں کوئی جادہ نہ ملتا تھا اور نہ جہاں کوئی نقش پائے رہ رواں ہی نظر آتا تھا اس نشان کی طرح کھڑا کیا جس سے مسافر سمت کا پتہ لگاتے ہیں اگر چہ اس میل (نشان) کو شعور نہ ہو کہ اس کا وجود اتنے بڑے فائدہ کا موجب ہے مگر ہم امید رکھتے ہیں کہ شاید شاکر علیم خدا اُن کو بوجہ دال علی الخیر ہونے کے واقعی فہم بھی عطا کردے تو کہ وہ اس فرستادہ خداوندی کو طوعًا قبول کریں میرا پکا ارادہ تھا کہ میں معمولاً ان مضامین پر کچھ نوٹ یا ایک مختصر ساریویو کرتا مگر میرے دلی دوست بلکہ مخدوم معظم مولوی سید محمد احسن صاحب نے مجھے اس فرض سے سبکدوش کر دیا انھوں نے جیسا اس خدمت کو ادا کیا ہے درحقیقت اُنہی جیسے فاضل اجل کا حصہ تھا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء میرا یقین ہے کہ یہ ایسا نیک کام ان کے مبارک ہاتھ سے پورا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے رفع درجات کے لئے ایک یہ ہی بس ہے مگر قوی امید ہے کہ ہمارے حضرت سیّد صاحب موصوف روح قدس سے مویّد ہو کر اور بھی بڑے مفید اور منتج ثواب کام کریں گے۔ ﴿۳﴾

الغرض مولوی محمد بشیر صاحب کے وجود کو ہم مغتنم سمجھتے ہیں جنہوں نے غیر ضروری مباحث اور بخلاف ایک پنجابی ملا کے لاطائل اصول موضوعہ کو چھوڑ کر اصل امر کو بحث کا تختہ مشق بنایا اور یوں خلق کثیر کے ہر روزہ انتظار جانکاہ کو رفع کر دیا گو اس پر بھی اس بات کے کہنے سے چارہ نہیں کہ ہدایت ایک منجانب اللہ امر ہے اور وہ سچا ہادی لامعلوم اسباب کے وسایط سے سعیدان ازلی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے مگر کہنے کو کہا جاسکتا ہے کہ راہ خوب صاف ہوگئی اور اس مضمون حیات وممات مسیحؑ کی بحث کی حجت قطعًا وحکمًا تمام ہوگئی۔

ہم کمال ہمدردی اور اسلامی اخوت کی راہ سے اہل دہلی کو اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ ناحق کی ضد کو چھوڑ کر اس مامور من اللہ کو قبول کریں ورنہ ان کا انجام خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ میں کانپتے ہوئے دل سے انھیں اتنا کہنے سے رک نہیں سکتا کہ ان کا جامع مسجد دہلی میں حضرت مسیح موعود کے برخلاف چھ سات ہزار آدمی کا مجمع کر کے طرح طرح کی ناسزا حرکات کا مرتکب ہونا دیکھ کر مجھے یاد آ گیا حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا وہ واقعہ جو کمالات عزیزی مطبوعہ دہلی میں لکھا ہے

''جناب مولانا شاہ عبد العزیز جو واسطے نماز جمعہ کے جامع مسجد میں تشریف لے جاتے تو عمامہ آنکھوں پر رکھتے۔ ایک شخص فصیح الدین نام جو اکثر حضور میں حاضر رہتے تھے انہوں نے عرض کیا

﴿۴﴾ کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے جو آپ اس طرح رہتے ہیں آپ نے کلاہ اتار کر انکے سر پر رکھدی ایک دفعہ ہی بے ہوش ہو گئے جب دیر میں افاقہ ہوا عرض کیا سوسوا سو کی شکل آدمی کی تھی اور کوئی ریچھ اور کوئی بندر اور کوئی خنزیر کی شکل تھا اور اُس وقت مسجد میں پانچ چھ ہزار آدمی تھے حضرت نے فرمایا کہ میں کس کی طرف دیکھوں اس باعث تو نہیں دیکھتا۔‘‘

دہلی والو خدا کیلئے اس واقعہ سے عبرت پکڑو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اسوقت بھی تم نے اپنی حرکات سے ثابت کر دیا ہے کہ تم میں بہت ہی تھوڑے ہیں جو اصلی انسانی صورت پر ہیں اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ اے اہل پنجاب! موقعہ ہے کہ تم اس دہلی کے واقعہ کو سن کر پوری نصیحت حاصل کرو۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں کا حال دیکھ کر عبرت پاتا ہے تم ان تکفیر باز خشک ملاؤں کو انکی اپنی غضب و حسد کی دہکتی ہوئی بھٹی میں جلنے دو۔ ان سنگدل حقد مجسم صاحبان غرض کو کبھی بھی خلوصًا حق سے سروکار رہا ہے جواب ہوگا؟۔ اے علم خیز سرزمین لاہور کے رہنے والو ہوشیار ہو جاؤ تمہارا یہ بزرگ خطہ ساری پنجاب کا مرجع ہے۔ دیکھنا وہ پتھر جسے خود تم نے بڑی کوششوں کے ساتھ اپنی راہ سے ہٹایا ہے وہ پھر تمہاری ٹھوکر کا باعث نہ ہو۔ تم خوب جانتے ہو وہ شاخ کس جڑ سے پھوٹی ہے کس زمین میں اسکا نشوونما ہوا ہے۔ دیکھنا دیکھنا! بُھولے سے بھی تمہارے ہاتھ سے پھر اس کی آبیاری نہ ہو!۔ ایسا نہ ہو کہ دِلّی کا اُلّو تمہاری دیواروں پر بھی بولنے لگے۔ اے دانشمندو! تم ان کاغذی گڑیوں پر کیوں فریفتہ ہوتے ہو کیا یہ کفر کے فتوے غیر معصوم ہاتھوں کے لکھے ہوئے اور ظالم دلوں کے نتائج نہیں؟ کیا یہ ناشدنی سیاہ کارروائی کرنیوالے خود بھی کاغذی پیراہن پہن کر دادخواہ نہیں ہوئے کہ ان پر ناحق کفر کا فتویٰ لگایا گیا؟ پس یہ مسلسل کافر بھی کیا کسی دوسرے کو کافر بنانے کا استحقاق رکھتے ہیں؟ یہ دھوکے کی ٹٹّی ہے جو ان ملاؤں نے کھڑی کر رکھی ہے۔ اے صاف باطن حق کے طالبو اسکو پھاند کر آگے بڑھو اور دیکھو کہ وہ جسے یہ حاسد سیاہ غول ثابت کرنا چاہتے اور ڈھٹ بندی کر کے لوگوں کو ایک ڈراؤنی مورت دکھاتے ہیں وہ درحقیقت ایک عظیم الشان روشنی کا فرشتہ ہے۔ اے خدا اے ہدایت کے مالک خدا تو ان لوگوں کو توفیق عنایت فرما کہ وہ تیرے اس بندہ کو پہچانیں! آخر میں اس دل لبھانے والے عربی قصیدہ کی نسبت جسکی اشاعت کو بڑا ضروری اور مفید سمجھا گیا ہے مَیں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ہمارے ایک نہایت برگزیدہ دوست کا لکھا ہوا ہے جسکے وجود کو ہم اپنے درمیان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت سمجھتے ہیں۔ ہم کسی وقت بشرط ضرورت اُنکا حال بھی لکھیں گے۔ امید ہے کہ اس قصیدہ کے اردو ترجمہ کو جو اکثر جگہ حاصل مطلب کے طور پر کیا گیا ہے دلچسپی سے خالی نہ پائیں گے۔

﴿۵﴾ اب ہم ان تکفیر بازوں کو حضرت امام ابن قیّم کے چند شعر سنا دیتے ہیں شاید ان میں کوئی خدا ترس بات کی تہ کو پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے۔

(۱)	وَمِنَ الْعَجَائِبِ أَنَّكُمْ كَفَّرْتُمُ	أَهْلَ الْحَدِيْثِ وَ شِيعَةَ الْقُرْآنِ
(۲)	اَلْكُفْرُ حَقُّ اللّٰهِ ثُمَّ رَسُوْلِهِ	بِالنَّصِّ يَثْبُتُ لَا بِقَوْلِ فُلَانِ
(۳)	مَنْ كَانَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَعَبْدُهُ	قَدْ كَفَّرَاهُ فَذَاكَ ذُو الْكُفْرَانِ
(۴)	فَهَلُمَّ وَيْحَكُمُ نُحَاكِمُكُمْ اِلَى النُّـ	ـنَصَّيْنِ مِنْ وَحْيٍ وَمِنْ قُرْآنِ
(۵)	وَهُنَاكَ يُعْلَمُ أَيُّ حِزْبَيْنِ عَلَى الْـ	ـكُفْرَانِ حَقًّا أَوْ عَلَى الْاِيْمَانِ
(۶)	فَلْيَهْنِكُمْ تَكْفِيْرُمَنْ حَكَمَتْ بِاِسْـ	ـلَامٍ وَ اِيْمَانٍ لَهُ النَّصَّانِ
(۷)	اِنْ كَانَ ذَاكَ مُكَفِّرًا يَا اُمَّةَ الْـ	ـعُدْوَانِ مَنْ هٰذَا عَلَى الْاِيْمَانِ
(۸)	كَفَّرْتُمُ وَاللّٰهِ مَنْ شَهِدَ الرَّسُوْ	لُ بِاَنَّهُ حَقًّا عَلَى الْاِيْمَانِ
(۹)	كَمْ ذَا التَّلَاعُبُ مِنْكُمْ بِالدِّيْنِ وَا لْـ	اِيْمَانِ مِثْلَ تَلَاعُبِ الصِّبْيَانِ
(۱۰)	خُسِفَتْ قُلُوْبُكُمْ كَمَا خُسِفَتْ عُقُوْ	لُكُمْ فَلَا تَزْكُوْا عَلَى الْقُرْآنِ
(۱۱)	يَا قَوْمُ فَانْتَبِهُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَخَلُّـ	ـوا الْجَهْلَ وَالدَّعْوٰى بِلَا بُرْهَانِ

(۱) بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ تم نے اہل حدیث اور اہل قرآن کی تکفیر کی۔

(۲) تکفیر تو اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے (تمہیں کافر بنانے کا منصب کس نے دیا) وہ نص سے ثابت ہوتا ہے نہ فلان وبہماں کے قول سے۔

(۳) جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کافر کہیں وہی کافر ہے۔

(۴) افسوس تم لوگوں پر! تو اب آؤ ہم تم کتاب وسنت پر اپنے مقدمہ کو عرض کرتے ہیں۔

(۵) وہاں چل کر کھل جائے گا کہ واقعی ایمان پر کون ہے اور کفر پر کون۔

(۶) اُن لوگوں کا کافر کہنا جنکے ایمان واسلام پر کتاب وسنت گواہی دیں تمہیں مبارک ہو۔

(۷) سرکشو! اگر ایسے برگزیدہ لوگ عالمین بہ کتاب اللہ کافر ہیں تو پھر مومن کون ہے۔

(۸) اللہ کی قسم تم دلیری کر کے ایسے کی تکفیر کر رہے ہو جس کی نسبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام گواہی دیتے ہیں کہ وہ واقعی مومن ہے۔

(۹) آؤ خدا کا خوف کرو کب تک بچوں کی طرح دین کو بازیچہ بنا رکھو گے؟

(۱۰) تمہارے دل اور عقلیں گہنائی گئیں ہیں اب قرآن پر تو زیادت نہ کرو۔

(۱۱) اے لوگو اپنی جان کے بچاؤ کے لئے بیدار ہو جاؤ اور اس جہل اور دعویٰ بلا دلیل کو چھوڑ دو۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلٰوۃ والسلام علی السید الامین وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔ عبدالکریم

{۶}

قصیدہ

یتشرف المَنۡظُوۡمُ بِلَثۡمِ کف الاِمام الجلیل والھامُ النّبیل المجدد الممجَّد

میرزا غُلام احمد قادیانی ادام اللّٰہ تعالٰی ظلہ‘

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الی کم تمادی الھجر یلعب بالصَّبِّ	۱	وحتّام یَبۡلوہ الزّمان بذا النکبِ
فھل للمعنّی زورۃ ینطفی بھا	۲	بتاریح وَجۡدٍ توقد النّار فی الجنب
الا ھل علمتم ما حملت بحبّکم	۳	واوزارہ من بعدکم انقضت صُلبی
اَبیتُ علی جمر الغضا متقرّعًا	۴	ودمعی طویل اللیل یشرح لِلغربِ
حرامٌ علی جفنی الکری فاسألوا بہٖ	۵	نجوم الدُّجیٰ والھدبُ یجفو عن الھدبِ

(۱) نہیں معلوم ہجر کی درازی کب تک عاشق کو ستاتی رہے گی۔ اور زمانہ اُسکو ان دکھوں میں کب تک مبتلا رکھے گا۔

(۲) کبھی دکھ سہنے والے (عاشق) کو بھی ایک بار ملاقات میسر ہوگی۔ جس سے وہ عشق کی اس جلن کو بُجھا سکے جس نے اس کے پہلو میں آگ مشتعل کر رکھی ہے۔

(۳) ہائے تمہیں کیا خبر ہے؟ کہ میں نے تمہارے عشق میں کیا کیا اُٹھایا۔ اُس کے بوجھوں نے تمہاری جدائی میں میری پیٹھ توڑ دی۔

(۴) میں چوب غضا کے دہکتے کوئلوں پر کروٹیں بدلتے بدلتے راتیں کاٹتا ہوں اور میرے آنسو رات بھر رگ آب چشم کو کھولتے رہتے ہیں۔

(۵) نیند میری آنکھوں پر حرام ہے تم اُسکی بابت تاریکی کے ستاروں سے دریافت کرلو کیا مجال جو پلک سے پلک لگی ہو۔

﴿۷﴾

كَذا حال مسلوب القرار متيّمٍ	۶	عديم اصطبارٍ وامق في الهوى صلبٖ
حليف الضنى مستوحشٍ ذى كآبةٍ	۷	طويل اغتراب نازح الاهل والحبٖ
هل العيش الا فى وصال احبّةٍ	۸	نأت دارهم لكن عن الجسم لا القلبٖ
فان بعد وا عنى فان حديثهم	۹	يخفف اشجانى وينهىٰ عن النَّحْبٖ
بلانى اللّيالى ويلها من صروفها	۱۰	بما صرت فيه حآئرالفكر و اللُّبٖ
والهى عن الانشآء والشعربعدما	۱۱	تعوّدت شعرًا والكتابة من طلبى
كانى ماكنت امرأ ذافطانة	۱۲	ولا ورثت نفسى الفصاحة من كعبٖ
هموم و تنكيدٌ و اَسرٌ وغربة	۱۳	وفى سفهاء الناس دارٌ وهم كَرْبِى
فقدت سرورى مذ فقدت احبتى	۱۴	كرام اُناسٍ خلّفوا الهَمَّ فى العَقْبٖ

۶۔ عاشق بے قرار۔سوختہ دل۔بے صبر۔شیدااور عشق میں ثابت قدم کا ایسا ہی حال ہوا کرتا ہے۔
۷۔ وہ عاشق جس نے بیماری سے دائمی دوستی کا عہد باندھ رکھا ہے۔لوگوں کی صحبت سے گریزاں۔ دکھی۔مدتوں کا مسافر۔اہل وعیال اور دوستوں سے جدا ہے۔
۸۔زندگی کا لطف تو بس ان پیاروں کی صحبت میں ہے جن کا وطن جسم سے دور پر قلب کے نزدیک ہے۔
۹۔وہ جو مجھ سے دور ہیں تو مضائقہ ہی کیا ہے کیونکہ ان کی پیاری باتیں میرے دکھ درد کو ہلکا کرتی اور مجھے گریہ وزاری سے روکتی ہیں۔
۱۰۔ مجھے جدائی کی راتوں نے سخت ستایا۔ان کی گردشوں اور حادثوں پر افسوس! میری تو اس میں عقل وفکر چکر کھا گئی ہے۔
۱۱۔مجھے انشاءاور شعرگوئی سے بالکل غافل کردیا حالانکہ شعر گوئی اور اعلیٰ درجہ کا لٹریچر لکھنا تو میری عادت تھی۔
۱۲۔اب میری یہ حالت ہے کہ گویا مَیں کبھی بھی زیرک شخص نہ تھا اور جیسے میں کعب (صاحب قصیدہ بانت سعاد) سے فصاحت کا وارث ہی نہیں ہوا۔
۱۳۔رنج وغم۔گرفتاری اور سفر میں مبتلا۔بیوقوف لوگوں میں مکان ہے جنکے ہاتھوں دُکھ سہہ رہا ہوں۔
۱۴۔میری خوشی اور عیش مفقود ہوگئی جب سے اپنے پیارے دوستوں سے جدا ہوا۔وہ کیا ہی برگزیدہ لوگ تھے۔ان کے پیچھے میرے حصہ میں تو اب غم ہی غم ہے۔

﴿۸﴾

حفّا لتهم ابقيتُ فِيهَا اِذَا مَضَوْا	۱۵	فامسيتُ احيى بالطغام و بالقحبِ
بُليتُ باهل الجهل ويل لاُمهم	۱۶	مضرتهم ادهى من الذئب و الكلبِ
يعادون اهل العلم و العلم كله	۱۷	لما همّهم فى لذة الفرج و الشربِ
اقاسى الاذى من جهلهم و مرائهم	۱۸	و شدتهم بالسبع كالطعن و الخلبِ
على غربة فيها هموم و كربة	۱۹	و انواع اسقام و فقد اخى الحبّ
و مالاقنى فى ذى البلاد مواسِيًا	۲۰	و لم يتيسّر اٰسيًا من فتًى نَدبِ
وحيد و اصناف الخُطوب ينوبنى	۲۱	تعددت البلوىٰ علٰى عادم الصحبِ
ارانى مع الاوغاد يستصحبوننى	۲۲	اُعَلّم غير الاهل كالُقرد و الدُّبِّ
لقدضاق صدرى بالاقامة عندهم	۲۳	و سُوء جوار العابس الوجه ذى قطب

۱۵۔ وہ برگزیدے تو چلے گئے اور میں ردی سا پیچھے رہ گیا۔ اب کمینوں قلاشوں میں مجھے زندگی بسر کرنی پڑ گئی۔

۱۶۔ جاہلوں سے میرا پالا پڑ گیا۔ اُن کی جننے والی پر افسوس۔ یہ تو کتوں اور بھیڑیوں سے بھی بڑھ کر موذی ہیں۔

۱۷۔ فسق و فجور اور مے خواری کے دل دادہ ہیں اس لئے علم اور اہلِ علم سے بَیر رکھتے ہیں۔

۱۸۔ مجھے ان کے ناحق کے جھگڑے۔ جہالت اور گالی گلوچ سے سدا تکلیف رہتی ہے۔

۱۹۔ مزید برآں پردیس۔ اور پھر ہر طرح کے رنج و غم اور بیماریاں اور محبوں کا نہ ہونا۔

۲۰۔ افسوس ان دیسوں میں مجھے کوئی غمخوار نہ ملا اور نہ کوئی جوانمرد فیاض غمگسار ہاتھ آیا۔

۲۱۔ میں اکیلا ہوں اور اس پر طرح طرح کے مصائب مجھ پر پڑ گئے ہیں۔ جس کے دوست نہ ہوں اُس پر بہت سی مصیبتیں وارد ہوا ہی کرتی ہیں۔

۲۲۔ میرا یہ حال ہو رہا ہے کہ فرومایہ لوگوں سے سنگت نصیب ہو رہی ہے۔ اور بندروں اور ریچھوں کے ایسے نااہلوں کا معلم بنا ہوا ہوں۔

۲۳۔ ان بدمزاج۔ بدخو۔ ترش رو ہم نشینوں میں رہنے اور اُن کی سنگت سے میرا دل اُکتا گیا ہے۔

﴿۹﴾

الیٰ اللہ أشکو قارعاتٍ تصیبنی	۲۴	من الدھر قد ضاقت بھا سَعَة اللّحُبِ
ومن مفترٍ یرمی بانواع تھمة	۲۵	وتلبیس مُغتابٍ ومستھزءٍ سبّ
وعلماء ☆ السُّوْءِ یدعون اسوة	۲۶	علٰی فرط جھل بالحقائق والکتبِ
عمآئم والجبات والقمص واللحیٰ	۲۷	بھا فخرھم لکنھا الجھل لا تخبی
یبکم سمع الیلمحیّ حدیثھم	۲۸	ورؤیتھم تقذی بھا عین ذی لُبّ
فواللّٰہ انی ما ھجرت خلاطھم	۲۹	لغیر جفآء لیس من شیمة النُّخبِ
وجھلھم المُزری بعلمی ولومھم	۳۰	ورغبتھم فیما یناسب بالوغبِ
یلومونني انی اعاف لقآئھم	۳۱	وکیف اُلاقی جاھلا لیس من حزبی
فکم بین ذی لبّ ادیب وجاھل	۳۲	وشتان بین الماجد الحرّ والوشبِ
من الجھل ان تلقی و تکرم جاھلا	۳۳	للحیتہٖ اوجبة او عظم السِبّ
عذیری من الایام من جوراھلھا	۳۴	اقاموا جبال الفادحات علٰی قلبی

۲۴۔زمانہ کے مصائب سے جنہوں نے میرے وسیع سینہ کو بھی تنگ کردیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے حضور میں شکوہ کرتا ہوں۔

۲۵۔اوراس مفتری سے جوطرح طرح کی تہمتیں لگاتا ہے اور غیبت کرنیوالے کے دھوکے اور ٹھٹھہ باز گالی دینے والے سے۔

۲۶۔اور برے عالموں سے جو باوجود حقائق ومعارف وعلوم کے نہ جاننے کے اپنے تئیں نمونے سداتے ہیں۔

۲۷۔ آجا کے انکا مایہ ناز عمامے۔ جبے۔قمیصیں اور ڈاڑھیاں ہیں۔مگران سے جہل کیونکر چھپ جائے۔

۲۸۔سمجھداران کی گفتگو کوسننا گوارانہیں کرتا۔اوردانشمندان کے دیکھنے سے گھن کرتا ہے۔

۲۹۔ بخدامیں نے جوان سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تو ان کی جفا کے باعث جوشریفوں کا شیوہ نہیں۔

۳۰۔اوران کے جہل کے باعث جس کی وجہ سے وہ میرے علم کوحقیر جانتے اوران کی فرومائیگی اوررذیلوں کیسی عادات سے مانوس ہونے کے باعث۔

۳۱۔ وہ مجھے ملامت کرتے ہیں کہ میں انہیں دیکھنا روانہیں رکھتا۔سچ ہے۔میں کیونکر جاہل سے ملوں جو میری جماعت سے نہیں۔

۳۲۔دانا،ادیب اور جاہل،نجیب وشریف اور کمینے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

۳۳۔کسی جاہل سے ملنا اوراسکی بڑی پگڑی اورلمبی ڈاڑھی اور جبہ کے باعث اس کی عزت کرنا بھی جاہل ہی کا کام ہے۔

۳۴۔زمانہ اوراہل زمانہ کے جور وجفا سے جو میں شکوہ کروں تو مجھے معذور رکھنا چاہیئے کیونکہ انہوں نے میرے دل پر مصائب کے پہاڑ رکھ دیئے ہیں۔

☆ و من علماء السوء ”من“ سہوکاتب سے رہ گیا معلوم ہوتا ہے۔(شمس)

﴿۱۰﴾

شرقت بایذآء اللئام وشرّھم	۳۵	وفتنتھم لا بالملام ولا العَتَبِ
لعمری ھٰذی النآئبات اخفھا	۳۶	اشد علی الانسان من وقعة القضبِ
رعی اللہ طیفا قد اتانی بفرحةٍ	۳۷	تکاد بھا انجو من الھم والنّصبِ
فانی بلیل بین ھدءٍ و رقدةٍ	۳۸	اذا شیم برق الشرق فی اسرع الوثبِ
اضاء ت بہ الاٰفاق والارض کلھا	۳۹	وحار البرایا فیہ خوفامن الخطبِ
ففاھوا بما شآء وا ولم یتفکّروا	۴۰	لفرط اختباط بالضجیج وبالصّخبِ
وکم مدع للعلم من فرط جھلہ	۴۱	تاوّلہ بالھرج والطعن والضربِ
تانّقتُ فیہ غیر یوم و لیلة	۴۲	اراقب ما یبدے الزمان من العَجَبِ
وقد اجتلی اٰثار خیر ورحمة	۴۳	من الجانب الشرقی مستوطن الخصبِ
وانشق من ریح الصّبا کل سُحرةٍ	۴۴	روایح تروی القلب کا لغصن الرطبِ

۳۵۔ میں خبیث طینت لوگوں کے شر وفتنہ سے نہ انکی ملامت وعتاب سے سخت تنگ آ گیا ہوں ۔

۳۶۔ بخدا یہ ایسی مصیبتیں ہیں کہ ان میں سے ہلکی سے ہلکی بھی انسان پر تلوار کی ضرب سے زیادہ شدید ہیں۔

۳۷۔ اللہ تعالیٰ اس خیال کا حافظ وناصر ہو جو میرے پاس ایسی بشارت لایا جس سے امید پڑتی ہے کہ میں غم والم سے نجات پا جاؤں گا۔

۳۸۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ میں ایک رات کچھ بیداری اور نیند کے درمیان تھا کہ شرقی بجلی اس زور سے کوندتی نظر آئی۔

۳۹۔ کہ ساری دنیا اسکی روشنی سے منور ہوگئی اور لوگ حیران ہو کر کہنے لگے کہ کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا چاہتا ہے۔

۴۰۔ جو کچھ کسی کے منہ میں آیا بولتا رہا۔ مگر کسی کو بھی شدت اضطراب اور شور وغل کی وجہ سے سوچنے کا موقع نہ ملا۔

۴۱۔ بعض مدعیان علم نے بڑی جہالت سے اسکی یہ تاویل کی کہ کوئی بڑا فتنہ اور جنگ ہونے والی ہے۔

۴۲۔ میں بھی اس امر میں کئی رات دن غور کرتا رہا اور منتظر تھا کہ زمانہ کیا عجیب واقعہ ظاہر کیا چاہتا ہے۔

۴۳۔ مگر میں اپنے زعم میں مبارک سرزمین مشرق کی طرف سے رحمت وخیر کے آثار کا منتظر تھا۔

۴۴۔ اور مشرقی ہوا سے ہر سحر مجھے ایسی خوشبو آتی۔ جو شاخ تر کی طرح دل کو تر وتازہ کر جاتی۔

﴿۱۱﴾

وتُهدّی لـــه مـن نـفـحةٍ عنبـريّةٍ	۴۵	فَحَنَّ لذكر الشرق شوقا الى القربِ
واُلـقـى فيــه انّ بـالشــرق قـدوة	۴۶	تـفـوّح انفـاس لـه موجب الجذبِ
فـقــد جـآء نـا مـن قـاديـانَ مُبشِرٌ	۴۷	بـخيــر امـام انتظـرنــاه مُذحقبِ
واخبـر ان اضـحٰـى غـلامٌ لاحـمـدٍ	۴۸	خـليـفتـــه فيـنـا ومـنـا بـلاذبِّ
امـامٌ هـمـامٌ نـائـب الشـرع مُلْهَمٌ	۴۹	من الله رب العرش عافٍ عن الذنبِ
مـجـدد ديـن الـلّٰـه فـى امّةٍ غَوَت	۵۰	وصاحب هذا العصر حقا بلا كذبِ
جليـل جـميـل احسـن النـاس كُلِّهِم	۵۱	كريم المحيّا اسمر اللون ذو الرّعب
وقــور حــليـم ربـعة رب وفـرةٍ	۵۲	لـه شعـر سبط كـمـا قـال من نبىّ
سـمــى صـفــى بيـن الوصف مـاجد	۵۳	حـميـد السـجـايا وافر العلم واللبِ
هـو الـحجة البيـضـاء لله فى الورىٰ	۵۴	كشمس الضُّحٰى قد ضآء شرقا الٰى غربِ

۴۵۔ اور اسے بوئے عنبر تحفہ دیتی جس سے میرے دل کو یادِ شرق اور اس کے قرب کا اشتیاق لگ گیا۔
۴۶۔ اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ **مشرق میں ایک برگزیدہ** ہے جسکے دم مبارک کی ہوا یہ کشش کر رہی ہے۔
۴۷۔ اتنے میں **قادیاں** سے ایک بشارت دینے والا آیا کہ جس برگزیدہ امام کا تم برسوں سے انتظار کرتے تھے وہ آگیا۔
۴۸۔ اور اس نے اطلاع دی کہ **احمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک خادم و غلام ہم میں اور ہم میں سے اس کا جانشین ہوا ہے۔
۴۹۔ مبارک امام۔ نائب شرع اور اللہ رب عرش کی طرف سے ملہم اور گناہوں سے پاک۔
۵۰۔ بہک گئی ہوئی امت میں از سرِ نو اللہ کے دین کو بحال کرنے والا اور لاریب اس زمانہ کا صاحب۔
۵۱۔ صاحب جلال و جمال اور حسن میں لوگوں سے برتر، کریمانہ بشرہ والا، گندم گوں اور صاحب رعب۔
۵۲۔ باوقار، حلیم، میانہ قد اور بڑا سخی ہے۔ اسکے نیچے لٹکنے والے بال ہیں جیسے کہ جناب نبوت مآب نے خبر دی۔
۵۳۔ عالی قدر، برگزیدہ جس کی وصف عیاں ہے۔ بڑی شرافت والا جس کی تمام عادتیں ستودہ ہیں۔ بڑے علم و دانش والا۔
۵۴۔ وہ جہان میں اللہ تعالیٰ کی روشن حجت ہے۔ آفتاب نیمروز کی طرح شرق و غرب میں درخشاں ہے۔

عـلیـمٌ بـاسـرار الشـریـعة عـامـلٌ ﴿۱۲﴾	۵۵	بموجبها فی محکم الفرض و الندبِ
بشیـر بـفـوز بـالـمُـنٰـی لمن اقتدیٰ	۵۶	نـذیـر لـمن ولی من البوس و الکربِ
قـوی مهیب اشجـع الـقـوم بـاسـلٌ	۵۷	شدید علی الکفار کالصارم العضبِ
مـحـب لـمـن و د الـرسـول وصحبه	۵۸	عـدو لاهـل الغی و الجبت و النصبِ
عـفیف تـقـیّ او د ع الـنـاس خیـرهم	۵۹	و اصـدقهـم فیـمـا یقول ومـا یُنْبی
حیـیٌّ ستیـر ذوالـمـروة و الـوفـا	۶۰	عـفـوّ صبـورٌ هیّـن لیّـن الـقـلـبِ
وضیـیءٌ طـلیـق الوجـه بـرٌّ مبـارک	۶۱	کـریم رحیب البا ع ذوالمنزل الرَّحبِ
سـریـع الـی الـحسنی نفور عن الخنا	۶۲	بـعـیـد مـن الایـذآء و الزجر و السبِّ
امیـن عـلٰی حقٍ مطا ع مُـحَدَّثٌ	۶۳	بکل الذی یقضی ویسطر فی الکتبِ
یـعیـن بـنـی الأمـال بـالـمـال و العطا	۶۴	و یغنی ذوی الافلاس بالجود و الوهبِ

۵۵۔ شریعت کے اسرار کا جاننے والا۔فرض وندب میں شریعت کے موجبات پرعمل کرنے والا۔

۵۶۔ اپنے پیرو کو حصول آرزو کی بشارت دینے والا اور منکر کو دکھ درد سے ڈرانے والا۔

۵۷۔ زبردست، باہیبت، شجاع ترین قوم، جواں مرد، کافروں پر شمشیر تیز سے زیادہ تیز۔

۵۸۔ جناب رسولؐ اور انکے دوستوں کے دوست کا دوست۔گمراہوں اور غیراللہ کے پوجنے والوں کا دشمن۔

۵۹۔ پاکدامن، تقویٰ شعار سب لوگوں سے برگزیدہ اور پرہیزگار اور اپنی تمام باتوں اور پیشگوئیوں میں سچا۔

۶۰۔ بڑی حیا وشرم والا، بڑی مروت و وفا والا، درگذر کرنے والا، برداشت کرنے والا، بڑا ہی نرم دل۔

۶۱۔ روشن رو، کشادہ بشرہ والا، نیکی رساں مبارک، کریم بڑا ہی مہمان نواز جس کا مکان سدا مہمانوں کے لئے کھلا رہتا ہے۔

۶۲۔ نیکی کرنے میں جلد باز اور بدکاری سے بھاگنے والا، کسی کو سرزنش کرنے، دکھ دینے اور دشنام دہی سے کوسوں دور۔

۶۳۔ مانا گیا۔خدا کی ہم کلامی سے مشرف اور جو کچھ اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھتا ہے اس سب میں امین برحق۔

۶۴۔ امیدواروں کی داد ودہش سے اعانت کرتا ہے اور مفلسوں کو جودوکرم سے غنی کرتا ہے۔

﴿۱۳﴾

یـضیف مسـاءً و افـدیـه و غـدوةً	۶۵	ویدعی اباالاضیاف فی الخصب والجدبِ
تسیـر الیـه الـوفـد مـن کـل وجهة	۶۶	ویـقـصـده الرّکبان رکبًا علیٰ رکبِ
حـلیف التـقی یهـدی الانام الی التقی	۶۷	ویسعٰی لمرضاة المهیمن و القربِ
طبیـب بـامـراض الـقلوب مُبَصـرٌ	۶۸	ینـقـی مـن الاهوآء والدرن و الثلبِ
مشیـد قـصـر الـدیـن من بعد ما وهت	۶۹	اسـاطینـه فیـنـا عـن الثلم و الشعبِ
تـصـدی لاصـلاح المفاسد فی الوریٰ	۷۰	بـمنفعةٍ تدعوا لی السلم لا الحربِ
واذن انـی قـد بـعـثـت مـؤیّـدًا	۷۱	بارشاد من فی الحضر منهم وفی السُّهُبِ
یـصـنف فـی هـذا رسـایل جـمّةً	۷۲	ویـرسـلها جهرًا الی العُجُم و العُرُبِ
واعـلـن فـی الأفـاق دعوة بیعة	۷۳	فشـدوا الیه الرحل حزبا علی حزبِ
یـزفـون مـن بَـدْوٍ الیـه وحَـضرة	۷۴	ثبـاتًـا واشتاتًـا مـن الشِیبِ والشبِّ

۶۵۔ صبح وشام مہمانوں کی مہمانی میں مصروف رہتا ہے۔ اسی لئے گرانی اور ارزانی میں اسے مہمانوں کا باپ کر کے پکارا جاتا ہے۔

۶۶۔ ہر سمت سے جماعتوں کی جماعتیں اسکے پاس آتی ہیں اور گروہ درگروہ ٹرینوں میں بھر کر اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔

۶۷۔ بڑا ہی پرہیزگار اور پرہیزگاری کی راہ خلقت کو دکھانے والا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور قرب میں کوشش کرتا رہتا ہے۔

۶۸۔ دل کی بیماریوں کا طبیب۔ بڑی پہچان والا جو ہر قسم کے عیب۔ زنگ اور بُری خواہشوں سے پاک صاف کرتا ہے۔

۶۹۔ دین کی عمارت کا مضبوط کرنیوالا۔ جب کہ رخنے پڑ پڑ کر اس کی دیواریں ڈھینے پر آ رہی تھیں۔

۷۰۔ خلقت کے بگاڑوں کی اصلاح کا بیڑا ایسی نفع رسانی کی بناء پر اٹھایا ہے جس کی بلاہٹ صلح کی جانب ہے نہ لڑائی کی طرف۔

۷۱۔ اور اشتہار پر اشتہار دیئے ہیں کہ میں تائید یافتہ از خدا آیا ہوں تو کہ ان سب کو جو دیہاتوں اور شہروں میں رہتے ہیں راہ حق دکھاؤں۔

۷۲۔ اس بارہ میں متعدد رسالے تصنیف کر کے علانیہ طور پر اطراف واکناف عالم میں بھیجتا ہے۔

۷۳۔ عالم میں بیعت کی دعوت کا اعلان دے دیا ہے اور جوق جوق لوگ تیاریاں کر کرا سکے قدموں میں حاضر ہوتے ہیں۔

۷۴۔ دیہات سے' شہر سے ہر سمت سے الگ الگ اور مل مل کر زائرین اس کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں۔

یبآ یعہ من کل حزبٍ عریفہ ﴿۱۴﴾	۷۵	علی طاعة الرحمٰن فی السھل و الصَّعُبِ
تراھم خضوعًا خاشعین لربّھم	۷۶	قلوبھم ملآی من الشوق و الحُبّ
نفوع یفید الناس من نفثاتہٖ	۷۷	ویسبی قلوب الخلق من خلقه العذبِ
رحیم بھم کالوالد البر مشفِقٌ	۷۸	ینفس عنھم کربة الجھل و العُجبِ
وبحر علوم یقذف الدرّموجه	۷۹	الی الناس طرًا لایذود عن النَھُبِ
یحلق اھل العلم و الفضل عندهٗ	۸۰	صباحًا مساءً وھو کالبدر فی الشھبِ
قعودًا لدیہ تسقط الطیر فوقھم	۸۱	کانھم استولت علیھم ید الرُّھبِ
یدورون فی اخذ المکارم حولہ	۸۲	مثال النجوم الدایرات علی القطبِ
وکم من کتاب جآء نا منه معجب	۸۳	لہ درجات عالیات علی الکتبِ
براھینہ تھدی البرایا و کحلہ	۸۴	یجلی عیون الشک و الجھل و العَصَبِ

۷۵۔ ہر گروہ کے شناسا آدمی اس سے بیعت کرتے ہیں کہ وہ ہر حال میں راحت و رنج میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں گے۔
۷۶۔ ان بیعت کرنیوالوں کو تم دیکھو (وہ کیسے ہیں!) وہ اپنے رب کے آگے گڑگڑانے والے ہیں۔ ان کے دل شوق و محبت الٰہی سے بھرپور ہیں۔
۷۷۔ وہ نفع رساں ہے۔ خلقت کو اپنے کلام سے فائدہ بخشتا ہے اور اپنے خلق شیریں سے خلقت کے دل مٹھی میں کر لیتا ہے۔
۷۸۔ ان پر مہربان باپ کی طرح رحیم و مشفق ہے۔ اور جہل اور خود بینی کی بلاؤں کو ان پر سے ٹالتا ہے۔
۷۹۔ وہ علوم کا سمندر ہے جس کی موجیں تمام لوگوں کی طرف موتی پھینکتی ہیں اور پھر لوٹنے سے کسی کو روکتا نہیں۔
۸۰۔ صبح و شام اہل علم و فضل اس کے گرد حلقہ کئے رہتے ہیں اور وہ ان میں ایسا ہے جیسے ستاروں میں بدر۔
۸۱۔ وہ اہل علم اس کے حضور میں ایسے محو ہو کر بیٹھے رہتے ہیں کہ انہیں بے جان خیال کر کے پرندے ان پر بیٹھ جاتے ہیں گویا ہیبت کا ہاتھ ان لوگوں پر غالب ہے۔
۸۲۔ جس طرح بنات النعش قطب کے گرد گھومتے ہیں اسی طرح یہ اہل علم تحصیل معارف کیلئے اسکے گرد گھومتے ہیں۔
۸۳۔ اسکی کئی بڑی بڑی عجیب کتابیں بھی ہمیں ملیں جنہیں اور کتابوں پر بڑی بھاری فضیلت اور ترجیح ہے۔
۸۴۔ اسکی براہین (احمدیہ) خلقت کی ہادی ہے اور سرمہ چشم آریہ جہل شک اور تعصب کی آنکھوں کو جلا دیتا ہے۔

﴿۱۵﴾

وتوضیحہ تجلو ظلام غوایۃ	۸۵	وماالفتح الا مفتح الفتح والغلبِ
وکم معجزات النظم قد تبھر النھی	۸۶	تغادر من باراہ احیر من ضبّ
یروق عیونا حسنھا ونظامھا	۸۷	وتکسو نفوسًا کلھا نشوۃ الشربِ
قصآئد فیھا النور والصدق والھدی	۸۸	تدل علی الاحسان والفوز بالقربِ
تکاد النجوم الزاھرات من السما	۸۹	تخر الیھا ساجداتٍ علی التُربِ
یلذ علی الاسماع حر کلامہ	۹۰	ولطف معان فیہ اَلْبَابَنَا یَسْبِیُ
نفیس ارانا من نفایس سرّہ	۹۱	دقایق علم لا ینال عن الکسبِ
واعجز من اعجاز انفاسہ العدی	۹۲	وقدباء من احداہ☆ بالخسر والتّبِ
شیاطین انس منہ فروّا و جنّۃٍ	۹۳	کان لھم انفاسہ شھب الثقبِ
اقر لہ الاعداء بالفضل والعلٰی	۹۴	وذل لدیہ کل ذی العزل والنصبِ

۸۵۔ توضیح مرام گمراہی کی تاریکی کو کھول دیتی ہے۔ اور فتح اسلام تو فتح وغلبہ کی کنجی ہے۔

۸۶۔ اور آپ کی منظومات کے معجزے عقل کو حیران کر دیتے اور مقابلہ کرنے والے کو سوسمار سے بھی زیادہ سراسیمہ کر ڈالتے ہیں۔

۸۷۔ ان کا حسن ونظام آنکھوں کو سرور بخشتا اور سخن فہموں کے دلوں کو سرشار بھی کر دیتا ہے۔

۸۸۔ قصائد میں تو نور، صدق، ہدایت، توحید اور قرب الٰہی کے حصول کی باتیں بھری ہوئی ہیں۔

۸۹۔ کچھ عجب نہیں جو آسمان کے نورانی تارے ان قصائد کے آگے سجدہ کرنے کیلئے زمین پر آ رہیں۔

۹۰۔ آپ کا لطیف کلام کانوں کو لذت دیتا اور اسکے معانی کی خوبی تو ہماری دانشوں کو اسیر ہی کر لیتی ہے۔

۹۱۔ آپ کی ذات مبارک نے عجائبات اسرار الٰہیہ سے ہمیں ایسے دقائق معارف دکھلائے ہیں جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

۹۲۔ اپنے کلمات طیبات سے مخالفوں کو عاجز کر دیا ہے اور معارضہ کرنیوالے کے پلّے زیاں اور وبال کے سوا کچھ نہیں پڑا۔

۹۳۔ تمام شیاطین انس وجن اُسکے ظہور سے رفوچکر ہو گئے ہیں گویا آپ کے انفاس انکے حق میں شہاب ثاقب ہو گئے۔

۹۴۔ دشمن بھی آپ کی فضیلت کا اقرار کر چکے ہیں اور بڑے بڑے صاحب اختیار لوگ بھی آپ کے سامنے سر نیچا کر دیتے ہیں۔

☆ صحیح حَدَّاہ معلوم ہوتا ہے۔ (شمس)

«۱۶»

دعـا امة مـن ھٰھنـا ثـم ھٰھنـا	۹۵	فقـال سـویداء الـقـلوب لھا لَبِّی
یـؤثـر فـی اتبـاعـه مـایـقـولـه	۹۶	ویـکثـرھـم یـومًـا فیومًا و لایکبی☆
ویـحـمـده مـن شـط مـنـه ومـن دَنا	۹۷	سوی من یری فی الدین غیر اولی الارب
وکـم مـن کبیـر الـقـوم اصغی وانّما	۹۸	حـذارًا عـلی الدنیا نایٰ عنه بالجنب
فـلـم یبق الا مـن تـعدّی بـجھلـه	۹۹	یـمـاری مـراءً عـن غـوایتـه یُنَبّیِ
اذا قیـل بـرز وَ اختبـره مـنـا ظرًا	۱۰۰	یـفـرویـھـذی بـالوقـاحة والجھب
واکبـر مـن اَغـراه نشـوة جَھلـه	۱۰۱	بـانـکـاره من یدعی العلم عن کذب
یـمیـل الـی الـطـاغوت طورًا وتـارة	۱۰۲	الـی الرفض ثم الی النیجر الکفر کالصبّ۞
ومتبـع طـورًا و وقـتًـا مـقـلـد	۱۰۳	وعـبـد النصاری مرة نـاصرا لصلب
تـزبـا بـزی الـکـفـر یشری بـه الھدیٰ	۱۰۴	ویبغی رضی الکفار فی سخط الرب

۹۵۔ اس نے قوم کو ہر سمت سے آواز دی جسے سن کر سویدائے دل نے کہا کہ اسے مان ہی لو۔

۹۶۔ آپکا کلام معجز نظام پیروؤں کے دلوں میں پوری تاثیر کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں روز افزوں ترقی نصیب ہو رہی ہے۔ تنزل نہیں ہے۔

۹۷۔ سب ہی نزدیک و دور آپ کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ سوائے اس بدقسمت کے جسے دین سے کوئی غرض واسطہ نہ ہو۔

۹۸۔ بڑے بڑے سرداران قوم کو آپکی باتیں دل میں لگ جاتی ہیں۔ مگر پھر دنیا سے ڈر کر آپ سے الگ ہو جاتے ہیں۔

۹۹۔ اب سوائے جاہل بے اندام کے اور کوئی نہیں رہا جو ناحق کے جھگڑوں سے اپنی گمراہی کا ثبوت دیتا ہے۔

۱۰۰۔ جب اسے کہو میدان میں نکل اور مناظرہ کر کے حضرت مثیل کو آزمالے تو نوک دم بھاگتا اور ناگفتنی باتیں منہ پر لاتا ہے۔

۱۰۱۔ اور سب سے بڑھ کر ایک جاہل ہے جو نادانی کے نشے میں چور ہو کر انکار پر کھڑا اور علم کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔

۱۰۲۔ کبھی تو وہ پاگل آدمی کی طرح طاغوت کی طرف جھک پڑتا ہے۔ کبھی رافضی بن جاتا اور کبھی فرقہ ضالہ نیچریہ کا پہلو اختیار کر لیتا ہے۔

۱۰۳۔ وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی ادھر کبھی اُدھر۔ کبھی کبھی نصاریٰ کا غلام صلیب کا حامی بھی بن جاتا ہے۔

۱۰۴۔ کفر کا لباس پہن کر دین کو بیچتا ہے اور اپنے مولا کی ناراضی میں کفار کو خوش کرنا چاہتا ہے۔

☆ وہ کلام بے اثر نہیں ہوتا یقال کَبَا وَ اَکْبَی الزَّنْدُ اَیْ لَمْ یُوْرِ۔ (شمس) ۞ اَوْ کَالضَّبِّ ۔(شمس)

﴿۱۷﴾

وما هاجه شیءٌ سوی حسد له	۱۰۵	وذلک داء لا یعالج بالطبِ
اذا بهت المرتاب عند حجاجه	۱۰۶	تبادر للبهتان والشتم والقشبِ
ولم یدر ان الله ینصر عبدهٗ	۱۰۷	علی الجاهل المرتاب والمبطل الخبِ
ومن یخذل المبعوث یخذله ربّه	۱۰۸	ویجعله فی خلقه عالی الکعبِ
ومن لم یعاونه سیبک تأسفا	۱۰۹	ویلق اثامًا بالمذلّة والکبِ
هلموا عباد اللّٰه و استمعوا له	۱۱۰	وقوموا جمیعًا قومة الجحفل اللجبِ
اعینوه بالاموال و افدوه بالنفوس	۱۱۱	تنجوا من الافات فی الخلف و الشجبِ
علیکم علیکم باتباع امامکم	۱۱۲	فنعم امام جاء فیکم من الربِ
یقودکم نحو الهدی فاقتدوا به	۱۱۳	ووالوه بالاخلاص والصدق و الرغبِ
اتاکم ببرهان ومافیه مریة	۱۱۴	فلا تبطلوه بالمماراة والشغبِ

۱۰۵۔اس کی مخالفت کی اور کوئی وجہ سوائے حسد کے نہیں۔اور اس بیماری کا علاج تو طِب میں بھی نہیں۔
۱۰۶۔ جب وہ اللہ کی باتوں میں شک لانے والا مباحثہ میں ہار کر بغلیں جھانکنے لگا تب گالی گلوچ جھوٹ اور بہتان بولنے لگا۔
۱۰۷۔اور یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ بہ مقابلہ جاہل شکی مبطل دھوکے باز کے اپنے بندہ کا ناصر ہے۔
۱۰۸۔ اصل یہ ہے کہ جس نے بھیجے ہوئے کو چھوڑا اس کو اس کا رب بھی ضرور چھوڑے گا اور وہ اسے خلقت میں ذلیل کرے گا۔
۱۰۹۔جس نے آج اسکی مدد نہ کی کل وہ افسوس کھا کر روئے گا۔اور بڑی ذلت ورسوائی کے علاوہ سخت گنہ گار ہوگا۔
۱۱۰۔آؤ۔اے خدا کے بندو! اس کی باتیں سنو اور جرّار لشکر کی طرح سب کے سب اٹھ کھڑے ہو۔
۱۱۱۔ مالوں سے اسکی مدد کرو۔ جانوں کو اس پر فدا کرو تو تم تمام دکھ درد کی آفتوں سے نجات پاؤ گے۔
۱۱۲۔اس اپنے امام کی پیروی کو فرض سمجھو۔کیونکہ رب تعالےٰ کی طرف سے یہ خوب امام تم میں آیا ہے۔
۱۱۳۔ وہ تمہیں ہدایت کی طرف چلاتا ہے اسکے پیچھے آؤ اور اخلاص صدق اور رغبت سے اسکو پیار کرو۔
۱۱۴۔تمہارے پاس واضح برہان لایا ہے جس میں شک کی گنجایش نہیں۔اب ناحق کے جھگڑوں فسادوں سے اس کا ابطال نہ کرو۔

﴿۱۸﴾

هو النعمة العظمٰی من الله فاشکروا	۱۱۵	و لا تکفروها بالتمرد و النکبِ
هو الغیث فیکم فاقدروا حق قدره	۱۱۶	یروی البرایا کالصبیب من السحبِ
هو النور بین الرشد و الغی فی الوری	۱۱۷	به تنجلی سود الاساء ة و الذنبِ
ولله عینا من راٰه فانه	۱۱۸	علی شرف اعلی وقد فاز بالحِسبِ
عجبت لمن لم یستبن بعد امره	۱۱۹	وقد بلغ الابکار فی الخدر و الحجبِ
ویاعجبی ممن اساء ظنونه	۱۲۰	به وهو یهدیهم الی خالص الحبِ
ابی الله الاان یزید اعتلاءَ ه	۱۲۱	ومن یتحی ما شاء للمحو و القلبِ
ابی اللّٰه الا ان یضییءَ سراجه	۱۲۲	ومن ذا الذی یطفیه بالنفخ و الحصبِ
لحی الله من ولاه بالبغي مدبرا	۱۲۳	یثیر رعاع الناس بالویل و الحربِ
لک الله قد ارسلت فینا مکرمًا	۱۲۴	فاهلا وسهلًا مرحبا بک یا مُحبی

۱۱۵۔ وہ اللہ کی طرف سے بڑی نعمت ہے۔ اسکی قدر کرو۔ سرکشی اور روگردانی سے کفران نعمت کے ملزم نہ ہو۔
۱۱۶۔ وہ تم میں ابر رحمت ہے اس کی پوری قدر کرو۔ یہ آسمانی باراں کی طرح مخلوقات کو سیراب کرتا ہے۔
۱۱۷۔ وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کے لئے عالم میں ایک نور ہے اسی سے بدکاریوں اور گناہوں کی تاریکی دور ہوگی۔
۱۱۸۔ مبارک ہو وہ آنکھ جس نے اسے دیکھا۔ کیونکہ اسے بڑا ہی شرف اور بڑا ہی اجر حاصل ہوا۔
۱۱۹۔ مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جس پر اب تک اس امام کا مشن واضح نہیں ہوا حالانکہ پردہ نشین کنواریوں تک تو یہ دعوت پہنچ گئی ہے۔
۱۲۰۔ اس پر تو بڑا ہی تعجب ہے جو اب تک اس پر بدظنی رکھتا ہے حالانکہ وہ تو خالص حُبِّ الٰہی کی انھیں راہ دکھاتا ہے۔
۱۲۱۔ اللہ تعالیٰ قطعی فیصلہ کر چکا ہے کہ اس امام کی عظمت وقدر بڑھے گی اور جسے خدا قائم رکھنا چاہے اسے کون میٹ سکے یا ادل بدل کر سکے۔
۱۲۲۔ اللہ تعالیٰ ضرور اسکے چراغ کو منور رکھنے والا ہے۔ کون ہے جو پھونکوں اور کنکروں سے اسے بُجھا دے؟۔
۱۲۳۔ خدا کی پھٹکار اس پر جو اس سے روگرداں ہوتا اور سفلہ لوگوں کو اس کے مقابلہ کے لئے جوش دلاتا ہے۔
۱۲۴۔ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہو! تو ہم میں مکرّم و معظّم بھیجا گیا ہے۔ آیئے آیئے اے فیاض کریم ہمارے سر آنکھوں پر بیٹھئے۔

﴿۱۹﴾

واشقٰی عباد اللہ من صار جاحدًا	۱۲۵	لفضلک واستھواہ ابلیس فی الشقبِ
فاخزاہ فی الدنیا وسود وجھہ	۱۲۶	وقدامہ یوم الندامۃ والسَحُبِ
دعانی الی ذاالنظم صدق مودّۃٍ	۱۲۷	وفرط اشتیاق کان مستوطن القلبِ
فھاک امام المؤمنین حدیقۃ	۱۲۸	منضرۃ الاشجار مخضرۃ القضبِ
ودونک منی روضۃ مستطابۃ	۱۲۹	سقاھا الحجٰی سقی السحائب لا الغربِ
یروق عیون الناظرین ابتسامھا	۱۳۰	اذا سرحت فیھا قلوبھم یطبی
قوافٍ تزید السامعین اشتیاقکم	۱۳۱	اذا اُنشدوھا نحوا عتابکم یصبی
احن الیکم والدیار بعیدۃ	۱۳۲	وشوق لقاء ینجد العین بالسکبِ
تھز النسیم القلب حین ھبوبھا	۱۳۳	کھزّلسانٍ بالثنا دایما رَطبِ
سقام وبعدثم عذرووحدۃ	۱۳۴	فکیف الحدور السھل فی المرتقی العَصبِ

۱۲۵۔ بڑا ہی شقی بندہ ہے جو تیری فضیلت کا منکر ہوا۔ اور اسے شیطان نے وادیٔ ضلالت میں پھینک دیا۔
۱۲۶۔ خدا نے اسے دنیا میں ذلیل اور روسیاہ کر دیا اور عاقبت میں اسکے سامنے دخول جہنم اور ندامت ہے۔
۱۲۷۔ میں نے یہ قصیدہ مدحیہ محض اخلاص محبت اور کمال اشتیاق سے جو میرے دل میں جاگزین ہے لکھا ہے۔
۱۲۸۔ اے امام المومنین! لیجئے یہ ایک باغ ہے جس کی شاخیں اور درخت سب سرسبز ہیں۔
۱۲۹۔ میری طرف سے یہ باغ عجیب تحفہ قبول فرمائیے۔ یہ باغ سدا سرسبز رہنے والا ہے اور کبھی خزاں کا منہ نہ دیکھے گا۔
۱۳۰۔ اس کی شگفتگی ناظرین کی آنکھوں کو خنک کر دیتی ہے اور جب انکے دل اس میں سیر وتفریح کریں تو انہیں خوش وخرم کرتی ہے۔
۱۳۱۔ یہ ایسے اشعار ہیں کہ جب پڑھے جائیں گے تو سامعین کے دلوں میں اشتیاق پیدا کرینگے پھر وہ شوق حضور کی آستان بوسی کی طرف انھیں مائل کرے گا۔
۱۳۲۔ میں آپ کا مشتاق ہو رہا ہوں۔ ملک بہت دور ہے اور شوق ملاقات میں میری آنکھیں آنسو برسا رہی ہیں۔
۱۳۳۔ جب نسیم چلتی ہے میرے دل کو جنبش دے جاتی ہے جسطرح میری زبان حضور کی مدح وثنا میں ہمیشہ حرکت کرتی رہتی ہے۔
۱۳۴۔ بیماری۔ دوری۔ عذر اور تنہائی اور اس پر دشوار گزار بیابان اور کٹھن منزلیں میری راہ میں حائل ہیں۔

﴿۲۰﴾

واشکو عدوًا لا یزال بمرصد	۱۳۵	یراقبنی فیما اقول وما انبی
مداج یهیج الشر من ای وجهة	۱۳۶	ویرشقنی ارشاق من ریع بالسَلْبِ
یحرق انیابًا علیّ عداوة	۱۳۷	کانی اوجعت المنافق بالغَصْبِ
بمقدمک المیمون طابت بشارة	۱۳۸	واسفرت الدنیا لکل اخی لُبِّ
وزالت بها الاتراح عن قلب مکمدٍ	۱۳۹	وقام بهٖ داعی المسرّة و الرَّحْبِ
فلازلت للاسلام عونا وعزّة	۱۴۰	یهابک من یأباه فی الشرق و الغرب

۱۳۵۔ میں ایک دشمن کی شکایت کرتا ہوں جو برابر گھات میں لگا ہوا میرے اقوال کو تاکتا رہتا ہے۔

۱۳۶۔ وہ ایک منافق ہے جو ہر طرح شر اٹھاتا رہتا ہے اور مجھے یوں تیر مارتا ہے جیسے وہ شخص جسے اسکا اسباب لوٹنے کی دھمکی دیجاوے۔

۱۳۷۔ وہ مارے بغض کے مجھ پر دانت پیستا رہتا ہے جیسے میں نے اسکا کچھ چھین کر اسے ستایا ہے۔

۱۳۸۔ حضور کے قدوم مبارک سے دنیا بشارت پا کر خوش ہوگئی ہے اور عقلمندوں کو روشن نظر آنے لگی ہے۔

۱۳۹۔ اس بشارت کو پا کر آزردہ دلوں کے رنج دور ہوگئے اور بجائے اس کے دلوں میں خوشی اور فراخی کے ولولے پیدا ہوگئے۔

۱۴۰۔ میری دعا ہے کہ حضور اسلام کے مددگار اور باعث عزّت رہیں! اور منکرانِ اسلام شرق وغرب سے آپ سے خوف کھاتے رہیں۔

﴿۲۱﴾

مبٰاحثه

مابین

حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ

اور

مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی

دہلی میں

پرچہ نمبر (۱)
مولوی محمد بشیر صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ و کفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد ارباب علم و دین پر مخفی نہ رہے کہ اصل دعویٰ جناب مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونے کا ہے لیکن جناب ممدوح کے محض اصرار بلیغ سے مباحثہ حیات و وفات مسیح علیہ السلام میں منظور کیا گیا ہے اور اس مسئلہ میں بھی اصل منصب جناب مرزا صاحب کا مدعی کا ہے لیکن صرف جناب ممدوح کے اصرار سے ہی یہ بھی قبول کیا گیا کہ پہلے یہ عاجز اَدِلّہ حیات مسیح علیہ السلام تحریر کرے اور اس میں بحث صعود و نزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جائے **فاقول بحول اللّٰہ و قوتہ و ما توفیقی الا بہٖ علیہ توکلت و الیہ اُنیب.** جاننا چاہئے کہ دلیلیں حیات مسیح علیہ السلام کی پانچ آیتیں ہیں۔ دلیل اول یہ ہے۔ **قال اللّٰہ تعالی فی سورۃ النّساء** وَاِنۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ ۚ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یَکُوۡنُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا [۱] وجہ استدلال کی یہ ہے کہ لیؤمنن میں نون تاکید کا آیا ہے اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔ ماضی اور حال کی تاکید کے لئے نون نہیں آتا ہے ازہری تصریح میں لکھتا ہے۔ **ولا یوکد بھما الماضی لفظًا و معنی مطلقًا لا نھما یخلصان مدخولھما للاستقبال و ذالک ینافی الماضی. انتھی** اور دوسری جگہ لکھتا ہے

۱؎ النساء: ۱۶۰

﴿۲۲﴾ ولایجوز تاکیدہ بهما اذا کان منفیا او کان المضارع حالا کقراءة ابن کثیر لاقسم بیوم القیمة۔ و قول الشاعر یمینا لأبغض کل امرئ + یزخرف قولا و لا یفعل۔ فاقسم فی الاٰیة و ابغض فی البیت معناهما الحال لدخول اللّام علیهما و انما لم یؤکدا بالنون لکونها تخلص الفعل للاستقبال و ذلک ینافی الحال انتهی۔ *فوائد ضیائیہ* میں ہے تختص ای النون بالفعل المستقبل فی الامر و النهی و الاستفهام و التمنی و العرض والقسم و انما اختصت هذه النون بهذه المذکورات الدّالة علی الطلب دون الماضی و الحال لانه لایؤکد الا مایکون مطلوبا انتهی ۔*عبدالحکیم تکملہ* میں لکھتے ہیں لان النون تخلص المضارع للاستقبال فکرهوا الجمع بین حرفین لمعنی واحد فی کلمة واحدة ۔*مغنی* میں ہے ولایؤکّد بهما الماضی مطلقا و اما المضارع فان کان حالا لم یؤکّد بهما و ان کان مستقبلا أکّد بهما وجوبا فی نحو و الله لاکیدن اصنامکم انتهٰی ۔ *شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی* میں لکھتا ہے۔ و اعلم ان الاصل فی نون التاکید ان تلحق باٰخر فعل مستقبل فیه معنی الطلب کالامر والنهی والاستفهام و التمنی و العرض نحو اضربن زیدا و لاتضربن و هل تضربنه و لیتک تضربن مثقلة و مخففة و اختص بما فیه معنی الطلب لان وضعه للتاکید و التاکید انما یلیق بما یطلب حتی یوجد ویحصل فیغتنم هو بوجدان المطلوب و لایلیق بالخبر المحض لانه قد وجد و حصل فلایناسبه التاکید و اختص بالمستقبل لان الطلب انما یتعلق بمالم یحصل بعد لیحصل و هو المستقبل بخلاف الحال و الماضی لحصو لهما و المستقبل الذی هو خبر محض لا تلحق نون التاکید باٰخره الا بعد ان یدخل علی اول الفعل مایدل علی التاکید کلام القسم و ان لم یکن فیه معنی الطلب لان الغالب ان المتکلم یقسم علی مطلوبه انتهٰی ۔اور ایسا ہی بلاخلاف تمام کتب نحو میں مرقوم ہے۔ قرآن مجید اور سنت مطہرہ میں بھی نون بہت مواضع میں خاص مستقبل کیلئے آیا ہے اور ماضی اور حال کیلئے ایک جگہ بھی پایا نہیں جاتا۔ اس مقام پر چند آیات نقل کی جاتی ہیں سورہ بقر میں ہے فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ [۱] اور بھی اسی میں ہے فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا [۲] اور بھی اسی میں ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ [۳] سورہ آل عمران میں ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ [۴] اور بھی اسی میں ہے لَتُبْلَوُنَّ فِيْۤ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى

۱تا۳ البقرة:۳۹، ۱۴۵، ۱۵۶ ، ۴ آل عمران: ۸۲

﴿۲۳﴾ کَثِیْرًا [1] اور بھی اسی میں ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ
وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ الایة [2] اور بھی اسی میں ہے۔ فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا
فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا
الْاَنْھٰرُ [3] سورہ نساء میں ہے وَ لَاُضِلَّنَّھُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّھُمْ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ [4] سورہ مائدہ کے رکوع گیارہویں میں ہے۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ
عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ
قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی [5] اسی سورہ کے تیرہویں رکوع میں ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ
بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ [6] سورہ انعام کے دوسرے رکوع میں ہے لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ
لَا رَیْبَ فِیْہِ [7] سورہ اعراف کے پہلے رکوع میں ہے فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ
الْمُرْسَلِیْنَ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْھِمْ [8] اسی سورہ کے چودہویں رکوع میں ہے لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ
وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمْ [9] اسی سورہ کے اکیسویں رکوع میں ہے وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ
لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ [10] سورہ ابراہیم کے دوسرے رکوع
میں ہے وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا [11] سورہ ابراہیم کے تیسرے رکوع میں ہے وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
لِرُسُلِھِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْلَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰٓی اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ لَنُھْلِکَنَّ
الظّٰلِمِیْنَ. وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ [12] سورہ نحل کے تیرہویں رکوع میں ہے۔ وَلَیُبَیِّنَنَّ
لَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ [13] اسی میں ہے وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [14]
اسی میں ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ [15]
بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں ہے۔ وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ
فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا [16] سورہ حج کے چھٹے رکوع میں ہے وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ
یَّنْصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ [17] سورہ نور کے ساتویں رکوع میں ہے۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا [18]
سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں ہے۔ لَاُعَذِّبَنَّہٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّہٗٓ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ
بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ [19] سورہ عنکبوت کے ساتویں رکوع میں ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ
سُبُلَنَا [20] سورہ محمد کے ۴ رکوع میں ہے وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ [21] تغابن کے پہلے رکوع میں
ہے قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ [22] انشقت میں ہے لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ
طَبَقٍ [23] اگر جناب مرزا صاحب ایک آیت یا ایک حدیث یا کوئی کلام عرب عربا کا ایسا پیش کریں
کہ اس میں نون تاکید حال یا ماضی کیلئے یقینی طور پر آیا ہو یا کوئی عبارت کسی معتبر کتاب نحو کی جس میں

[1] ال عمران :۱۸۷ [2] ال عمران :۱۸۸ [3] ال عمران :۱۹۶ [4] النساء:۱۲۰ [5] المائدة: ۸۳ [6] المائدة: ۹۵ [7] الانعام:۱۳
[8] الاعراف: ۷،۸ [9] الاعراف: ۱۲۵ [10] الاعراف: ۱۶۸ [11] ابراهیم:۱۳ [12] ابراهیم :۱۴،۱۵ [13] النحل:۹۳ [14] النحل:۹۴ [15] النحل:۹۸
[16] بنی اسرائیل:۵ [17] الحج:۴۱ [18] النور: ۵۶ [19] النمل: ۲۲ [20] العنکبوت: ۷۰ [21] محمد:۳۱ [22] التغابن : ۸ [23] الانشقاق:۲۰

﴿۲۴﴾ تصریح امر مذکور کی ہو تو میں اپنے اس مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم کرلوں گا بعد اس تمہید کے میں کہتا ہوں کہ لفظی ترجمہ اس آیت کا یہ ہوا اور نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کوئی مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ حضرت عیسیٰ کے پہلے مرنے حضرت عیسیٰ سے اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ سب اہل کتاب اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے سے پہلے ایمان لاویں گے یہی ایک معنی اس آیت کے موافق محاورۂ عرب وقواعد نحو اور محاورہ کتاب وسنت کے صحیح ہیں اور اس کے ماعدا جتنے معنے ہیں سب غلط اور باطل ہیں کیونکہ کسی معنی کی بنا پر لَیُؤْمِنَنَّ کا لفظ خالص استقبال کیلئے نہیں باقی رہتا وہ چار معانی ہیں۔ اول وہ جو عامہ تفاسیر میں منقول ہے کہ موتہ کے ضمیر کتابی کی طرف عائد ہے اور معنے یہ ہیں کہ نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر البتہ ایمان لاتا ہے حضرت عیسیٰ پر اپنے مرنے سے پہلے یعنی نزع روح کے وقت اس تقدیر پر لیؤمنن کا خالص استقبال کیلئے نہ ہونا ظاہر ہے اس لئے یہ معنے باطل ہیں۔ دوسرے معنے وہ ہیں جو جناب مرزا صاحب نے کشفی طور پر ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۷۲ میں لکھے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر اہل کتاب ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر جو ہم نے اہل کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے ایمان رکھتا ہے قبل اس کے کہ وہ ایمان لاوے کہ مسیح اپنی موت سے مرگیا فقط۔ یہ معنے بھی بسبب اس کے کہ اس تقدیر پر لیؤمنن خالص استقبال کیلئے نہیں رہتا ہے باطل ہیں اور اس معنے کشفی کے بطلان کے اور بھی وجوہ ہیں مگر ان کو اس بحث سے علاقہ نہیں ہے اس لئے ہم ان کو یہاں بیان نہیں کرتے انشاء اللہ تعالیٰ ان وجوہ کا ذکر ازالہ اوہام کے رد میں بہ بسط بسیط کیا جائے گا۔ تیسرے وہ معنی ہیں جو جناب مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۸۵ میں لکھے ہیں وہ یہ ہیں کہ مسیح تو ابھی مرا بھی نہیں تھا کہ جب سے یہ خیالات شک وشبہ کے یہود و نصاریٰ کے دلوں میں چلے آتے ہیں فقط۔ یہ معنی بھی اسی وجہ سے باطل ہیں کہ لیؤمنن اس تقدیر پر خالص استقبال کیلئے نہیں رہتا بلکہ ماضی کیلئے ہوجاتا ہے چوتھے وہ ہیں جو مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب سیالکوٹی مرید مخلص مرزا صاحب نے **القول الجمیل** کے صفحہ ۲۸ میں لکھے ہیں وہ یہ ہیں اور ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کیلئے ضروری ہے کہ اس بات کو اپنے مرجانے سے پیشتر ہی تسلیم کرے فقط۔ اس عبارت کا مطلب اگر یہ ہے کہ ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کو چاہئے کہ اس بات کو اپنے مرنے سے پہلے ہی تسلیم کرے یعنی یہ جملہ انشائیہ ہے جیسا کہ بعض عبارات **القول الجمیل** اس پر قرینہ ہے تو اس معنے کے غلط ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صاحب **القول الجمیل** اس مقام پر غلط فاحش

کا مصدر رہوا ہے کیونکہ لیؤمنن میں لام مکسورہ لام الامر سمجھا ہے حالانکہ قرآن خواں اطفال بھی جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں لام مفتوحہ لام تاکید ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص اس بات کو اپنے مرنے سے پہلے تسلیم کر لیتا ہے یعنی یہ جملہ خبریہ ہے تو اس وقت لیؤمنن خالص استقبال کیلئے نہیں رہتا ہے اس لئے یہ معنے غلط ہوئے اور وہ معنے اس آیت کے جو خاکسار نے اول بیان کئے سلف میں سے ایک جماعت کثیر اسی طرف گئی ہے ان میں سے ہیں ابو ہریرہ اور ابن عباس اور ابو مالک اور حسن بصری وقتادہ وعبدالرحمان بن زید بن اسلم۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے حدثنا ابن بشار حدثنا عبدالرحمن عن سفیان عن ابی حسین عن سعید بن جبیر عن ابن عباس و ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته قال قبل موت عيسىٰ بن مريم وقال العوفی عن ابن عباس مثل ذلک قال ابومالک فی قوله الا ليؤمنن به قبل موته قال ذلک عند نزول عيسى بن مريم عليه السلام لايبقى احد من اهل الكتاب الا اٰمن به وقال الضحاک عن ابن عباس و ان من اهل الكتاب الاليومنن به قبل موته يعنى اليهود خاصة وقال الحسن البصرى يعنى النجاشى و اصحابه رواهما ابن ابى حاتم وقال ابن جرير حدثنى يعقوب حدثنا ابن علية حدثنا ابورجاء عن الحسن و ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته قال قبل موت عيسىٰ و انه لحىٌّ الآن عند الله و لكن اذا نزل آمنوا به اجمعون و قال ابن ابى حاتم حدثنا ابى حدثنا على بن عثمان اللاحقى حدثنا جريرية بن بشير قال سمعت رجلا قال للحسن يا ابا سعيد قول الله عزّوجل و ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته قال قبل موت عيسىٰ ان الله رفع اليه عيسىٰ وهو باعثه قبل يوم القيٰمة مقاماً يومن به البر و الفاجر وكذا قال قتادة وعبدالرحمٰن بن زيد بن اسلم وغير واحد وهذا القول هو الحق كما سنبيّنه بعد بالدليل القاطع انشاء الله و به الثقة وعليه التكلان انتهٰى ۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اس طرف جانا حدیث صحیحین سے ظاہر ہے مخفی نہ رہے کہ جناب مرزا صاحب نے اس معنی پر جس کو ہم نے صحیح اور حق کہا ہے۔ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۶۸۔ اور صفحہ ۳۶۹ میں چار اعتراض کئے ہیں ان سب کا جواب مسکت بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس موجود ہے۔ اعتراض اول آیت موصوفہ بالا صاف طور پر فائدہ تعمیم کا دے رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے لفظ سے تمام وہ اہل کتاب مراد ہیں جو مسیح کے وقت میں یا مسیح کے بعد برابر ہوتے رہیں گے اور آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں جو آیت کو کسی خاص محدود زمانے سے متعلق اور وابستہ کرتا ہو۔ فقط جواب اس کا بدو وجہ ہے اول یہ کہ آیت میں نون تاکید ثقیلہ موجود ہے جو آیت کو خاص زمانہ ﴿۲۵﴾

﴿۲۶﴾ مستقبل سے وابستہ کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اس تعمیم کے موافق آپ کے معنی اول جو ازالۃ الاوہام میں لکھے گئے ہیں بھی باطل ہوئے جاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک لفظ اہل کتاب کا آیت موصوفہ میں ان سب اہل کتاب کو بھی شامل ہے جو مسیح کے وقت میں ان کو صلیب پر چڑھانے سے پہلے موجود تھے حالانکہ ان کا بیان مذکورہ بالا پر ایمان رکھنا قبل اس کے کہ وہ اس پر ایمان لاویں کہ مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا غیر متصور ہے اور ایسا ہی آپ کے دوسرے معنے بھی باطل ہوئے جاتے ہیں۔ وھٰذا غیر خفی علٰی من له ادنٰی تأمل۔

اعتراض دوم احادیث صحیحہ بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح کے دم سے اس کے منکر خواہ وہ اہل کتاب ہیں یا غیر اہل کتاب کفر کی حالت میں مریں گے فقط جواب اس کا بدو وجہ ہے۔ اول یہ کہ آیت میں کہیں تصریح اس امر کی نہیں ہے کہ مسیح کے آتے ہی سب اہل کتاب مسیح پر ایمان لے آویں گے بلکہ آیت میں تو صرف اسی قدر ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے۔ پس ہوسکتا ہے کہ جن کفار کا علم الٰہی میں مسیح کے دم سے کفر کی حالت میں مرنا مقدر ہو ان کے مرنے کے بعد سب اہل کتاب ایمان لے آویں۔ دوم ہوسکتا ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہو نہ ایمان شرعی جیسا کہ آپ کے دونوں معنے کے موافق ایمان سے مراد ایمان شرعی نہیں ہے بلکہ یقین مراد ہے۔ اعتراض سوم۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ مسلّمہ ہے کہ دجال بھی اہل کتاب میں سے ہوگا اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ مسیح پر ایمان نہیں لائے گا فقط اس کا جواب بھی انہیں دو وجوہ سے ہے جو اعتراض دوم کے جواب میں لکھی گئیں اعادہ کی حاجت نہیں۔ اعتراض چہارم۔ مسلم میں موجود ہے کہ مسیح کے بعد شریر رہ جائیں گے پھر قیامت آئے گی اگر کوئی کافر نہیں رہے گا تو وہ کہاں سے آجاویں گے فقط۔ یہ اعتراض جناب مرزا صاحب کی شان سے نہایت مستبعد ہے کیا مرزا صاحب یہ نہیں خیال فرماتے کہ یقیناً دنیا میں ابتداءً ایک ایسا زمانہ بھی ہو چکا ہے کہ کوئی کافر نہ تھا پھر یہ کفار جو اب تک موجود ہیں کہاں سے آگئے جیسے یہ کفار ہوگئے ایسا ہی بعد عیسٰی علیہ السلام کے بھی ہو جائیں گے۔ دلیل دوسری یہ آیت سورہ آل عمران کی ہے۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ [1] اس آیت سے علماء نے استدلال حیات مسیح پر کیا ہے تفسیر ابوالسعود میں ہے و بہ استدل علی انه علیه السلام سینزل من السماء لما انه علیه السلام رفع قبل التکهل قال ابن عباس رضی اللّٰه عنه ارسله اللّٰه تعالی وهو ابن ثلا ثین سنة ومکث فی رسالته ثلثین شهرا ثم رفع اللّٰه تعالی الیه تفسیر کبیر میں ہے قال الحسین بن الفضل

[1] اٰل عمران: ۴۷

﴿۲۷﴾ وفی ھذہ الآیة نصّ فی انہ علیہ الصلٰوة والسلام سینزل الی الارض ۔ بیضاوی میں ہے۔ وبہ استدل علی انہ سینزل فانہ رفع قبل ان اکتھل ۔جلالین میں ہے یفید نزولہ قبل الساعة لانہ رفع قبل الکھولة معالم میں ہے وقیل للحسین بن الفضل ھل تجدنزول عیسٰی فی القرآن قال نعم قولہ وکھلا وھولم یکتھل فی الدنیا وانما معناہ وکھلا بعد نزول من السماء انتھٰی ۔یہ آیت اگرچہ فی نفسہا قطعیة الدلالة حیات مسیح پرنہیں ہے مگر بانضمام آیہ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ [۱] کے قطعی الدلالة ہوجاتی ہے اوراس بناپر ایک حسن اس آیت میں یہ ہوتا ہے کہ جیسا کلام فی المھد ایک آیت اورمعجزہ ہے ایساہی کلام فی الکھولة معجزہ ٹھہرتا ہے کیونکہ اس زمان درازتک جسم کا بغیر طعام وشراب کے زندہ رہنااوراس میں کچھ تغیر نہ آنا خارق عادت ہے ورنہ کلام فی الکھولة توسب ہی کہول کیا کرتے ہیں حضرت مسیح کااس میں کیا کمال ہوا جس کواللہ تعالیٰ نے فہرست نعم جلیلہ میں ذکرفرمایا ہے۔

دلیل سوم۔سورہ نساء میں ہے وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۔ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا [۲] یہ آیت بھی فی نفسہا اگرچہ قطعی الدلالة حیات مسیح پرنہیں ہے مگر ظاہراس سے رفع الروح مع الجسد ہے کیونکہ ماقتلوہ اول وثانی اور ماصلبوہ کے ضمیر منصوب کامرجع تو قطعاً روح مع الجسد ہے پس یہ امردال ہے اس پر کہ مرجع رفعہ کے ضمیر منصوب کابھی روح مع الجسد ہے علی الخصوص جب آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ اس کے ساتھ ضم کی جاوے تویہ بھی قطعی الدلالت ہوجاتی ہے۔

دلیل چہارم۔سورہ زخرف میں ہے وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ‌ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ [۳] یہ آیت بھی فی نفسہا اگرچہ قطعی الدلالة حیات مسیح پرنہیں ہے مگر ظاہریہی ہے کیونکہ ارجاع ضمیر **انہ** کا طرف قرآن مجید کے بالکل خلاف سیاق وسباق ہے پس ضرور مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہوئے اب یہاں تین احتمال ہیں یا حدوث مقدر مانا جاوے یا ارادہ معجزات یا نزول اول باطل ہے اس لئے کہ ہمارے آنحضرت صلعم کا حدوث علامت قریبہ قیامت کے ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے بعثت انا والساعة کھاتین پس حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اورایسا ہی احتمال دوم بھی باطل ہے کیونکہ معجزات سب دلالت علیٰ قدرة اللہ تعالیٰ میں برابر ہیں۔ تخصیص معجزات عیسویہ کی کیا ہے پس متعین ہوا کہ مرادنزول ہے خاص کر جب کہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ جوقطعی الدلالة ہے اوراحادیث صحیحہ بخاری ومسلم اس کی تفسیر واقع ہوگئی ہیں تواس حیثیت سے یہ آیت بھی قطعی الدلالت حیات مسیح پر ہوگئی **دلیل پنجم** آیت وَمَاۤ اٰتٰٮكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰٮكُمۡ عَنۡهُ فَانْتَهُوۡا‌ ۚ [۴]

[۱] النساء :۱۶۰ [۲] النساء : ۱۵۸، ۱۵۹ [۳] الزخرف: ۶۲ [۴] الحشر:۸

﴿۲۸﴾ ہے موافق اس آیت کے جو احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کی گئی تو بکثرت اس باب میں احادیث صحیحہ موجود ہیں جن کا تواتر جناب مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۵۵۷ میں تسلیم فرمایا ہے ان میں سے حدیث متفق علیہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذی نفسی بیده لیوشكن ان ینزل فیكم ابن مریم حكما عدلا فیكسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویفیض المال حتى لایقبله احد حتى تكون السجدة الواحدة خیرا من الدنیا وما فیها ثم یقول ابوهریرة فاقرءُ وا ان شئتم وان من اهل الكتاب الا لیؤمنن به قبل موته الآیة معنے حقیقی ابن مریم کے عیسیٰ بن مریم ہیں اور صارف یہاں کوئی موجود نہیں بلکہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اس معنی کی تعیین کر رہی ہے پس نزول عیسیٰ علیہ السلام متعین ہو گیا۔ اس سے ظاہر یہی ہے کہ وہ زندہ ہیں ابن کثیر میں ہے۔ وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا احمد بن عبدالرحمن حدثنا عبدالله بن جعفر عن ابیه حدثنا الربیع بن انس عن الحسن انه قال فی قوله تعالى انی متوفیک یعنی وفاة المنام رفعه اللّٰه فی منامه قال الحسن قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للیهود ان عیسٰی لم یمت وانه راجع الیكم قبل یوم القیٰمة ۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اس کی صحت کی عاضد ہے یہ اخیر چار آیات اگرچہ ہر واحد ان میں سے بنفسہا دلیل قطعی حیاتِ مسیح علیہ السلام پر نہیں ہے مگر تاہم بہ نسبت ان تیس آیات کے جو جناب مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں واسطے اثبات وفات مسیح علیہ السلام کے لکھی ہیں۔ یہ آیات قوی الدلالت حیاتِ مسیح پر ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ جناب مرزا صاحب نے تیس آیات واسطے اثباتِ وفات مسیح علیہ السلام کے لکھی ہیں سو ان کا جواب اجمالی یہ ہے کہ یہ آیات تین قسم کی ہیں اول وہ جن میں لفظ توفی بالتخصیص حضرت مسیح کی نسبت واقع ہوا ہے۔ دوم وہ آیات جو عموماً سب انبیاء گزشتہ کی وفات پر دلالت کرتی ہیں سوم وہ آیات کہ نہ ان میں حضرت مسیح کی وفات کا خصوصاً ذکر ہے نہ عموماً صرف جناب مرزا صاحب نے ان سے محض اجتہاداً استنباط وفات کیا ہے قسم اول کا جواب یہ ہے کہ بعض فرض و تسلیم اس کے لفظ تـوفّـی کے معنے حقیقی موت و قبض روح کے ہیں اور دوسرے معنے مجازی ہیں ہم کہتے ہیں کہ آیۃ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ[1] سے جو قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ ہے حیات حضرت مسیح علیہ السلام کی ثابت ہو گئی تو اب یہ آیت صارف ہو گئی آیات مذکورہ کی معنی حقیقی سے اس لئے آیات تـوفّـی معنی مجازی پر محمول کی جاویں گی اور وہ معنی مجازی جو یہاں مراد ہو سکتے ہیں وہ اخذ تام و قبض ہے جس کو اردو

[1] النساء: ۱۶۰

میں پورا لینا کہتے ہیں اور توفّی کا استعمال اخذ تام وقبض لغت سے ثابت ہے قاموس میں ہے و اوفی ﴿۲۹﴾
علیہ اشرف وفلانا حقه اعطاه و افیا توفاه و اوفاه فاستوفاه و تو فاه اور صحاح میں ہے
اوفاه حقه ووفاه بمعنی ای اعطاه حقه وافیا و استوفی حقه و توفّاه بمعنًی ۔
مصباح المنیر میں ہے وتوفیته و استوفیته بمعنیً ۔مجمع البحار میں ہے واستوفیت حقّی ای اخذته
تاما ۔ صراح میں ہے ۔ایفاء گزاردن حق کسے بتمام ویقال منه اوفاه حقه ووفاه استیفاء ۔ توفی تمام گرفتن
حق ۔اور قسطلانی میں ہے التوفی اخذ الشیء وافیا والموت نوع منه انتھٰی۔اور دوسرے معنے
مجازی انامت ہیں جن کو اردو میں سلانا کہتے ہیں اور توفی بمعنی انامت قرآن مجید سے ثابت ہے فرمایا
اللہ تعالیٰ نے سورہ زمر میں اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا
فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى [1] اور فرمایا سورہ انعام میں هُوَ
الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ
مُّسَمًّى [2] اور قسم دوم کا جواب بعد تسلیم عمومات کے یہ ہے کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ جو
قطعی الثبوت و قطعی الدلالة ہے ان آیات کی مخصص واقع ہوئی ہے اور قسم سوم کا جواب یہ
ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کیا جاوے کہ الفاظ فی نفسہا ان معانی کے بھی متحمل ہیں جو جناب مرزا
صاحب نے بیان کئے ہیں لیکن آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ جو قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ ہے
ان احتمالات کو رد کرتی ہے لہٰذا وہ معانی باطل ہوئے صحیح معانی ان آیات کے وہ ہیں جو تفاسیر معتبرہ
میں مذکور ہیں اور وہ موافق ہیں آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ کے اور جواب تفصیلی ان آیات کا
جن کو مرزا صاحب نے واسطے ثبوت وفات پیش کیا ہے ازالۃ الاوہام کے جواب میں انشاء اللہ
بہ بسط بسیط لکھا جاوے گا۔ و اخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين
والصلوٰة والسلام علی خیر خلقه محمد و آله وصحبه وسلم۔

۱۹ ربیع الاول ۱۳۰۹ ہجری روز جمعہ

محمد بشیر عفی عنہ

---

[1] الزمر:۴۳ [2] الانعام: ۶۱

﴿۳۰﴾

حضرت اقدس مرزا صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡفٰتِحِیۡنَ [1]۔ اما بعد چونکہ مولوی محمد بشیر صاحب نے اس عاجز سے سلسلہ بحث کا جاری کر کے بارادہ اثبات حیات حضرت مسیح ابن مریمؑ ایک طولانی تقریر لکھی ہے اس لئے میرے پر بھی واجب ہوا کہ اظہار حق کی غرض سے اس کا جواب لکھوں۔

سو پہلے میں صفائی بیان کیلئے اس قدر لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جیسا کہ حضرت مولوی صاحب موصوف کا خیال ہے یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسئلہ وفات حیات مسیح میں بار ثبوت اس عاجز کے ذمہ ہو یہ طے شدہ بات ہے کہ دعویٰ کا ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی کی وفات یا حیات کی نسبت جھگڑا ہو تو مدعی اس کو قرار دیا جائے گا جو امور مسلّمہ فریقین کو چھوڑ کر ایک نئی بات کا دعویٰ کرے مثلاً یہ بات فریقین میں مسلم ہے کہ عام قانون قدرت خدا تعالیٰ کا یہی جاری ہے کہ اس عمر طبعی کے اندر اندر جو انسانوں کیلئے مقرر ہے ہر یک انسان مر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے بھی قرآن کریم کے کئی مواضع میں اس بات کو بتصریح بیان کیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِکَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡئًا [2] یعنی تم پر دو ہی حالتیں وارد ہوتی ہیں ایک یہ کہ بعض تم میں سے قبل از پیرانہ سالی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض ارذل عمر تک پہنچتے ہیں یہاں تک کہ صاحب علم ہونے کے بعد محض نادان ہو جاتے ہیں۔ اب اگر خلاف اس نص صریح کے کسی کی نسبت یہ دعویٰ کیا جائے کہ باوجود اس کے کہ عمر طبعی سے صدہا حصے زیادہ اس پر زمانہ گذر گیا مگر وہ نہ مرا اور نہ ارذل عمر تک پہنچا اور نہ ایک ذرہ امتداد زمانہ نے اس پر اثر کیا تو ظاہر ہے کہ ان تمام امور کا اس شخص کے ذمہ ثبوت ہوگا جو ایسا دعویٰ کرتا ہے یا ایسا عقیدہ رکھتا ہے کیونکہ قرآن کریم نے تو کسی جگہ انسانوں کیلئے یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ بعض انسان ایسے بھی ہیں جو معمولی انسانی عمر سے صدہا درجہ زیادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور زمانہ ان پر اثر کر کے ان کو ارذل عمر تک نہیں پہنچاتا اور ننکسہ فی الخلق کا مصداق نہیں ٹھہراتا پس جب کہ یہ عقیدہ ہمارے آقا و مولیٰ کی عام تعلیم سے صریح مخالف ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو شخص اس کا مدعی ہو ثبوت اسی کے ذمہ ہے۔ غرض حسب تعلیم قرآنی عمر طبعی کے اندر اندر مر جانا اور زمانہ کے اثر سے عمر کے مختلف حصوں میں گوناگوں تغیرات کا لحاظ ہونا یہاں تک کہ

[1] الاعراف:۹۰ [2] الحج: ٦

بشرط زندگی ارذل عمر تک پہنچنا یہ ایک فطرتی اور اصلی امر ہے جو انسان کی فطرت کو لگا ہوا ہے جس کے ﴿۳۱﴾
بیان میں قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔ سو جو شخص اس اصلی امر کے مخالف کسی کی نسبت دعویٰ کرتا ہے اثبات دعویٰ اس کے ذمہ ہے مثلاً زید جو تین سو برس سے مفقود الخبر ہے اس کی نسبت دو شخصوں کی کسی قاضی کی عدالت میں یہ بحث ہو کہ ایک اس کی نسبت یہ بیان کرتا ہے کہ وہ فوت ہو گیا اور دوسرا یہ بیان کرتا ہے کہ اب تک زندہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قاضی ثبوت اس سے طلب کرے گا جو خوارق عادت زندگی کا قائل ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو شرعی عدالتوں کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے اب ہمارے اس تمام بیان سے ظاہر ہے کہ دراصل ہمارے ذمہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وفات جو ہریک انسان کیلئے حد مقررہ فطرت تک ایک طبعی امر ہے اس کا ثبوت دیں بلکہ ہمارے فریق مخالف کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ ایک شخص حد مقررہ فطرت اللہ تک فوت نہیں ہوا بلکہ دراصل اب تک زندہ ہے اور صدہا برس کے مرور زمانہ نے اس پر ذرہ اثر نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں کئی انبیاء وغیرہ کا ذکر کر کے ان کی موت کا کچھ بیان نہیں کیا تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ ابتک زندہ ہیں بلکہ زندگی کسی کی جب ہی ثابت ہوگی کہ جب زندگی کا ثبوت دیا جائے گا ورنہ موت وحیات کے ترک ذکر سے موت ہی سمجھی جائے گی۔

اب جب کہ یہ بات فیصلہ پا چکی ہے کہ ہمارے ذمہ یہ بار ثبوت نہیں کہ مسیح ابن مریم جو اوروں کی طرح انسان تھا وہ کیوں اور انسانوں کی طرح عمر طبعی کے دائرے کے اندر اندر فوت ہو گیا بلکہ حضرت مولوی صاحب کے ذمہ یہ بارِ ثبوت ہے کہ مسیح ابن مریم انسان ہو کر اور تمام انسانوں کے خواص اپنے اندر رکھ کر ابتک برخلاف نصوص عامہ قرآنیہ وحدیثیہ و برخلاف قانون فطرت مرنے سے بچا ہوا ہے اور زمانہ نے اس پر اثر کر کے ارذل عمر تک بھی نہیں پہنچایا۔ تو اب دیکھنا چاہئے کہ مولوی صاحب نے اس بارہ میں کیا ثبوت دیا ہے۔ اور کن آیات **قطعیة الدلالة** اور احادیث صحیحہ متصلہ مرفوعہ کے کھلے کھلے منطوق سے اس عظیم الشان دعویٰ کو بپایہ ثبوت پہنچایا ہے۔ سو واضح ہو کہ مولوی صاحب نے سب سے پہلے یہ دلیل پیش کی ہے کہ سورۃ النساء کی یہ آیت کہ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا [1] حضرت مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی پر شاہد ناطق ہے اور چونکہ حضرت مولوی صاحب موصوف کے دل میں یہ دھڑکا تھا کہ یہ آیت تو ذوالوجوہ ہے اور تمام مفسر کئی کئی معنی اسکے کر گئے ہیں اور کسی مبسوط تفسیر میں اس کو ایک ہی معنے میں محدود نہیں رکھا گیا لہٰذا حضرت مولوی صاحب نے اس کو **قطعیة الدلالة** بنانے کیلئے

[1] النساء:۱۶۰

﴿۳۲﴾ بہت سی کوشش کی ہے اور پوری جانفشانی سے ناخنوں تک زور لگایا ہے لیکن افسوس کہ وہ اس قصد میں ناکام رہے اور **قطعیۃ الدلالۃ** نہ بنا سکے بلکہ اور بھی شبہات ڈال دیئے۔

مولوی صاحب نے اس کامیابی کی امید پر کہ کسی طرح آیت موصوفہ بالا **قطعیۃ الدلالۃ** ہو جائے یہ ایک جدید قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ آیت کے لفظ **لیؤمنن** میں نون تاکید ہے اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کیلئے کر دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خیال میں اس مدعا کے اثبات کیلئے قرآن کریم سے نظیر کے طور پر کئی ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جن کی وجہ سے ان کے زعم میں مضارع استقبال ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے اس تفتیش میں ناحق وقت ضائع کیا کیونکہ اگر فرض کے طور پر یہ مان لیا جائے کہ آیت موصوفہ میں لفظ **لیؤمنن** استقبال کے ہی معنی رکھتا ہے پھر بھی کیونکر یہ آیت مسیح کی زندگی پر **قطعیۃ الدلالۃ** ہو سکتی ہے کیا استقبالی طور پر یہ دوسرے معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا دیکھو یہ بھی تو خالص استقبال ہی ہے کیونکہ آیت اپنے نزول کے بعد کے زمانہ کی خبر دیتی ہے بلکہ ان معنوں پر آیت کی دلالت صریحہ ہے اس واسطے کہ دوسری قراءت میں یوں آیا ہے جو بیضاوی وغیرہ میں لکھی ہے **الا لیؤمنن بہ قبل موتھم** جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی موت سے پہلے مسیح ابن مریم پر ایمان لے آویں گے۔ اب دیکھئے کہ **قبل موتہٖ** کی ضمیر جو آپ حضرت مسیح کی طرف پھیرتے تھے دوسری قراءت سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت مسیح کی طرف نہیں بلکہ اہل کتاب فرقہ کی طرف پھرتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قراءت غیر متواترہ بھی حکم حدیث احاد کا رکھتی ہے اور آیات کے معنوں کے وقت ایسے معنے زیادہ تر قبول کے لائق ہیں جو دوسری قراءت کے مخالف نہ ہوں۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ یہ آیت جس کی دوسری قراءت آپ کے خیال کو بکلی باطل ٹھہرا رہی ہے کیونکر **قطعیۃ الدلالۃ** ٹھہر سکتی ہے۔

ماسوا اس کے آپ نے جو نون ثقیلہ کا قاعدہ پیش کیا ہے وہ سراسر مخدوش اور باطل ہے۔ حضرت ہر ایک جگہ اور ہر ایک مقام میں نون ثقیلہ کے ملانے سے مضارع استقبال نہیں بن سکتا۔ قرآن کریم کیلئے قرآن کریم کی نظیریں کافی ہیں اگرچہ یہ سچ ہے کہ بعض جگہ قرآن کریم کے مضارعات پر جب نون ثقیلہ ملا ہے تو وہ استقبال کے معنوں پر مستعمل ہوئے ہیں۔ لیکن بعض جگہ ایسی بھی ہیں کہ حال کے معنے قائم رہے ہیں یا حال اور استقبال بلکہ ماضی بھی اشتراکی طور پر ایک سلسلہ متصلہ ممتدہ کی طرح مراد لئے گئے ہیں۔ یعنی ایسا سلسلہ جو حال یا ماضی سے شروع ہوا اور استقبال کی انتہا تک بلا انقطاع برابر چلا گیا۔

﴿۳۳﴾ پہلی آیات کی نظیر یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ [1] اب ظاہر ہے کہ اس جگہ حال ہی مراد ہے کیونکہ بمجرد نزول آیت کے بغیر توقف اور تراخی کے خانہ کعبہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہوگیا یہاں تک کہ نماز میں ہی منہ پھیر دیا گیا۔ اگر یہ حال نہیں تو پھر حال کس کو کہتے ہیں۔ استقبال تو اس صورت میں ہوتا کہ خبر اور ظہور خبر میں کچھ فاصلہ بھی ہوتا سو آیت کے یہ معنے ہیں کہ ہم تجھ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں جس پر تو راضی ہے سو تو مسجد حرام کی طرف منہ کر اور ایسا ہی یہ آیت وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ [2] الخ یعنی اپنے معبود کی طرف دیکھ جس پر تو معتکف تھا کہ اب ہم اس کو جلاتے ہیں۔ اس جگہ بھی استقبال مراد نہیں۔ کیونکہ استقبال اور حال میں کسی قدر بُعد زمان کا ہونا شرط ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی کو یہ کہے کہ میں تجھے دس روپیہ دیتا ہوں سو لے مجھ سے دس روپیہ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ اس نے استقبال کا وعدہ کیا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ سب کارروائی حال میں ہی ہوئی۔

اور دوسری آیات جو حال اور استقبال کے سلسلہ متصلہ ممتدہ پر اشتراکی طور پر مشتمل ہیں ان کی نظیر ذیل میں پیش کرتا ہوں۔ (۱) پہلی یہ آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [3] یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور کریں گے ہم ان کو اپنی راہیں دکھلا رہے ہیں اور دکھلائیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر اس جگہ مجرد استقبال مراد لیا جائے تو اس سے معنے فاسد ہو جائیں گے اور یہ کہنا پڑے گا کہ یہ وعدہ صرف آئندہ کیلئے ہے اور حال میں جو لوگ مجاہدہ میں مشغول ہیں یا پہلے مجاہدات بجا لاچکے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی راہوں سے بے نصیب ہیں۔ بلکہ اس آیت میں عادت مستمرہ جاریہ دائرہ میں الازمنة الثلثه کا بیان ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہماری یہی عادت ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں دکھلا دیا کرتے ہیں۔ کسی زمانہ کی خصوصیت نہیں بلکہ سنت مستمرہ دائرہ سائرہ کا بیان ہے جس کے اثر سے کوئی زمانہ باہر نہیں۔

(۲) دوسری یہ آیت كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ [4] یعنی خدا مقرر کر چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوتے رہیں گے۔ یہ آیت بھی ہر ایک زمانہ میں دائر اور عادت مستمرہ الٰہیہ کا بیان کر رہی ہے۔ یہ نہیں کہ آئندہ رسول پیدا ہوں گے اور خدا انہیں غالب کرے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی زمانہ ہو حال یا استقبال یا گزشتہ سنت اللہ یہی ہے کہ رسول آخر کار غالب ہی ہو جاتے ہیں۔

(۳) تیسری آیت یہ ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

[1] البقرة:۱۴۵ [2] طٰهٰ: ۹۸ [3] العنكبوت:۷۰ [4] المجادلة : ۲۲

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [۱] یعنی ہماری یہی عادت اور یہی سنت ہے کہ ﴿۳۴﴾
جو شخص عمل صالح بجالاوے مرد ہو یا عورت ہو اور وہ مومن ہو ہم اس کو ایک پاک زندگی کے ساتھ زندہ رکھا کرتے ہیں اور اس سے بہتر جزا دیا کرتے ہیں جو وہ عمل کرتے ہیں۔ اب اگر اس آیت کو صرف زمانہ مستقبلہ سے وابستہ کردیا جائے تو گویا اس کے یہ معنے ہوں گے کہ گزشتہ اور حال میں تو نہیں مگر آئندہ اگر کوئی نیک عمل کرے تو اس کو یہ جزا دی جائے گی۔ اس طور کے معنوں سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آیت کے نزول کے وقت تک کسی کو حیاۃ طیبہ عنایت نہیں کی تھی فقط یہ آئندہ کیلئے وعدہ تھا۔ لیکن جس قدر ان معنوں میں فساد ہے وہ کسی عقل مند پر مخفی نہیں۔ (۴) چوتھی آیت یہ ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [۲] یعنی وہ جو خدا تعالیٰ کی مدد کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اب حضرت دیکھئے اس آیت کے لفظ لینصرنّ کے آخر میں بھی نون ثقیلہ ہے۔ لیکن اگر اس آیت کے یہ معنی کریں کہ آئندہ کسی زمانہ میں اگر کوئی ہماری مدد کرے گا تو ہم اس کی مدد کریں گے تو یہ معنے بالکل فاسد اور خلاف سنت مستمرہ الٰہیہ ٹھہریں گے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ کی تو قدیم سے اور اسی زمانہ سے کہ جب بنی آدم پیدا ہوئے یہی سنت مستمرہ ہے کہ وہ مدد کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ یوں کیونکر کہا جائے کہ پہلے تو نہیں مگر آئندہ کسی نامعلوم زمانہ میں اس قاعدہ کا پابند ہو جائے گا اور اب تک تو صرف وعدہ ہی ہے عمل درآمد نہیں۔ سُبحانہٗ ھٰذابھتان عظیم۔

(۵) پانچویں آیت یہ ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِى الصّٰلِحِيْنَ [۳] یعنی ہماری یہی سنت مستمرہ قدیمہ ہے کہ جو جو لوگ ایمان لاویں اور عمل صالح کریں ہم ان کو صالحین میں داخل کرلیا کرتے ہیں۔ اب حضرت مولوی صاحب دیکھئے کہ لندخلنّھم میں بھی نون ثقیلہ ہے لیکن اگر اس جگہ آپ کی طرز پر معنی کئے جائیں تو اس قدر فساد لازم آتا ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ یہ قاعدہ آئندہ کیلئے باندھا گیا ہے اور اب تک کوئی نیک اعمال بجالا کر صلحاء میں داخل نہیں کیا گیا۔ گویا آئندہ کیلئے گنہگار لوگوں کی توبہ منظور ہے اور پہلے اس سے دروازہ بند رہا ہے۔ سو آپ سوچیں کہ ایسے معنے کرنا کس قدر مفاسد کو مستلزم ہے۔ حضرت قرآن کریم میں اس کے بہت نمونے ہیں کہ نون ثقیلہ کے ساتھ مضارع کو بیان کر کے ازمنہ ثلاثہ اس سے مراد لئے گئے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ اس سے انکار کر کے بحث کو طول نہیں دیں گے کیونکہ یہ تو اجلی بدیہات میں سے ہے انکار کی کوئی جگہ نہیں۔

اب میں آپ کے اس قاعدہ کو توڑ چکا کہ نون ثقیلہ کے داخل ہونے سے خواہ نخواہ اور ہر ایک

[۱] النحل:۹۸ [۲] الحج : ۴۱ [۳] العنکبوت:۱۰

جگہ خالص طور پر استقبال کے معنے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ تمام مفسر قدیم وجدید جن ﴿۳۵﴾
میں عرب کے رہنے والے بھی داخل ہیں لیؤمننّ کے لفظ میں حال کے معنے بھی کرتے ہیں۔ معالم
وغیرہ تفسیریں آپ کو معلوم ہیں حاجت بیان نہیں وہ لوگ بھی تو آخر قواعد دان اور علم ادب اور محاورہ
عرب سے واقف تھے۔ کیا وہ آپ کے اس جدید قاعدہ سے بے خبر رہے۔ اور آپ نے تفسیر ابن کثیر
کے حوالہ سے جو لکھا ہے کہ نزول عیسیٰ ہوگا اور کوئی اہل کتاب میں سے نہیں ہوگا جو اس کے نزول کے بعد
اس پر ایمان نہیں لاوے گا یہ بیان آپ کیلئے کچھ مفید نہیں۔ اول تو آپ سے آیات **قطعیة الدلالة**
اور احادیث صحیحہ متصلہ مرفوعہ کا مطالبہ ہے اور پھر اس قول کو **مانحن فیه** سے تعلق کیا ہے نزول سے کہاں
سمجھا جاتا ہے جو آسمان سے نزول ہو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ [۱] کہ ہم نے لوہا
اتارا ہم نے لباس [۲] اتارا ہم نے یہ نبی [۳] اتارا ہم نے چارپائے [۴] گھوڑے گدھے وغیرہ اتارے۔
کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ یہ سب آسمان سے ہی اترے تھے۔ کیا کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل مل سکتی
ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ سب درحقیقت آسمان سے ہی اترے ہیں۔ پھر ہم نے تسلیم کیا کہ بخاری و
مسلم وغیرہ میں نزول کا لفظ آیا ہے۔ مگر حضرت میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس لفظ سے کیا فائدہ اٹھا سکتے
ہیں مسافر کے طور پر جو ایک شخص دوسری جگہ جاتا ہے اس کو بھی نزیل ہی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے
کہ آپ اس عاجز کے اعتراضات کو جو ازالہ اوہام میں آیا تھا موصوفہ بالا کے ان معنوں پر وارد ہوتے
ہیں جو آپ کرتے ہیں اٹھا نہیں سکے بلکہ رکیک عذرات سے میرے اعتراضات کو اور بھی ثابت کیا۔
آپ کے نون ثقیلہ کا حال تو معلوم ہو چکا اور لیؤمننّ کے لفظ کی تعمیم بدستور قائم رہی اب فرض کے طور
پر اگر آیت کے یہ معنی کئے جائیں کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہوں گے
سب مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ ابومالک سے آپ نے روایت کیا ہے تو مجھے مہربانی فرما کر سمجھا دیں
کہ یہ معنے کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ مسیح کے دَم سے اس کے نزول کے بعد
ہزارہا لوگ کفر کی حالت میں مریں گے۔ اب اگر آپ ان کفار کو جو کفر پر مر گئے مومن ٹھہراتے ہیں یا اس
جگہ ایمان سے مراد یقین رکھتے ہیں تو اس دعوے پر آپ کے پاس دلیل کیا ہے۔ حدیث میں تو صرف کفر
پر مرنا ان کا لکھا ہے یہ آپ نے کہاں سے اور کس جگہ سے نکال لیا ہے کہ کفر پر تو مریں گے مگر ان کو حضرت
عیسیٰ کی رسالت پر یقین ہوگا اور کس نص قرآن یا حدیث سے آپ کو معلوم ہوا کہ اس جگہ ایمان

۲ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا ۳ قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکُمۡ ذِکۡرًا رَّسُوۡلًا ۔
۴ وَاَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزۡوَاجٍ ۔

۱ الحدید:۲۶ ۲ الاعراف:۲۷ ۳ الطلاق:۱۱،۱۲ ۴ الزمر:۷

﴿۳۶﴾ سے مراد حقیقی ایمان نہیں بلکہ یقین مراد ہے ظاہر لفظ ایمان کا حقیقی ایمان پر دلالت کرتا ہے اور صرف عن الظاہر کیلئے کوئی قرینہ آپ کے پاس چاہئے۔ جب کہ لفظ لفظ آیت میں یہ شبہات ہیں تو پھر آیت قطعیۃ الدلالت کیونکر ہوئی اگر آپ لیؤمننّ سے بغیر کسی قرینہ کے مجازی ایمان مراد لیں گے تو آپ کے مخالف کا حق ہوگا کہ وہ حقیقی معنی مراد لیوے آپ کو سوچنا چاہئے کہ ایسے ایمان سے فائدہ ہی کیا ہے اور مسیح کی خصوصیت کیا ٹھہری ایسا تو ہر ایک نبی کے زمانہ میں ہوا کرتا ہے کہ بد بخت لوگ زبان سے اس کے منکر ہوتے ہیں اور دل سے یقین کر جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی نسبت اللّٰہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ [1] یعنی انہوں نے موسیٰ کے نشانوں کا انکار کیا۔ لیکن ان کے دل یقین کر گئے اور ہمارے سید و مولےٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ [2] یعنی کافر لوگ جو اہل کتاب ہیں ایسے یقینی طور پر اس کو شناخت کرتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پس اگر ایمان سے مراد ایسا ہی ایمان ہے جو جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ کا مصداق ہے تو پھر ہمارے علماء نے کیوں شور مچا رکھا ہے کہ اس وقت اسلام ہی اسلام ہو جائے گا بلاشبہ قرآن شریف کا یہ منشاء نہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس تاویل کو خود رکیک سمجھ کر اسی وجہ سے یہ دوسرا جواب دیا ہے کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ مسیح کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ اس زمانہ کے اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے اور اس زمانہ سے پہلے کفر پر مرنے والے کفر پر مریں گے۔ اب حضرت آپ انصافاً فرماویں کہ ان معنوں کو آپ کے ان معنوں سے جو آیت لیؤمنن کی نسبت آپ بیان فرماتے ہیں موافقت ہے یا مخالفت ابھی آپ قبول کر چکے ہیں کہ مسیح کے نزول کے بعد تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے اور اب آپ نے اس قبول کردہ بات سے رجوع کر کے یہ نئے معنے نکالے کہ نزول کے بعد ضروری نہیں کہ تمام کفار ایمان لے آویں بلکہ بہتیرے کفر پر بھی مریں گے حضرت آپ اس جگہ خود سوچیں کہ اِنْ کا حرف کل اہل کتاب کو ایمانداروں میں شامل کرتا ہے یا کسی کو باہر رکھتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اِنْ کا لفظ تو ایسا کامل حصر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جائے تو یہ لفظ بیکار اور غیر مؤثر ٹھہرتا ہے۔ اوّل تو آپ نے اِنْ کے لفظ سے زمانہ قبل از نزول کو باہر رکھا پھر آپ نے زمانہ بعد از نزول میں بھی اس کا پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا۔ تو پھر اس لفظ لانے کا فائدہ کیا تھا اور یہ تاویلیں آپ کو کسی حدیث یا آیت سے ملیں یا حضرت کا اپنا ہی ایجاد ہے۔

یا حضرت آپ ان آیتوں پر متوجہ ہوں شاید خدا تعالیٰ انہیں کا اثر آپ کے دل پر ڈالے۔ اللّٰہ جلّشانہٗ

[1] النمل:۱۵ [2] الانعام: ۲۱

فرماتا ہے۔ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ[1] اب دیکھئے کہ قرآن کریم میں ﴿۳۷﴾
اللہ جلّ شانہٗ کا صاف وعدہ ہے کہ قیامت کے دن تک دونوں فرقے متبعین اور کفار کے باقی رہیں گے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ درمیان میں کوئی ایسا زمانہ بھی آوے کہ کفار بالکل زمین پر سے نابود ہو جائیں۔ پھر اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ[2] یعنی قیامت کے دن تک ہم نے یہود اور نصاریٰ میں عداوت ڈال دی ہے اب ظاہر ہے کہ اگر قیامت سے پہلے بھی ایک فرقہ ان دونوں میں سے نابود ہو جائے تو پھر عداوت کیونکر قائم رہے گی۔ حضرت ان نصوص صریحہ بیّنہ سے تو صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کفر کو اختیار کرنے والے قیامت کے دن تک رہیں گے۔ پھر اس کے یہ معنی کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ کچھ سوچ کر جواب دیں۔

دوسری دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ یُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا[3] اور آپ کہل کے لفظ سے درمیانی عمر کا آدمی مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں دیکھئے جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے اس میں کہل کے معنے جوان مضبوط کے لکھے ہیں اور یہی معنے قاموس اور تفسیر کشاف وغیرہ میں موجود ہیں اور سیاق سباق آیات کا بھی انہیں معنوں کو چاہتا ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ کا اس کلام سے مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم نے خوردسالی کے زمانہ میں کلام کر کے اپنے نبی ہونے کا اظہار کیا پھر ایسا ہی جوانی میں بھر کر اور مبعوث ہو کر اپنی نبوت کا اظہار کرے گا سو کلام سے مراد وہ خاص کلام ہے جو حضرت مسیح نے ان یہودیوں سے کیا تھا جو یہ الزام ان کی والدہ پر لگاتے تھے اور جمع ہو کر آئے تھے کہ اے مریم تو نے یہ کیا کام کیا۔ پس یہی معنے منشاء کلام الٰہی کے مطابق ہیں اگر ادھیڑ عمر کے زمانہ کا کلام مراد ہوتا تو اس صورت میں یہ آیت نعوذ باللہ لغو ٹھہرتی گویا اس کے یہ معنے ہوتے کہ مسیح نے خوردسالی میں کلام کی اور پھر پیرانہ سالی کے قریب پہنچ کر کلام کرے گا اور درمیان کی عمر میں بے زبان رہے گا مطلب تو صرف اتنا تھا کہ دو مرتبہ اپنی نبوت پر گواہی دے گا منصف کیلئے صرف ایک بخاری کا دیکھنا ہی کافی ہے۔ پھر جس حالت میں آپ خود مانتے ہیں کہ یہ آیت قطعیۃ الدلالت نہیں اور جس آیت کا سہارا اس کو دیا گیا تھا وہ آپ کی مخالف ثابت ہو گئی تو پھر یہ آیت جو خود آپ کے اقرار سے قطعیۃ الدلالت نہیں کیا فائدہ آپ کو پہنچا سکتی ہے۔

تیسری دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ سورت نساء میں ہے وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا[4] آپ اس میں بھی قبول کرتے ہیں کہ یہ آیت قطعیۃ الدلات نہیں مگر باوجود

[1] ال عمران:۵۶ [2] المآئدۃ: ۱۵ [3] ال عمران: ۴۷ [4] النّساء: ۱۵۸، ۱۵۹

اسؔ کے آپ کے دل میں یہ خیال ہے کہ اس رفع سے رفع مع الجسد مراد ہے کیونکہ مَا قَتَلُوْہُ ﴿۳۸﴾
وَمَا صَلَبُوْہُ [۱] کے ضمیر کا مرجع بھی روح مع الجسد ہے۔ لیکن حضرت آپ کی یہ سخت غلطی ہے۔ نفی قتل اور نفی مصلوبیت سے تو صرف یہ مدعا اللّٰہ جلّ شانہٗ کا ہے کہ مسیح کو اللّٰہ جلّ شانہٗ نے مصلوب ہونے سے بچالیا اور آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ [۲] اس وعدہ کے ایفا کی طرف اشارہ ہے جو دوسری آیت میں ہو چکا ہے اور اس آیت کے ٹھیک ٹھیک معنے سمجھنے کیلئے اس آیت کو بغور پڑھنا چاہئے۔ جس میں رفع کا وعدہ ہوا تھا اور وہ آیت یہ ہے یٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ [۳] حضرت اس رافعک الیّ میں جو رفع کا وعدہ دیا گیا تھا یہ وہی وعدہ ہے جو آیت بل رفعہ اللّٰہ الیہ میں پورا کیا گیا اب آپ وعدہ کی آیت پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ اس کے پہلے کون لفظ موجود ہیں تو فی الفور آپ کو نظر آ جائے گا کہ اس سے پہلے انّی متوفّیک ہے اب ان دونوں آیتوں کے ملانے سے جن میں سے ایک وعدہ کی آیت اور ایک ایفاءِ وعدہ کی آیت ہے آپ پر کھل جائے گا کہ جس طرز سے وعدہ تھا اسی طرز سے وہ پورا ہونا چاہئے تھا یعنی وعدہ یہ تھا کہ اے عیسیٰ میں تجھے مارنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اس سے صاف کھل گیا کہ ان کی روح اٹھائی گئی ہے کیونکہ موت کے بعد روح ہی اٹھائی جاتی ہے نہ کہ جسم۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ میں تجھے آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں بلکہ یہ کہا کہ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور جو لوگ موت کے ذریعہ سے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اسی قسم کے لفظ ان کے حق میں بولے جاتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے یا خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کر گئے جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے یٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ [۴] اور جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

چوتھی دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ اللّٰہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا [۵] اس جگہ بھی آپ مان گئے ہیں کہ یہ آیت آپ کے مطلب پر قطعیۃ الدلالت نہیں ہے۔ لیکن میں آپ کو محض للّٰہ یاد دلاتا ہوں کہ اس آیت کو حضرت مسیح کے دوبارہ نزول سے شکی طور پر بھی کچھ تعلق نہیں بات یہ ہے کہ حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں ایک فرقہ صدوقی نام تھا جو قیامت سے منکر تھے پہلی کتابوں میں بطور پیشین گوئی کے لکھا گیا تھا کہ ان کو سمجھانے کے لئے مسیح کی ولادت بغیر باپ کے ہوگی اور یہ ان کے لئے ایک نشان قرار دیا گیا تھا جیسا کہ اللّٰہ جلّ شانہٗ دوسری آیت میں فرماتا ہے وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ [۶]

۱،۲ النّساء: ۱۵۸ ۳ اٰل عمران: ۵۶ ۴ الفجر: ۲۸ تا ۳۱ ۵ الزّخرف: ۶۲ ۶ مریم: ۲۲

﴿۳۹﴾ اسؔ جگہ النّاس سے مراد وہی صدوقی فرقہ ہے جو اس زمانہ میں بکثرت موجود تھا چونکہ توریت میں قیامت کا ذکر بظاہر کسی جگہ معلوم نہیں ہوتا اس لئے یہ فرقہ مردوں کے جی اٹھنے سے بکلی منکر ہو گیا تھا۔ اب تک بائبل کے بعض صحیفوں میں موجود ہے کہ مسیح اپنی ولادت کے رو سے بطور علم الساعة کے ان کیلئے آیا تھا۔ اب دیکھئے اس آیت کو نزول مسیح سے تعلق کیا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ مفسرین نے کس قدر جدا جدا طور پر اس کے معنے لکھے ہیں ایک جماعت نے قرآن کریم کی طرف ضمیر انّہٗ کی پھیر دی ہے کیونکہ قرآن کریم سے روحانی طور پر مردے زندہ ہوتے ہیں اور اگر خواہ نخواہ تحکم کے طور پر اس جگہ نزول مسیح مراد لیا جائے اور وہی نزول ان لوگوں کیلئے جو آنحضرت صلعم کے عہد میں تھے نشان قیامت ٹھہرایا جائے تو یہ استدلال وجود قیامت تک ہنسی کے لائق ہوگا اور جن کو یہ خطاب کیا گیا کہ مسیح آخری زمانہ میں نزول کر کے قیامت کا نشان ٹھہرے گا۔ اب تم باوجود اتنے بڑے نشان کے قیامت سے کیوں انکاری ہوئے۔ وہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ دلیل تو ابھی موجود نہیں پھر یہ کہنا کس قدر عبث ہے کہ اب قیامت کے وجود پر ایمان لے آؤ شک مت کرو۔ ہم نے دلیل قیامت کے آنے کی بیان کر دی۔ دلیل پنجم آپ نے بیان فرمائی ہے کہ حدیث بخاری اور مسلم میں مسیح کے نزول کے بارے میں لکھا ہے اور ابوہریرہ نے اس تقریب پر فرمایا ہے فاقرء وا ان شئتم وان من اھل الکتب الخ. حضرت یہ کچھ دلیل نہیں نزول مسیح موعود سے کس کو انکار ہے اور فہم ابوہریرہ حجت کے لائق نہیں اور ابوہریرہ نے فاقرء وا ان شئتم میں شک کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ وہی صحابی ہیں جو حدیث دخول فی النار کو سن کر اس دھوکہ میں پڑے رہے جو ہم میں سے سب سے آخر مرنے والا دوزخ میں پڑے گا۔ پیش گوئی کو اجتہادی طور پر سمجھنے میں انبیاء نے بھی غلطی کھائی فذھب وھلی کی حدیث آپ کو یاد ہوگی پھر ابوہریرہ نے اگر غلطی سے پیشگوئی کے الٹے معنے سمجھ لئے تو کیا حجت ہو سکتی ہے۔

پھر آپ ابن کثیر سے یہ نقل کرتے ہیں کہ حسن سے روایت ہے کہ ان عیسی لم یمت وانہ راجع الیکم یہ حدیث مرسل ہے پھر کیونکر قطعیة الدلالت ہوگی ماسوا اس کے یہ بخاری کی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جو حضرت عیسیٰ کی وفات پر دلالت کرتی ہے اور نیز قرآن کی تعلیم سے مخالف ہے۔ پھر کیونکر سند کے لائق ہے۔

بعد اس کے آپ نے میرے دلائل وفات مسیح پر جرح کیا ہے۔ یہ جرح سراسر آپ کی عدم توجہ پر دلالت کرتی ہے میں اس وقت ایسے دلائل پیش کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کے دلائل حیات مسیح کا فیصلہ کر کے پھر پیش کروں گا۔ والحمد لِلّٰہ اولا و اٰخرًا وظاھرًا وباطنًا کل شیء فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام.

﴿۴۰﴾

پرچہ نمبر۲ مولوی محمد بشیر صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامدًا و مصلّیًا مسلمًا. اللھم انصر من نصر الحق و خذل الباطل و اجعلنا منھم و اخذل من خذل الحق و نصر الباطل و لاتجعلنا منھم. امابعد واضح ہو کہ جناب مرزا صاحب نے بہت امور کا جواب اپنی تحریر میں نہیں دیا ہے۔ ناظرین کو مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا اور اصل اور عمدہ بحث خاکسار کی تحریر میں نون تاکید کی ہے۔ جناب مرزا صاحب نے اس کے جواب میں نہ کوئی عبارت کسی کتاب نحو کی نقل کی اور نہ ان عبارات میں جو خاکسار نے نقل کی تھیں کچھ جرح کی فقط۔ اور یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ میری اصل دلیل حیات مسیح علیہ السلام پر آیت اُولیٰ ہے میرے نزدیک یہ آیت اس مطلوب پر دلالت کرنے میں قطعی ہے۔ دوسری آیات محض تائید کے لئے لکھی گئی ہیں۔ جناب مرزا صاحب کو چاہئے کہ اصل بحث آیت اُولیٰ کی رکھیں دوسری ابحاث کو تبعی و استطرادی تصور فرماویں فقط۔

قولہ۔ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسئلہ وفات حیات مسیح میں بار ثبوت اس عاجز کے ذمہ ہو۔

اقول۔ اس میں کلام ہے بچند وجوہ۔ اوّل یہ کہ جب حسب ارشاد آپ کے بار ثبوت حیات خود خاکسار نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ تو اب یہ بحث بے فائدہ ہے۔ دوم بار ثبوت وفات کا آپ کے ذمہ نہ ہونا خاکسار کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کیونکہ آپ نے توضیح مرام میں دعویٰ کیا ہے کہ حضرت مسیح دنیا میں نہ آویں گے اور جو دلیل اس پر پیش کی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ مسیح وفات پا چکے اور جو کوئی وفات پا چکتا ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جو جنت میں داخل ہو جاتا ہے وہ جنت سے نکالا نہیں جاتا۔ پس یہ دلیل متضمن تین مقدموں کو ہے اور دلیل کے ہر مقدمہ کا بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔ سوم آپ نے اپنے خط موسومہ مولوی محمد حسین صاحب نمبر۱۲ میں لکھا ہے۔ جناب آپ خوب جانتے ہیں کہ اصل امر اس بحث میں جناب مسیح ابن مریم کی وفات یا حیات ہے اور میرے الہام میں بھی یہی اصل قرار دیا گیا ہے کیونکہ الہام یہ ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے سو پہلا اور اصل امر الہام میں بھی یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ پس وفات مسیح ابن مریم آپ کا مستقل دعویٰ ہے اس لئے بار ثبوت وفات آپ کے ذمہ ہے۔ بالجملہ بار ثبوت وفات دو حیثیت سے آپ کے ذمہ ہے۔ ایک اس حیثیت سے کہ یہ اصل دعویٰ آپ کا ہے۔ دوسرے اس حیثیت سے کہ مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کی

دلیل کا یہ ایک مقدمہ ہے۔ چہارم اگر بارثبوت آپ کے ذمہ نہیں ہے تو یہ کام عبث آپ نے کیوں کیا ﴿۴۱﴾
کہ آپ نے ادلّہ وفات مسیح توضیح مرام وازالۃ الاوہام میں بہ بسط تمام بیان کئے۔

قولہ۔مولوی صاحب نے اس کامیابی کی امید پر کہ کسی طرح آیت موصوفہ بالا **قطعیۃ الدلالت** ہوجاوے یہ ایک جدید قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ آیت کے لفظ لیومنن میں نون تاکید ہے۔ اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کیلئے کردیتا ہے۔ **اقول** اس قاعدہ کو جدید قاعدہ کہنا نہایت محل استبعاد ہے۔ اگر مرزا صاحب میری ہی تحریر کو غور سے پڑھ لیتے تو معلوم ہوجاتا کہ ازہری اور ملا جامی اور عبدالحکیم اور صاحب مغنی اور شیخ زادہ نے اس قاعدہ کی تصریح کی ہے اور سب کتب نحو میں یہ قاعدہ مرقوم ہے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا یہاں تک کہ میزان خوان اطفال بھی جانتے ہیں کہ نون تاکید مضارع کو بمعنی استقبال کردیتا ہے۔ **قولہ**۔چنانچہ انہوں نے اپنے خیال میں اس مدعا کے اثبات کیلئے قرآن کریم سے نظیر کے طور پر ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جن کی وجہ سے ان کے زعم میں مضارع استقبال ہوگیا ہے۔**اقول**۔خاکسار کی اصل دلیل اتفاق ائمہ نحات کا ہے اس قاعدہ پر۔اس کا جواب مرزا صاحب نے مطلق نہیں دیا۔ ہاں آیات اس قاعدہ کی تائید کیلئے البتہ لکھی گئی ہیں۔ مرزا صاحب پر واجب ہے کہ اس قاعدہ کے توڑنے کیلئے کوئی عبارت کسی کتاب معتبر نحو کی پیش کریں۔

قولہ ۔کیا استقبال کے طور پر یہ دوسرے معنے بھی نہیں ہوسکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا۔**اقول**۔ مخفی نہ رہے کہ اس معنے کا مناط اس پر ہے کہ احتضار کے وقت ہر شخص پر وہ حق کھل جاتا ہے جس کو وہ نہ جانتا تھا جیسا کہ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں لکھا ہے اور یہ امر نفس الامر میں تینوں زمانوں کو شامل ہے یعنی نزول آیت کے قبل کے زمانہ اور وقت نزول کا زمانہ اور بعد کا زمانہ اب آیت اگر خالص استقبال کیلئے کیجئے گا تو یہ شبہ ہوگا کہ یہ امر زمانہ ماضی وحال کو شامل نہیں ہے اور یہ خلاف نفس الامر ہے پس اس کلام میں یہ عیب ہوا کہ خلاف نفس الامر کا موہم ہے اور فائدہ کوئی نہیں ہے کہ اگر کہا جاوے کہ اس آیت میں وعید ہے اہل کتاب کے لئے اور تحریض ہے ان کو ایمان لانے پر قبل اس کے کہ مضطر ہوں اس کی طرف جیسا کہ بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے اور اس وعید وتحریض سے وہی اہل کتاب منتفع ہوسکتے ہیں جو بعد نزول آیت کے مرنے والے ہیں نہ وہ جو پہلے مرچکے اور نہ وہ جو وقت نزول کے زہوق روح کی حالت میں تھے اس فائدہ کیلئے تخصیص استقبال کی گئی تو جواب یہ ہے کہ اگر ایسا لفظ اختیار کیا جاتا جو تینوں زمانوں کو شامل ہوتا تو یہی وعید وتحریض ان اہل کتاب کی حاصل ہوتی جو بعد نزول آیت کے مرنے والے ہیں۔

اور خلاف نفس الامر کا بھی موہم نہ ہوتا۔ یعنی بجائے لیؤمننّ کے لفظ یؤمن اختیار کیا جاتا۔ یعنی یوں کہا جاتا وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا یؤمن بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ یہ عبارت ایسی عمدہ ہے کہ اس میں وعید و تحریض جو مطلوب ہے وہ بھی حاصل ہے اور موہم خلاف نفس الامر بھی نہیں ہے اور اختصار بھی حاصل ہے یعنی لام و نون نہیں ہے پس قرآن مجید کی بلاغت کی جو حد اعجاز کو پہنچ گئی ہے خلاف ہے کہ ایسی عمدہ عبارت چھوڑ کر بجائے اس کے لیومنن اختیار کیا جاوے کہ جس میں ایہام خلاف نفس الامر ہے اور اطناب بلا فائدہ اور یہ سب محذور خالص معنے استقبال پر حمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ محصل کلام اس مقام پر یہ ہے کہ معنے دوم آیت کے بہر تقدیر باطل ہیں اگر خالص استقبال پر محمول کیجئے تو کلام حق تعالیٰ جو بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچ چکا ہے بلاغت سے گرا جاتا ہے اور اگر خالص استقبال پر محمول نہ کیجئے تو مخالف ہوتا ہے قاعدہ مجمع علیہا نحاۃ کے۔ ﴿۴۲﴾

قولہ۔ بلکہ ان معنوں پر آیت کی دلالت صریحہ ہے اس واسطے کہ دوسری قراءت میں یوں آیا ہے جو بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے۔ اِلَّا لَیُؤْمِنُنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِھِمْ ۔ **اقول**۔ اس میں کلام ہے بچند وجوہ۔ **اول** یہ کہ اس قراءت کی بناء پر بھی معنی دوم صحیح نہیں ہوتے ہیں کیونکہ لیؤمننّ کو یا تو خالص استقبال پر محمول کیا جائے گا تو کلام حق تعالیٰ جو بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچ گیا ہے۔ بلاغت سے نازل ہوا جاتا ہے اور اگر خالص استقبال پر محمول نہ کیجئے تو مخالف ہوتا ہے قاعدہ مجمع علیہا نحاۃ کے۔ **دوم** یہ کہ یہ قراءت ہمارے معنے کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس قراءت پر یہ معنی ہیں کہ ہر اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں مسیح پر ایمان لاوے گا اور یہ معنے معنے اول کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد لیا جاوے۔ **سوم** یہ کہ یہ قراءت غیر متواترہ ہے اور قراءت غیر متواترہ عموماً قابل احتجاج نہیں ہے بلکہ جب بسند صحیح متصل منقول ہو اور یہاں سند متصل صحیح اسکی مرزا صاحب نے تحریر نہیں فرمائی۔ مرزا صاحب پر واجب ہے کہ اسکی سند بیان فرماویں اور اس کے سب رجال کی توثیق کریں۔ ودونہ خرط القتاد ۔ **چہارم** یہ کہ مرزا صاحب نے قبل موتہٖ کی ضمیر توضیح المرام اور ازالۃ الاوہام میں جو الہامی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے اور یہ قراءت اس خیال کو بکلی باطل ٹھہرا رہی ہے۔ مرزا صاحب یہ تو خیال فرماویں کہ وہ معنے کہ جس کی تصحیح و تقویت کے وہ آپ درپے ہیں اور یہ محض بغرض توڑنے دعویٰ اس خاکسار کے ہے وہ خود نفس الامر میں ان کے نزدیک غیر صحیح ہیں کیونکہ اس تقدیر پر استدلال ان کا موت مسیح پر آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ سے مطلق غیر صحیح ٹھہرتا ہے پس کیا یہی مقتضائے دیانت و انصاف ہے کہ جس چیز کو وہ خود نفس الامر

میں غیر صحیح جانتے ہیں اس کو بمقابلہ خصم صحیح بناویں یہ تو مناظرہ نہ ہوا محض مجادلہ ٹھہرا۔ ﴿۴۳﴾
قولہ۔ پہلی آیات کی نظیر یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ [1] اب ظاہر ہے کہ اس جگہ حال مراد ہے۔ **اقول** قرآن مجید میں فلنولینک ہے نہ ولنولینک جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں یہاں ارادہ حال غلط محض ہے بلکہ یہاں خالص مستقبل مراد ہے بچند وجوہ۔ **اول** یہ کہ بیضاوی میں مرقوم ہے فول وجھک اصرف وجھک شطر المسجد الحرام نحوہ ۔عبدالحکیم اصرف وجھک کے تحت میں لکھتے ہیں ولم یجعله من المتعدی الی المفعولین بان یکون شطر مفعوله الثانی لان ترتبه بالفاء و کونه انجازا للوعد بان الله تعالٰی یجعل النبی مستقبلا القبلة او قریبا من سمتها بان یامر بالصلٰوة الیها یناسبه ان یکون النبی مامورا بصرف الوجه الیها لا بان یجعل نفسه مستقبلا ایاها اوقریبا من جهتها ۔انتھٰی۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے قول فلنولّینک میں وعدہ فرمایا۔ اور فولّ وجھک کے ساتھ اس کا انجاز کیا۔ **دوم** یہ کہ اگر یہاں حال مراد لیا جائے تو فلنولینک کے یہ معنے ہوں گے پس البتہ پھیرتے ہیں ہم تجھ کو اور پھیرنے سے یہ تو مراد ہی نہیں کہ ہم تجھ کو ہاتھ پکڑ کے قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم تجھ کو قبلہ کی طرف پھیرنے کا حکم کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر قول اللہ تعالیٰ کا فول وجھک زاید ولا طایل ہوگا۔ **سوم** یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب و شاہ رفیع الدین صاحب و شاہ عبدالقادر صاحب نے ترجمہ اس لفظ کا بمعنے مستقبل کیا ہے۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے۔ پس البتہ متوجہ گردانیم ترا بآں قبلہ کہ خوشنود شوی۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔ پس البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو اس قبلہ کو کہ پسند کرے اس کو۔ لفظ شاہ عبدالقادر کا یہ ہے۔ سو البتہ پھیریں گے تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے۔ **قولہ** اور ایسا ہی یہ آیت وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ [2] **اقول** ارادہ حال اس آیت میں غلط ہے بدو وجہ **اوّل** یہ کہ آیت میں وعید ہے اور جس چیز کی وعید کی جاتی ہے وہ اس کے بعد متحقق ہوتی ہے۔ پس استقبال یہاں متعین ہوا۔ **دوم** یہ کہ تراجم ثلاثہ سے معنے استقبال واضح ہیں۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے۔ البتہ بسوزانیم آنرا پس پراگندہ سازیم آنرا۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔ ابھی جلاویں گے ہم اس کو پھر اڑاویں گے ہم اس کو۔ لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے ہم اس کو جلاویں گے پھر بکھیر دیں گے۔ ان دونوں آیتوں میں جو مرزا صاحب نے حال کے معنی سمجھے تو منشاء غلط یہ معلوم ہوتا ہے کہ استقبال دو طرح کا ہوتا ہے ایک استقبال قریب دوسرا استقبال بعید مرزا صاحب استقبال قریب کو قرب کی وجہ سے حال سمجھ گئے ہیں و ھٰذا بعید من

[1] البقرة: ۱۴۵ [2] طٰہٰ: ۹۸

﴿۴۴﴾ شان المحصلین ۔واضح ہو کہ آپ نے جو آیات مذکورہ میں سے بعض کو حال پر اور بعض کو استمرار پر محمول کیا ہے اس میں آپ متفرد ہیں اور محض اپنی رائے سے فرماتے ہیں یا سلف و خلف امت میں سے کسی نے یہ معنے کئے ہیں ۔بیّنوا توجروا ۔**قولہ** اور دوسری آیات جو حال اور استقبال کے سلسلہ متصلہ ممتدہ پر استمرار کے طور پر مشتمل ہیں ۔ان کی نظیر ذیل میں پیش کرتا ہوں پہلی یہ آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [۱] ۔**اقول** اس میں کلام ہے بدو وجہ **اوّل** یہ کہ یہ امر مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں دکھلایا کرتا ہے لیکن یہاں اس عادت کا بیان مقصود نہیں ۔مقصود بالذّات صرف وعدہ ہے اور امر موعود وعدہ کے بعد متحقق ہوتا ہے جیسا کہ خود مرزا صاحب نے آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ کے معنے دوم کی تائید میں تصحیح خالص استقبال کی کی ہے حالانکہ اہل کتاب کا زہوق روح کے وقت ایمان لانا امر مستمر ہے خصوصیت کسی زمانہ کی اس میں نہیں ہے ۔**دوم** یہ کہ تراجم ثلاثہ تعین استقبال کرتے ہیں لفظ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ ہے ۔وآنانکہ جہاد کردند در راہ ما البتہ دلالت کنیم ایشاں را براہہائے خود ۔عبارت شاہ رفیع الدین کی یہ ہے اور جن لوگوں نے کہ محنت کی بیچ راہ ہمارے کے البتہ دکھاویں گے ہم ان کو راہیں اپنی ۔عبارت شاہ عبدالقادر صاحب کی یہ ہے اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں ۔**قولہ** دوسری یہ آیت كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ [۲] **اقول** یہاں ارادہ استمرار قطعاً باطل ہے اور ارادہ استقبال متعین بدو وجہ ۔اول یہ کہ بیضاوی میں لکھا ہے كَتَبَ اللّٰهُ فِي اللَّوْحِ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ۔بالحجۃ ظاہر ہے کہ لوح محفوظ میں جب لکھا ہے اس وقت اور اس سے پہلے غلبہ متصور نہیں ہے کیونکہ غلبہ کیلئے غالب و مغلوب ضروری ہے اس وقت نہ رسل تھے نہ ان کی امت تھی یہ سب بعد ان کے ہوئے ہیں ۔دوم تراجم ثلاثہ استقبال پر دلالت کرتے ہیں ۔لفظ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ ہے حکم کرد خدا البتہ غالب شوم من و غالب شوند پیغمبران من ۔لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے لکھ رکھا ہے خدا نے البتہ غالب آوں گا میں اور پیغمبر میرے ۔لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے ۔اللہ لکھ چکا کہ میں زبر ہوں گا اور میرے رسول ۔**قولہ** تیسری آیت یہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [۳] ۔**اقول** اس آیت میں بھی استقبال مراد ہے بچند وجوہ اول یہ کہ یہ وعدہ ہے ۔تفسیر ابن کثیر میں مرقوم ہے **هذا وعد من اللّٰهِ تعالى فمن عمل صالحا وهو العمل المتابع لكتاب الله و سنة نبيه صلى الله عليه وسلم**

[۱] العنکبوت :۷۰ [۲] المجادلۃ:۲۲ [۳] النحل:۹۸

مَنْ ذکر او انثی من بنی آدم و قلبہ مومن باللہ ورسولہ و ان ھذا العمل المامور بہ مشروع من عند اللہ بان یحی اللہ حیوۃ طیبۃ فی الدنیا و ان یجزیہ باحسن ماعملہ فی الدار الاخرۃ. انتھی ۔اور جس کا وعدہ ہوتا ہے وہ چیز وعدہ کے بعد پائی جاتی ہے۔ دوم تراجم ثلاثہ سے استقبال معلوم ہوتا ہے۔لفظ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ ہے ہر کہ عمل نیک کرد مرد باشد یا زن واُو مسلمان است ہر آنیہ زندہ کنمش بزندگانی پاک۔لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے جو کوئی کرے اچھا مردوں سے یا عورتوں سے اور وہ ہو ایمان والا پس البتہ زندہ کریں گے ہم اس کو زندگی پاکیزہ۔ عبارت شاہ عبدالقادر صاحب کی یہ ہے جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ یقین پر ہے تو اس کو ہم جلا دیں گے ایک اچھی زندگی۔ **قولہ**۔ چوتھی آیت یہ ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [1] **اقول** یہاں استقبال مراد ہے بچند وجوہ۔اول یہ کہ یہ وعدہ مہاجرین و انصار سے ہے قال البیضاوی وقد انجز وعدہ بان سلط المھاجرین والانصار علی صنادید العرب واکاسرۃ العجم و قیاصرتھم و اورثھم ارضھم و دیارھم انتھی۔ اور جس کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ چیز بعد زمانہ وعدہ کے پائی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ تراجم ثلاثہ میں استقبال مصرح ہے۔عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے۔والبتہ نصرت خواہد داد خدا کسے را کہ قصد نصرت دین وے کند۔لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔اور البتہ مدد دیوے گا اللہ اس کو کہ مدد دیتا ہے اس کو۔لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے۔اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی۔ **قولہ**۔ پانچویں آیت یہ ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ [2] **اقول**۔ یہاں بھی مستقبل مراد ہے بدو وجہ اول یہ کہ یہ وعدہ ہے اور جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ وقت وعدہ کی متحقق نہیں ہوتی ہے بعد کو پائی جاتی ہے۔ دوم۔تراجم ثلاثہ اس پر دال ہیں۔عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے وآنانکہ ایمان آوردند وکارہائے شائستہ کردند۔البتہ در آریم ایشاں را در زمرۂ شائستگان۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔اور وہ لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے البتہ داخل کریں گے ہم ان کو بیچ صالحوں کے۔لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے۔اور جو لوگ ایمان لائے اور بھلے کام کئے ہم ان کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں۔آپ کا محذور جب لازم آوے کہ یہ بیان ہو عادت کا بلکہ یہ تو وعدہ ہے۔ **قولہ**۔اب میں آپ کے اس قاعدہ کو توڑ چکا کہ نون ثقیلہ کے داخل ہونے سے خواہ نخواہ اور ہر ایک جگہ خاص طور پر استقبال کے معنے ہی ہوا کرتے ہیں۔ **اقول** بالا معلوم ہوا کہ آپ نے جتنی آیتیں ذکر کی ہیں ﴿۴۵﴾

[1] الحج:۴۱ [2] العنکبوت:۱۰

سبؔ میں مراد صرف معنے مستقبل ہیں نہ حال اور نہ استمرار۔ **قولہ** اور آپ کو معلوم ہے کہ تمام مفسرین ﴿۴۶﴾
قدیم وجدید جن میں عرب کے رہنے والے بھی داخل ہیں لیو منن کے لفظ کے حال کے معنے بھی کرتے
ہیں۔ **اقول**۔ان لوگوں کے کلام میں کہیں تصریح حال کی نہیں ہے محتمل ہے کہ ان کی مراد استقبال ہو
جیسا کہ آپ خود اوپر لکھ چکے ہیں۔کیا استقبال کے طور پر دوسرے معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ کوئی
اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا دیکھو یہ بھی تو خالص
استقبال ہی ہے۔اگر کوئی شبہ کرے کہ پھر اس دوسرے معنے کا رد قاعدہ مقررہ نحاۃ کے موافق کیسے ہوگا۔
تو جواب یہ ہے کہ بے شک اس صورت میں قاعدہ مقررہ کی بنا پر البتہ رد نہ ہو سکے گا بلکہ اس کا رد منوط
ہوگا امر آخر پر جس کا ذکر اوپر ہو چکا یعنی یہ کہ اس صورت میں کلام الٰہی اعلیٰ درجہ بلاغت سے نازل ہوا
جاتا ہے۔فلیتأمل فانه احریٰ بالتأمل ۔ **قولہ** اور آپ نے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے جو لکھا
ہے کہ نزول عیسیٰ ہوگا اور کوئی اہل کتاب میں سے نہیں ہوگا جو اس کے نزول کے بعد اس پر ایمان نہیں
لائے گا۔یہ بیان آپ کیلئے کچھ مفید نہیں الی قوله اور پھر اس قول کو مانحن فيه سے تعلق کیا ہے۔
اقول اس مقام پر آپ نے میرے کلام کو غور سے ملاحظہ نہیں فرمایا۔میرا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ
سمجھے ہیں میرا مطلب تو عبارت ابن کثیر کی نقل سے صرف اس قدر ہے کہ یہ معنے جو میں نے اختیار کئے
ہیں اس طرف ایک جماعت سلف میں سے گئی ہے اور یہ امر میری تحریر میں مصرح ہے۔چنداں غور کا بھی
محتاج نہیں ہے۔ **قولہ** واضح رہے کہ آپ اس عاجز کے اعتراضات کو جواز الہ اوہام میں آیت
موصوفہ بالا کے ان معنوں پر وارد ہوتے ہیں جو آپ کرتے ہیں اٹھا نہیں سکے بلکہ رکیک عذرات سے
میرے اعتراضات کو اور بھی ثابت کر دیا۔ اقول میرے ادلّہ کا قوی ہونا ابھی ثابت ہو چکا۔پس یہ آپ کا
فرمانا بجائے خود نہیں ہے۔ **قولہ** آپکے نون ثقیلہ کا حال تو معلوم ہو چکا۔**اقول** آپ نے نون ثقیلہ
کے بارہ میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ سب هَبَآءً مُّنۢبَثًّا ہو گیا۔ **قولہ** اور لیؤمننّ کے لفظ کی تعمیم بدستور قائم
رہی۔ **اقول** جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ نون مضارع کو خالص استقبال کیلئے کر دیتا ہے تو اب تعمیم کہاں
قائم رہی۔ **قولہ** اب فرض کے طور پر اگر آیت کے یہ معنے لئے جاویں کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت
جس قدر اہل کتاب ہوں گے سب مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ ابو مالک سے آپ نے روایت کیا ہے تو
مجھے مہربانی فرما کر سمجھا دیں کہ یہ معنے کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ **اقول** آپ نے اس معنے کی تقریر میں
جو میرے نزدیک متعین ہیں تھوڑی سی خطا کی ہے۔آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ کے

نزّول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہوں گے سب مسلمان ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد اوران کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا ضرور ہوگا کہ اس وقت کے اہل کتاب سب مسلمان ہو جائیں گے اورابو مالک کے کلام کا بھی یہی مطلب ہے ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ **قولہ** آپ تسلیم کر چکے ہیں **الی قولہ** تو پھراس لفظ کے لانے سے فائدہ کیا ہے۔ **اقول** حضرت من اس مقام پر بھی آپ نے میرے مطلب پر مطلق غور نہیں کیا اسلئے میں پھراس کی تقریر کا اعادہ کرتا ہوں امید ہے کہ اگر آپ توجہ فرمائیں گے تو سمجھ میں آجائے گا اور تسلیم بھی کر لیجئے گا۔ حاصل میری کلام کا یہ ہے کہ آپ کے اعتراض کا جواب بدوطور ہے اول یہ کہ آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کے نزول کے بعد فوراً سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے بلکہ یہ کہ بعد نزول مسیحؑ اور قبل موت مسیح ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ میں سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے۔ پس احادیث صحیحہ اس کی منافی نہ ہوئیں کیونکہ جو کفار مسیح کے دم سے مرنے والے ہوں گے وہ پہلے مریں گے باقی ماندہ سب ایمان لے آویں گے۔ دوم یہ کہ مراد ایمان سے یقین ہو نہ ایمان شرعی۔ اس تقدیر پر بھی احادیث صحیحہ آیت کے اس معنی کی معارض نہیں ٹھہرتی ہیں الحاصل مقصود دفع تعارض ہے جو آپ نے آیت کے معنے اور احادیث صحیحہ میں بیان فرمایا ہے آپ معلوم نہیں کہ کہاں سے کہاں چلے گئے غور کر کے جواب لکھا کیجئے۔ اب یہ انصاف سے غور کر کے فرمائیے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ انْ کا لفظ تو ایسا کامل حصر کیلئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جاوے تو یہ لفظ بے کار اور غیر مؤثر ٹھہرتا ہے کیسا بے محل ہے۔ کیونکہ جس زمانہ کے لئے یہ حصر کیا گیا ہے اس کی نسبت پورا حصر ہے اور ایسا ہی یہ فرمانا کہ اول تو آپ نے اِنْ کے لفظ سے زمانہ قبل از نزول کو باہر کیا۔ پھر اب زمانہ بعد از نزول میں بھی اس کا پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا تو پھر اس لفظ کے لانے سے فائدہ ہی کیا تھا محض بے موقع ہے کیونکہ خاکسار نے از خود زمانہ قبل از نزول کو باہر نہیں رکھا اور نہ زمانہ بعد از نزول میں پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا بلکہ یہ تو مقتضٰی نون ثقیلہ ولفظ **بعد موتہٖ** کا ہے جو کلام الٰہی میں واقع ہوا ہے اور ایسا ہی آپ کا یہ فرمانا کہ اب اگر ان کفار کو جو کفر پر مر گئے مومن ٹھہراتے ہیں یا اس جگہ ایمان سے مراد یقین رکھتے ہیں تو اس دعوے پر آپ کے پاس دلیل کیا ہے۔ محض بے ربط ہے۔ کیونکہ خاکسار اس مقام پر نہ مدعی ان کے ایمان کا ہے اور نہ مدعی اس امر کا ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہے۔ مقصود اس مقام پر صرف رفع تناقض ہے جو آپ نے درمیان آیت و احادیث کے سمجھا ہے اس امر ﴿۴۷﴾

﴿۴۸﴾ کے فیصلہ کیلئے خاکسار آپ کے دو معتقد خاص حکیم نور الدین صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کو حکم تسلیم کرتا ہے کہ آپ میری اس کلام کا مطلب بالکل نہیں سمجھے۔ **قولہ** یا حضرت آپ ان آیتوں پر متوجہ ہوں الی قولہ اب دیکھئے کہ قرآن مجید میں اللہ جلّ شانہٗ کا صاف وعدہ ہے کہ قیامت کے دن تک دونوں فرقے متبعین اور کفار باقی رہیں گے۔ **اقول** اس میں کلام ہے بدو وجہ اوّل یہ کہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ[1] میں صاف وعدہ ہے کہ قبل موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب اہل کتاب مومن ہو جائیں گے پس یہ آیت مخصص ہے آیت وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ[2] کے۔ دوم احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قبل قیامت سب شریر رہ جائیں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ آیت عام مخصوص البعض ہے۔ **قولہ** پھر اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ فَاَغۡرَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ[3] اب ظاہر ہے کہ اگر قیامت کے پہلے ہی ایک فرقہ ان دونوں میں سے نابود ہو جاوے تو پھر عداوت کیونکر قائم رہے گی۔ **اقول** یہ آیت بھی عام مخصوص البعض ہے۔ مخصص اس کی آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ہے۔ **قولہ**۔ دوسری آیت آپ نے پیش کی ہے۔ کہ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا[4] **اقول** کہل کے معنے میں فی الواقع اہل لغت نے اختلاف کیا ہے۔ اسی واسطے اس آیت کو قطعیة الدلالة لذاتها نہیں کہا گیا بلکہ قطعیة الدلالة لغیرها کہا گیا یعنی بانضمام آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ جو قطعیة الدلالت ہے یہ بھی قطعی ہو جاتی ہے اور آپ نے جو شبہ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ کے قطعیة الدلالت ہونے میں کیا ہے وہ بالکلیہ مرتفع ہو گیا۔ **قولہ** صحیح بخاری میں دیکھئے جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے اس میں کھل کے معنے جوان مضبوط کے ہیں۔ **اقول** عبارت بخاری یہ ہے وقال مجاهد الکهل الحلیم انتهی. آپ پر واجب ہے کہ یہ امر ثابت کیجئے کہ اس سے جوان مضبوط کس طرح سمجھا جاتا ہے۔ **قولہ** حضرت اس رَافِعُکَ اِلَیَّ میں جو رفع کا وعدہ دیا گیا ہے یہ وہی وعدہ تھا جو آیت بَلۡ رَفَعَهُ اللّٰهُ میں پورا کیا گیا۔ **اقول** مسلم ہے کہ آیت اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ میں جو وعدہ تھا وہ آیت بل رفعه الله میں پورا کیا گیا۔ لیکن انی متوفیک میں موت مراد ہونا غیر مسلم ہے جیسا کہ اس کی تقریر تحریر اوّل میں لکھ چکا ہوں اور آپ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ **قولہ** نزول مسیح موعود سے کس کو انکار ہے۔ **اقول** آپ کو نزول عین عیسیٰ ابن مریم سے انکار ہے اور حالانکہ تحریر اول میں لکھا گیا ہے کہ حدیث میں لفظ ابن مریم جس کے معنے حقیقی عین ابن مریم ہے موجود ہے

[1] النساء: ۱۶۰ [2] اٰل عمران: ۵۶ [3] المائدة: ۱۵ [4] اٰل عمران: ۴۷

اور صارف یہاں کوئی پایا نہیں جاتا ہے۔ آپ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ **قولہ** اور فہم ابو ہریرہ حجت کے لائق نہیں۔ **اقول** فہم ابو ہریرہ کو میں حجت نہیں کہتا ہوں استدلال تو لفظ ابن مریم سے ہے جو حدیث میں واقع ہے۔ **قولہ** یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر کیونکر قطعیۃ الدلالت ہوگی۔ **اقول** اس حدیث کو قطعیۃ الدلالت نہیں کہا گیا ہے صرف تائید کیلئے لائی گئی ہے۔ **قولہ** یہ بخاری کی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جو حضرت مسیح کی وفات پر دلالت کرتی ہے اور نیز قرآن کی تعلیم سے مخالف ہے۔ ﴿۴۹﴾

اقول ۔ آپ وہ حدیث صحیح مرفوع متصل بیان فرمائیے تا کہ اس میں نظر کی جاوے اور مخالفت تعلیم قرآن غیر مسلم ہے ومن یدعی فعلیہ البیان واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

محمد بشیر عفی عنہ تاریخ ۲۵؍ اکتوبر ۱۸۹۱ء

نمبر۲

حضرت اقدس مرزا صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۔ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ۔ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ۔ آمین۔

امابعد واضح ہو کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب نے اپنے جواب الجواب میں باوجود اس کے کہ اپنے ذمہ بار ثبوت حیات مسیح علیہ السلام قبول فرما چکے تھے۔ پھر اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وفات ابن مریم علیہ السلام کا بار ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ آپ کی طرف سے یہ مستقل دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح وفات پا چکے اور اصل امر آپ کے الہام میں یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ اور اگر آپ کے ذمہ بار ثبوت نہیں تھا تو یہ عبث کام آپ نے کیوں کیا کہ توضیح مرام و ازالہ اوہام میں دلائل وفات مسیح بہ بسط تمام بیان کئے۔

میں کہتا ہوں کہ اس بات کو ادنیٰ استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بار ثبوت کسی امر متنازعہ فیہ کی نسبت اس فریق پر ہوا کرتا ہے کہ جو ایک امر کا کسی طور سے ایک مقام میں اقرار

﴿۵۰﴾ کر کے پھر کسی دوسری صورت اور دوسرے مقام میں اسی امر قبول کردہ کا انکار کر دیتا ہے سو وہ اپنے پہلے اقرار سے ہی پکڑا جاتا ہے اور اس مواخذہ کے لائق ٹھہر جاتا ہے کہ جس امر کو وہ کسی دوسری صورت یا دوسرے وقت اور مقام میں آپ ہی مانتا اور قبول کرتا تھا اب اس سے کیوں انکار کر کے ایک مستحدث اور نئے دعوے کی طرف رجوع کر گیا ہے سو واقعی اور حقیقی طور پر مدعی کا لفظ اس شخص پر بولا جاتا ہے جو اپنے پہلے اقرار سے منحرف ہو کر ایک نئے اور جدید امر کا دعویٰ کرتا ہے اور اسی وجہ سے بار ثبوت اس پر ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے منہ کے اقرار سے ہی اپنی جدت دعویٰ کا قائل ہوتا ہے۔ یعنی اس نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہوا ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ اس کا نیا ہے اور اس کے اس قدیم اقرار سے قطعاً مخالف ہے جس سے اب بھی اس کو انکار نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسی عدالت میں دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار روپیہ قرضہ لینا ہے اور خود اس بات کا اقرار کر دیتا ہے کہ فلاں تاریخ میں نے اس کو بطور قرضہ روپیہ دیا تھا اور اس تاریخ سے پہلے میرا اس سے کچھ واسطہ نہیں تھا اور یہ میرا دعویٰ نیا ہے جو فلاں تاریخ سے پیدا ہوا سو اسی وجہ سے وہ مدعی کہلاتا ہے اور ثبوت اس کے ذمہ ہوتا ہے کہ وہ بعد اس اقرار کے کہ فلاں تاریخ سے پہلے فلاں شخص میرا قرض دار نہیں تھا پھر مخالف اپنے اس پہلے بیان کے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں تاریخ سے وہ میرا قرض دار ہے پس اس سے عدالت اسی وجہ سے ثبوت مانگتی ہے کہ وہ اپنے پہلے بیان کے مخالف دوسرا بیان کرتا ہے اور اس کے دعوے میں ایک جدت ہے جس کا وہ آپ ہی قائل ہے کیونکہ وہ خود قبول کر چکا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب کہ وہ شخص جس کو اب مقروض ٹھہرایا گیا ہے مقروض نہیں تھا۔ سو اس اقرار کے بعد انکار کر کے وہ اپنی گردن پر آپ بار ثبوت لے لیتا ہے۔ غرض واقعی اور حقیقی طور پر اسی شخص کو مدعی کہتے ہیں جو ایک صورت میں ایک بات کا اقرار کر کے پھر اسی بات کا انکار کرتا ہے اور بار ثبوت اس پر اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے پہلے اقرار کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے تمام عدالتیں اسی اصول محکم کو پکڑ کر مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز کرتی ہیں اگر یہ اصول مدنظر نہ ہو تو ایسا حاکم اندھے کی طرح ہوگا اور اس کو معلوم نہیں ہوگا کہ واقعی طور پر مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون۔ خلاصہ کلام یہ کہ مدعی ہونے کی فلاسفی یہی ہے جو ہم نے اس جگہ بیان کر دی ہے اور ظاہر ہے کہ بار ثبوت اسی پر ہوگا جو واقعی اور حقیقی طور پر مدعی ہو یعنی ایسی حالت رکھتا ہو کہ ایک صورت میں ایک بات کا اقرار کر کے پھر دوسری صورت میں برخلاف اس اقرار کے بیان کرے۔

اب اس معیار کو نظر کے سامنے رکھ کر ہر یک منصف دیکھ لے کہ کیا واقعی طور پر حضرت مسیح ابن مریم کی وفات کے بارے میں اس عاجز کا نام مدعی رکھنا چاہئے یا حضرت مولوی محمد بشیر صاحب اور ان کے ہم خیال مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب وغیرہ حیات جسمانی مسیح ابن مریم کے بارے میں مدعی ٹھہرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ہم مدعی کی تعریف ابھی بیان کر چکے ہیں یعنی یہ کہ حقیقی اور واقعی مدعی کیلئے ایسی حالت کا پایا جانا ضروری ہے کہ ایک صورت میں ایک بات کا علیٰ وجہ بصیرت ہمیشہ کیلئے اقرار کر کے پھر دوسری صورت میں اسی بات کا انکار کرے۔ یہ تعریف میرے پر صادق نہیں آسکتی کیونکہ میرا بیان تو اس طرز پر نہیں کہ پہلے میں حضرت مسیح ابن مریم کی یہ غیر طبعی حیات قبول کر کے پھر اس سے انکار کر گیا ہوں تا بوجہ جدت دعویٰ اور مخالفت پہلے اقرار کے بار ثبوت میرے پر ہو لیکن مدعی ہونے کی یہ تعریف حضرت مولوی محمد بشیر صاحب اور ان کے گروہ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ پہلے ان کو اب تک اس بات کا اقرار ہے کہ یہ حیات مسیح کی جس کی نسبت دعویٰ ہے ایک غیر طبعی حیات ہے جو اللہ تعالیٰ کے عام قانون قدرت اور دائمی سنت اللہ سے مغائر و مخالف پڑی ہوئی ہے اور نہ صرف سنت اللہ کے مخالف بلکہ نصوص صریحہ بینہ قطعیہ قرآن کے بھی مخالف ہے کیونکہ قرآن کریم نے جو عام طور پر انسان کی بے ثبات ہستی کے بارے میں ہدایت فرمائی ہے وہ یہی ہے جو انسان اپنی عمر طبعی کی حد کے اندر مر جاتا ہے اور اگر جوانی اور درمیانی حالت میں نہیں تو ارذل عمر تک پہنچ کر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور زمانہ اس پر اثر کر کے اور انواع اقسام کے تغیرات اس پر وارد کر کے ارذل عمر تک اس کو پہنچاتا ہے یا وہ شخص پہلے ہی مر جاتا ہے۔ اس اقرار کے بعد مولوی صاحب موصوف اور ان کے گروہ کا یہ بیان ہے کہ مسیح ابن مریم جو انسان تھا اور انسانوں میں بلاکم وبیش داخل تھا اب تک نہیں مرا بلکہ صدہا برس سے زندہ چلا آتا ہے بڈھا بھی نہیں ہوا اور نہ ارذل عمر تک پہنچا اور نہ زمانہ نے کچھ بھی اس پر اثر کیا سو مولوی صاحب موصوف نے پہلے جس بات کا اقرار کیا تھا اسی بات کا پھر انکار کر دیا۔ اس لئے حسب قاعدہ متذکرہ بالا حقیقی اور واقعی طور پر وہ مدعی ٹھہر گئے۔ کیونکہ میں بیان کر چکا ہوں کہ حقیقی اور واقعی طور پر مدعی اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ کسی امر کی نسبت ایک صورت میں اقرار کر کے پھر دوسری صورت میں اسی امر کا انکار کر دیوے۔ کیا مولوی صاحب فقہ کے قوانین پر نظر ڈال کر یا دنیوی عدالتوں کے مقدمات پر نگاہ کر کے کوئی نظیر پیش کر سکتے ہیں کہ کسی شخص کو حقیقی طور پر مدعی تو کہا جائے مگر وہ اس تعریف سے باہر ہو۔ اور اگر اس عاجز نے مسیح ابن ﴿۵۱﴾

مریمؑ کی وفات پر دلائل لکھے ہیں یا اس کی وفات کی نسبت اپنا الہام بیان کیا ہے تو اس کو حقیقی طور پر مدعی ہونے سے کیا تعلق ہے۔ وہ تمام دلائل تو محض بطریق تنزل لکھے گئے جیسے ایک مدعا علیہ کسی مدعی کا افترا ظاہر کرنے کیلئے کسی عدالت میں ایسی سند پیش کر دیوے جس سے اور بھی اس مدعی کی پردہ دری ہو تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ درحقیقت اس پر وہ تمام ثبوت پیش کرنا واجب ہو گیا جو ایک واقعی اور حقیقی مدعی پر واجب ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے اس مسئلہ شناخت مدعی و مدعا علیہ پر نظر غور نہیں کی۔ حالانکہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے جو قاضیوں اور حکام اور علماؤں کو دھوکوں اور لغزشوں سے بچاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولوی صاحب نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ ہم حیات جسمانی مسیح ابن مریم آیات **قطعیة الدلالت** سے پیش کریں گے۔ لیکن بحث کے وقت اس دعوے سے نومیدی پیدا ہو گئی اس لئے اب اس طرف رخ کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی ثابت کرنا ہمارے ذمہ نہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کو یاد رہے کہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔ حقیقی اور واقعی طریق عدالت یہی ہے کہ جو شخص حیات غیر طبعی مسیح ابن مریم کا مدعی ہے اسی پر واجب ہے کہ وہ آیات **قطعیة الدلالت** اور احادیث صحیحہ مرفوعہ سے حضرت مسیح کی حیات جسمانی ثابت کرے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو یہ اول دلیل ہو گی کہ مسیح فوت ہو گیا بلاشبہ قوانین عدالت کے رو سے حقیقی اور واقعی طور پر آپ مدعی ہیں کیونکہ طبعی اور مسلّم امر کو چھوڑ کر ایک ایسا عقیدہ آپ نے اختیار کیا ہے جس کا ماننا اور قبول کرنا محتاج دلیل ہے۔ لیکن کسی انسان کا اپنی عمر طبعی تک مر جانا اور صدہا برس تک زندہ نہ رہنا محتاج دلیل نہیں بلکہ اس کے مرنے پر قانون قدرت اور سنت اللہ خود محکم دلیل ہے۔ غور فرماویں کہ اگر مثلاً کسی مفقود الخبر کی اٹھارہ سو برس تک خبر نہ ملے کہ وہ مرا ہے یا نہیں تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اب تک زندہ ہے اور کیا شریعت غرّا محمدیہ کسی تنازع کے وقت اس کی نسبت وہی احکام صادر کرے گی جو ایک زندہ کی نسبت صادر کرنے چاہئے۔ بیّنوا توجروا۔ ﴿۵۲﴾

پھر اس کے بعد آپ نے نصوص صریحہ بیّنہ قرآن اور حدیث سے نومید ہو کر دوبارہ آیت **لیؤمننّ** کے نون ثقیلہ پر زور مارا ہے اور جمہور مفسرین اور صحابہ اور تابعین سے تفرد اختیار کر کے محض اپنے خیال خام کی وجہ سے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ آیت بوجہ نون ثقیلہ کے خالص استقبال کیلئے ہو گئی ہے جس کے فقط یہی ایک معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد کسی خاص زمانہ کے لوگ سب کے

﴿۵۳﴾ سب ان پر ایمان لے آئیں گے اور ان معنوں پر زور دینے کے وقت آپ نے اپنی اس شرط کا کچھ خیال نہیں رکھا جو پہلے ہم دونوں کے درمیان قرار پا چکی تھی جو قال اللّٰہ اور قال الرّسول سے باہر نہیں جائیں گے اور نہ ان بزرگوں کی عزت اور مرتبت کا کچھ پاس کیا جو اہل زبان اور صرف اور نحو کو آپ سے بہتر جاننے والے تھے۔ صرف اور نحو ایک ایسا علم ہے جس کو ہمیشہ اہل زبان کے محاورات اور بول چال کے تابع کرنا چاہئے اور اہل زبان کی مخالفانہ شہادت ایک دم میں نحو وصرف کے بناوٹی قاعدہ کو رد کر دیتی ہے۔ ہمارے پر اللہ اور رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف ونحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیدیں کہ باوجودیکہ ہم پر کافی اور کامل طور پر کسی آیت کے معنے کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ صرف یا نحو کو ترک نہ کریں اس بدعت کے التزام کی ہمیں حاجت کیا ہے۔ کیا ہمارے لئے کافی نہیں کہ اللہ اور رسول اور صحابہ کرام ایک صحیح معنے ہم کو بتلاویں۔ نحو اور صرف کے قواعد اطراد بعد الوقوع ہے اور یہ ہمارا مذہب نہیں کہ یہ لوگ اپنے قواعد تراشی میں بکلی غلطی سے معصوم ہیں اور ان کی نظریں ان گہرے محاورات کلام الٰہی پر پہنچ گئی ہیں جس سے آگے تلاش اور تتبع کا دروازہ بند ہے میں جانتا ہوں کہ آپ بھی ان کو معصوم نہیں سمجھتے ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ [1] بھی آیت موجود ہے۔ لیکن کیا آپ نظیر کے طور پر کوئی قول عرب قدیم کا پیش کر سکتے ہیں جس میں بجائے ان ھذین کے ان ھذان لکھا ہو۔ کسی نحوی نے آج تک یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ ہم قواعد صرف ونحو کو ایسے کمال تک پہنچا چکے ہیں کہ اب کوئی نیا امر پیش آنا یا ہماری تحقیق میں کسی قسم کا نقص نکلنا غیر ممکن ہے۔ غرض التزام قواعد مخترعہ صرف ونحو کا حُجج شرعیہ میں سے نہیں۔ یہ علم محض از قبیل اطراد بعد الوقوع ہے اور ان لوگوں کی معصومیت پر کوئی دلیل شرعی نہیں مل سکتی۔ خواص علم لغت ایک دریا ناپیدا کنار ہے۔ افسوس کہ ہماری صرف ونحو کے قواعد مرتب کرنے والوں نے بہت جلد ہمت ہار دی اور جیسا کہ حق تفتیش کا تھا بجا نہیں لائے۔ اور کبھی انہوں نے ارادہ نہیں کیا اور نہ کر سکے کہ ایک گہری اور عمیق نظر سے قرآنی وسیع المفہوم الفاظ کو پیش نظر رکھ کر قواعد تامہ کاملہ مرتب کریں اور یوں ہی ناتمام اپنے کام کو چھوڑ گئے ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ ہم کسی طرح قرآن کریم کو ان کا تابع نہ ٹھہراویں بلکہ جیسے جیسے خواص وسیع المفہوم قرآن کریم کے الفاظ کے کھلنے چاہئیں اسی کے مطابق اپنی پرانی اور ناتمام نحو کو بھی درست کر لیں۔ یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر یک زبان ہمیشہ گردش میں رہتی ہے اور گردش میں رہے گی۔ جو شخص اب

[1] طٰہٰ: ۶۴

﴿۵۴﴾ ملکؔ عرب میں جا کر مشاہدہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ کس قدر پہلی زبانوں سے اب عربی زبان میں فرق آ گیا ہے یہاں تک کہ **اقعد** کی جگہ **اگد** بولا جاتا ہے ایسا ہی کئی محاورات بدل گئے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ جس زمانہ میں صرف ونحو کے قواعد مرتب کرنے کیلئے توجہ کی گئی وہ زمانہ کس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے فرق کر گیا تھا اور کیا کچھ محاورات میں تبدل واقعہ ہو گیا تھا۔ نحوی اور صرفی اس بات کے بھی تو قائل ہیں کہ باوجود ترتیب قواعد کے ایک حصہ کثیرہ خلاف قیاس الفاظ اور خلاف قیاس ترتیب الفاظ کا بھی ہے۔ جس کی حد ابھی غیر معلوم ہے جو ابھی تک کسی قاعدہ کے نیچے نہیں آ سکا۔ غرض یہ صرف اور نحو جو ہمارے ہاتھ میں ہے صرف بچوں کو ایک موٹی قواعد سکھلانے کیلئے ہے اس کو ایک رہبر معصوم تصور کر لینا اور خطا اور غلطی سے پاک سمجھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو بجز اللہ اور رسول کے کسی اور کو بھی معصوم قرار دیتے ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ نے ہمیں یہ فرمایا ہے فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ [1] یعنی اگر تم کسی بات میں تنازع کرو تو اس امر کا فیصلہ اللہ اور رسول کی طرف رد کرو۔ اور صرف اللہ اور رسول کو **حَکم** بناؤ نہ کسی اور کو۔ اب یہ کیونکر ہو سکے کہ ناقص العلم صرفیوں اور نحویوں کو اللہ اور رسول کو چھوڑ کر اپنا **حَکم** بنایا جائے۔ کیا اس پر کوئی دلیل ہے۔ تعجب کہ متبع سنت کہلا کر کسی اور کی طرف بجز سرچشمہ طیبہ مطہرہ اللہ رسول کے رجوع کریں۔ آپ کو یاد رہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف ونحو غلطی سے پاک ہیں یا بہمہ وجوہ متمم ومکمل ہیں۔ اگر آپ کا یہ مذہب ہے تو اس مذہب کی تائید میں تو کوئی آیت قرآن کریم پیش کیجئے یا کوئی حدیث صحیح دکھلایئے ورنہ آپ کی یہ بحث بے مصرف فضول خیال ہے حجت شرعی نہیں میں ثابت کرتا ہوں کہ اگر فی الحقیقت نحویوں کا یہی مذہب ہے کہ نون ثقیلہ سے مضارع خالص مستقبل کے معنوں میں آ جاتا ہے اور کبھی اور کسی مقام اور کسی صورت میں اس کے برخلاف نہیں ہوتا تو انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ قرآن کریم ان کی غلطی ظاہر کر رہا ہے اور اکابر صحابہ اس پر شہادت دے رہے ہیں۔ حضرت انسانوں کی اور کوششوں کی طرح نحویوں کی کوششیں بھی خطا سے خالی نہیں آپ حدیث اور قرآن کو چھوڑ کر کس جھگڑے میں پڑ گئے۔ اور اس خیال خام کی نحوست سے آپ کو تمام اکابر کی نسبت بدظنی کرنی پڑی کہ وہ سب تفسیر آیت لیؤمننّ بہٖ میں غلطی کرتے رہے ابھی میں انشاء اللہ القدیر آپ پر ثابت کروں گا کہ آیت لَیؤمننّ بہٖ آپ کے معنوں پر اس صورت میں **قطعیة الدلالت** ٹھہر سکتی ہے کہ ان سب بزرگوں کے **قطعیة الجہالت** ہونے پر فتویٰ لکھا جائے اور نعوذ باللہ نبی معصوم

[1] النساء: ٦٠

کو بھی ان میں داخل کر دیا جائے ورنہ آپ کبھی اور کسی صورت میں قطعیت کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے ﴿۵۵﴾
اور کوئی تقویٰ شعار علماء میں سے اس قطعیت کے دعوے میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوگا اور کیونکر شریک ہو۔ شریک تو تب ہو کہ بہت سے بزرگوں اور صحابہ کو جاہل قرار دیوے اور نبی صلعم پر بھی اعتراض کرے۔ سُبحانہٗ ھٰذا بُھتان عظیم۔

اب میں آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اکابر مفسرین نے اس آیت☆ کو حضرت عیسیٰ کے نزول کیلئے قطعیۃ الدلالت قرار دیا ہے یا کچھ اور ہی معنے لکھے ہیں۔ سو واضح ہو کہ کشّاف صفحہ ۱۹۹ میں لیؤمننّ بہٖ کی آیت کے نیچے یہ تفسیر ہے جملۃ قسمیۃ واقعۃ صفۃ لموصوف محذوف تقدیرہ وان من اھل الکتٰب ...... احد الّا لیؤمننّ قبل موتہ بعیسٰی وبانہ عبداللہ و رسولہ یعنی اذا عاین قبل ان تزھق روحہ حین لاینفعہ ایمانہ لانقطاع وقت التکلیف وعن شھر بن حوشب قال لی الحجاج اٰیۃ ما قرأ تھا الا تخالج فی نفسی شیء منھا یعنی ھٰذہ الآیۃ ...... انی أوتی بالاسیر من الیھود والنصارٰی فأضرب عنقہٗ فلا اسمع منہ ذالک فقلت ان الیھودی اذا حضرہ الموت ضربت الملا ئکۃ دبرہ ووجھہ وقالوا یاعدو اللہ اتاک عیسٰی نبیا فکذبت بہ فیقول آمنت انہ عبد نبی و تقول للنصرانی اتاک عیسیٰ نبیا فزعمت أنہ اللّٰہ أو ابن اللّٰہ فیؤمن أنہ عبداللہ و رسولہ .... و عن ابن عباس انہ فسرہ کذٰلک فقال لہ عکرمۃ فان أتاہ رجل فضرب عنقہ. قال لا تخرج نفسہ حتی یحرک بھا شفتیہ قال وان خرمن فوق بیت أواحترق أوأکلہ سبع قال یتکلم بھا فی الھواء ولا تخرج روحہ حتی یؤمن بہ و تدل علیہ قراءۃ اُبَیّ الا لیومننّ قبل موتھم بضمّ النون علی معنی وان منھم احد اِلّا سیؤمنون بہ قبل موتھم ...... وقیل الضمیران لعیسٰی بمعنی وان منھم احد اِلّالیومننّ بعیسٰی قبل موت عیسٰی و ھم اھل الکتٰب الذین یکونون فی زمان نزولہ ۔ روی أنہ ینزل ...... فی اٰخر الزمان فلا یبقٰی أحد من اھل الکتٰب اِلّایومن بہ حتی تکون الملّۃ واحدۃ وھی ملّۃ الاسلام ...... و قیل الضمیر فی بہ یرجع الی اللّٰہ تعالٰی وقیل الٰی محمدصلی اللّٰہ علیہ و سلم ۞ ۔

ترجمہ۔ یعنی لیؤمنن بہ جملہ قسمیہ ہے اور آیت موصوف محذوف کے لئے صفت ہے اور محذوف کو ملانے کے ساتھ اصل عبارت یوں ہے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسیٰ پر ایمان نہ لاوے اور نیز اس بات پر ایمان لاوے کہ وہ اللہ کا رسول اور اس کا بندہ ہے یعنی جس وقت جان کندن

☆ النساء:۱۶۰ ۞ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تفسیر الکشّاف کی عبارت تلخیصاً یہاں درج فرمائی ہے۔ (ناشر)

﴿۵۶﴾ کاؔ وقت ہو جب کہ ایمان بوجہ انقطاع وقت تکلیف کے کچھ نفع نہیں دیتا۔ اور شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ مجھے حجاج نے کہا کہ ایک آیت ہے کہ جب کبھی میں نے اس کو پڑھا تو اس کی نسبت میرے دل میں ایک خلجان گذرا یعنی یہی آیت اور خلجان یہ ہے کہ مجھے کتابی اسیر قتل کرنے کیلئے دیا جاتا ہے اور میں یہود یا نصاریٰ کی گردن مارتا ہوں اور میں اس کے مرنے کے وقت یہ نہیں سنتا کہ میں عیسٰی پر ایمان لایا۔ ابن حوشب کہتا ہے کہ میں نے اس کو کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ جب یہودیوں پر جان کندن کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دشمن خدا تیرے پاس عیسیٰ نبی آیا اور تو نے اس کی تکذیب کی پس وہ کہتا ہے کہ اب میں عیسیٰ پر ایمان لایا کہ وہ بندہ اور پیغمبر ہے اور نصرانی کو فرشتے کہتے ہیں کہ تیرے پاس عیسیٰ نبی آیا اور تو نے اس کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا تب وہ کہتا ہے کہ اب میں نے قبول کیا کہ وہ خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ اور ابن عباس سے روایت ہے کہ اس نے ایک موقعہ پر یہی تفسیر کی تب عکرمہ نے اس کو کہا کہ اگر ناگاہ کسی شخص کی گردن کاٹ دی جائے تو کس وقت اور کیونکر وہ عیسیٰ کی نبوت کا اقرار کرے گا۔ تب ابن عباس نے کہا کہ اس کی اس وقت تک جان نہیں نکلے گی جب تک اس کے لبوں پر کلمہ اقرار نبوت مسیح کا جاری نہ ہو لے پھر عکرمہ نے کہا کہ اگر وہ گھر کی چھت پر سے گرے یا جل جائے یا کوئی درندہ اس کو کھا لیوے تو کیا پھر بھی اقرار نبوت عیسیٰ کا اس کو موقعہ ملے گا تب ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ گرتے گرتے ہوا میں یہ اقرار کر دے گا۔ اور جب تک یہ اقرار نہ کر لے تب تک اس کی جان نہیں نکلے گی اور اسی پر دلالت کرتی ہے قراءت اُبی بن کعب کی۔ اَلّا لَیُؤْمِنَنَّ بہٖ قبل موتھم بِضَمِّ النُّون یعنی دوسری قراءت میں بجائے قبل موتہ کے قبل موتھم لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت موتہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے نہ حضرت عیسیٰ کی طرف۔ اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ دونوں ضمیریں بہٖ اور موتہٖ کی حضرت عیسیٰ کی طرف پھرتی ہیں جس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ کے نزول کے بعد تمام اہل کتاب ان کی نبوت پر ایمان لے آویں گے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ضمیر بہٖ کی اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ضمیر بہٖ کی پھرتی ہے۔

پھر نووی میں یہ عبارت لکھی ہے ذھب کثیرون بل اکثرون الی ان الضمیر فی اٰیۃ الا لیؤمننّ بہٖ یعود الی اھل الکتب ویؤیّد ھٰذا ایضًا قراء ۃ من قرأ قبل موتھم ۔ یعنی بہت سے

لوگ بلکہ نہایت کثرت سے لوگ اسی طرف گئے ہیں کہ آیت اِلّا لیؤمننّ بہٖ میں موتہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے اور اسی کی مؤید قراءت قبل موتھم ہے۔ ﴿۵۷﴾

پھر تفسیر مدارک میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے والمعنی مامن الیھود و النصارٰی احد الا لیؤمننّ قبل موتہ بعیسٰی وبانہ عبداللہ و رسولہ وروی ان الضمیر فی بہ یرجع الی اللّٰہ او الی محمد صلی اللہ علیہ و سلم و الضمیر الثانی الی الکتابی یعنی اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جو اپنی موت سے پہلے عیسٰی پر ایمان نہ لاوے اور اس کی رسالت اور عبدیت کو قبول نہ کرے اور یہ بھی روایت ہے کہ ضمیر بہٖ کی اللہ کی طرف پھرتی ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ ایسا ہی بیضاوی میں زیر آیت لیؤمننّ بہٖ یہ تفسیر کی ہے۔ والمعنٰی مامن الیھود و النصارٰی احد الا لیؤمننّ بان عیسٰی عبد اللہ و رسولہ قبل ان یموت .... ویؤیّد ذالک انہ قرئ الا لیؤمنن بہ قبل موتھم ...... وقیل الضمیران لعیسٰی یعنی اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ایسا کوئی نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسٰی پر ایمان نہ لاوے اور قبل موتھم کی قراءت انہیں معنوں کی مؤید ہے اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ دونوں ضمیریں عیسٰی کی طرف پھرتی ہیں۔

اور تفسیر مظہری کے صفحہ ۳۱۷ اور ۳۲۷ میں زیر آیت موصوفہ یعنی لیومنن بہ کے لکھا ہے۔ روی عن عکرمۃ ان الضمیر فی بہ یرجع الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقیل راجعۃ الی اللّٰہ عزّوجل والمآل واحد فان الایمان باللّٰہ لا یعتد مالم یؤمن بجمیع رسلہ والایمان بمحمد صلی اللّٰہ علیہ و سلم یستلزم الایمان بعیسٰی علیہ السلام ... قبل موتہٖ ای قبل موت ذالک الاحد من اھل الکتٰب عند معائنۃ ملائکۃ العذاب عند الموت حین لاینفعہ ایمانہ۔ ھذا روایۃ علی بن طلحۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال فقیل لابن عباس أَرَأَیْتَ ان خرمن فوق بیت قال یتکلم (بہ) فی الھواء فقیل أَرَأَیْتَ ان ضرب عنقہ قال تلجلج لسانہ والحاصل انہ لایموت کتابی حتی یومن باللّٰہ عزّوجل وحدہ لاشریک لہ وان محمدا صلی اللہ علیہ و سلم عبدہ و رسولہ وان عیسی عبداللہ و رسولہ قیل یومن الکتابی فی حین من الاحیان ولو عند معاینۃ العذاب .... وقال الضمیران لعیسٰی والمعنی انہ اذا نزل ... امن بہ اھل الملل اجمعون ولایبقٰی احد الا لیومننّ بہٖ وھٰذا التاویل مروی عن ابی ھریرۃ

لٰکنّ کونہ مستفادًا من ھذہ الاٰیۃ و تأویل الاٰیۃ بارجاع الضمیر الثانی الی عیسٰی ﴿۵۸﴾
ممنوع انماھوزعم من ابی ھریرۃ لیس ذٰلک فی شیءٍ من الاحادیث المرفوعۃ و کیف یصح ھذا التاویل مع ان کلمۃ ان من اھل الکتاب شامل للموجودین فی زمن النبی صلی اللہ علیہ و سلم البتۃ سواء کان ھٰذا الحکم خاصًا بھم اولا فان حقیقۃ الکلام للحال ولا وجہ لان یراد بہٖ فریق من اھل الکتاب یوجدون حین نزول عیسٰی علیہ السلام فالتأویل الصحیح ھوالاول و یؤیدہ قراء ۃ اُبَی بن کعب اخرج ابن المنذرعن ابی ھاشم و عروۃ قالا فی مصحف ابی بن کعب وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتھم۔

ترجمہ۔عکرمہ سے روایت ہے آیت لیؤ منن بہٖ میں ۔بہٖ کی ضمیر حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہ کی طرف راجع ہے اور مآل واحد ہے کیونکہ ایمان باللہ معتبر نہیں جب تک تمام رسولوں پر ایمان نہ لایا جائے اور محمد مصطفٰی صلعم پر ایمان لانا عیسٰی پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔اور قبل موتہٖ کی یہ تفسیر ہے کہ ہر ایک کتابی اپنی موت سے پہلے عذاب کے فرشتوں کے دیکھنے کے بعد رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے گا جب کہ اس کو ایمان کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ یہ علی بن طلحہ کی روایت ابن عباس سے ہے رضی اللہ عنہما۔علی بن طلحہ کہتا ہے کہ ابن عباس کو کہا گیا کہ اگر کوئی چھت پر سے گر پڑے تو پھر وہ کیونکر ایمان لائے گا۔ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ ہوا میں اس اقرار کو ادا کرے گا پھر پوچھا گیا کہ اگر کسی کی گردن ماری جاوے تو وہ کیونکر ایمان لاوے گا تو ابن عباس نے کہا کہ اس وقت بھی اس کی زبان میں اقرار کے الفاظ جاری ہو جائیں گے۔حاصل کلام یہ کہ کتابی نہیں مرے گا جب تک اللہ جلّ شانہٗ اور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسٰی پر ایمان نہ لاوے بعض کہتے ہیں کہ کتابی فی حین من الاحیان ایمان لائے گا اگرچہ عذاب کے معائنہ کے وقت ہو اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں ضمیریں عیسٰی کی طرف پھرتی ہیں۔اور یہ معنے لیتے ہیں کہ جب عیسٰی نازل ہوگا تو تمام اہلِ مِلل اس پر ایمان لے آئیں گے اور کوئی منکر باقی نہیں رہے گا اور یہ تاویل ابوہریرہ سے مروی ہے لیکن آیت لیومننّ بہٖ سے یہ معنے جو ابوہریرہ نے خیال کئے ہیں ہرگز نہیں نکلتے اور قبل موتہٖ کی ضمیر عیسٰی کی طرف کسی طرح پھر نہیں سکتی یہ صرف ابوہریرہ کا گمان ہے۔احادیث مرفوعہ میں اس کا کوئی اصل صحیح نہیں پایا جاتا اور کیونکر یہ تاویل صحیح ہوسکتی ہے باوجودیکہ کلمہ اِنْ موجودین کو بھی تو شامل ہے یعنی ان

اہلِ کتاب کو جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں موجود تھے۔ خواہ یہ کلمہ انہیں سے خاص ہو یا خاص نہ ہو ﴿۵۹﴾
لیکن حقیقت کلام کا مصداق ٹھہرانے کیلئے حال سب زمانوں سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے اور کوئی وجہ
اس بات کی نہیں پائی جاتی کہ کیوں وہی اہل کتاب خاص کئے جائیں جو حضرت عیسیٰ کے نزول کے
وقت موجود ہوں گے پھر صحیح تاویل وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی ضمیر بہٖ کی عیسیٰ کی طرف
نہیں پھرتی بلکہ کتابی کی طرف پھرتی ہے اور اسی کے قراءت ابی بن کعب مؤید ہے جس کو ابن المنذر
نے ابی ہاشم سے لیا ہے اور نیز عُروہ سے بھی۔ اور وہ قراءت یہ ہے۔ وان من اھل الکتب الا
لیؤمننّ بہٖ قبل موتھم ۔ یعنی اہل کتاب اپنی موت سے پہلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ پر
ایمان لاویں گے۔ اسی کے قریب قریب ابن کثیر اور تفسیر کبیر اور فتح البیان و معالم التنزیل وغیرہ
تفاسیر میں لکھا ہے۔ اب دیکھئے کہ حضرت عکرمہ اور حضرت ابن عباس اور علی بن طلحہ رضی اللہ عنہم یہی
تأویل لیؤمننّ بہٖ کی کرتے ہیں کہ پہلی ضمیر محمد مصطفیٰ صلعم اور عیسیٰ کی طرف پھرتی ہے اور دوسری
ضمیر قبل موتہٖ اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے اور قراءت قبل موتھم کس قدر وثوق سے ثابت
ہوتی ہے پھر باوجودیکہ یہ تاویل صحابہ کرام کی طرف سے ہے اور بلاشبہ قراءت شاذہ حدیث صحیح کا حکم
رکھتی ہے مگر آپ اس کو نظر انداز کر کے اور نحوی قواعد کو اپنے زعم میں اس کے مخالف سمجھ کر تمام بزرگ
اور اکابر قوم اور صحابہ کرام کی صریح ہجو اور توہین کر رہے ہیں گویا آپ کے نحوی قواعد کی صحابہ کو بھی
خبر نہیں تھی اور ابن عباس جیسا صحابی جس کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فہم قرآن کی دعا
بھی ہے وہ بھی آپ کے ان عجیب معنوں سے بے خبر رہا۔ آپ پر قراءت قبل موتھم کا بھی
وثوق کھل گیا ہے اب فرض کے طور پر اگر قبول کر لیں کہ ابن عباس اور علی بن طلحہ اور عکرمہ وغیرہ صحابہ
ان معنوں کے سمجھنے میں خطا پر تھے اور قراءت اُبَیّ بن کعب بھی یعنی قبل موتھم کامل درجہ پر ثابت
نہیں تو کیا آپ کے دعویٰ قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیؤمننّ بہٖ پر اس کا کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ کیا
وہ دعوے جس کے مخالف صحابہ کرام بلند آواز سے شہادت دے رہے ہیں اور دنیا کی تمام مبسوط
تفسیریں باتفاق اس پر شہادت دے رہی ہیں اب تک قطعیۃ الدلالت ہے۔ یا أخی اتّق اللّٰہ۔
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْــُٔوْلًا [۱] اور جب ان روایتوں کے ساتھ وہ روایتیں بھی ملا دیں جن میں انّی متوفّیک کے
معنے ممیتک لکھے ہیں جیسے ابن عباس کی روایت اور وہب اور محمد بن اسحاق کی روایت کے کوئی
ان میں سے عام طور پر حضرت مسیح کی موت کا قائل ہے اور کوئی کہتا ہے کہ تین گھنٹہ تک مر گئے تھے

[۱] بنی اسرائیل : ۳۷

﴿۶۰﴾ اور کوئی سات گھنٹہ تک ان کی موت کا قائل ہے اور کوئی تین دن تک جیسا کہ فتح البیان اور معالم التنزیل اور تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر سے ظاہر ہے تو پھر اس صورت میں اس وہم کی اور بھی بیخ کنی ہوتی ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے۔ غرض آپ کا نور قلب شہادت دے سکتا ہے کہ جس قدر میں نے لکھا ہے آپ کے دعوے **قطعیۃ الدلالت** کے توڑنے کیلئے کافی ہے **قطعیۃ الدلالت** اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال پیدا نہ ہو سکے مگر آپ جانتے ہیں کہ اکابر صحابہ اور تابعین کے گروہ نے آپ کے معنے قبول نہیں کئے اور مفسرین نے جا بجا اس آپ کی تاویل کو **قِیۡلَ** کے لفظ سے بیان کیا ہے جو ضُعف روایت پر دلالت کرتا ہے۔ عام رائے تفسیروں کی یہی پائی جاتی ہے کہ قراءت **قبل موتھم** کے موافق معنے کرنے چاہیے اور ضمیر **بہٖ** کا نہ صرف حضرت عیسیٰ کی طرف بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ **جلّ شانہٗ** کی طرف پھیرتے ہیں۔ اب آپ کی رائے کی قطعیت کیونکر باقی رہ سکتی ہے۔ برائے خدا خوف الٰہی کو ہاتھ سے نہ دیں آپ کے منہ کی طرف صدہا آدمی دیکھ رہے ہیں اس زمانہ میں تمام لوگ اندھے نہیں فریقین کے بیانات شائع ہونے کے بعد پبلک خود فیصلہ کرلے گی لیکن جن لوگوں کے دلوں پر آپ کی رائے کا اثر پڑے گا اس کے ذمہ دار اور اس کے مؤاخذہ کے جوابدہ آپ ٹھہریں گے۔ اور میں نے جو آپ کے قاعدہ نون ثقیلہ کا نام جدید رکھا تو اس کی یہی وجہ ہے کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ تسلیم کرلیا جائے تو نعوذ باللہ بقول آپ کے ابن عباس جیسے صحابی کو جاہل و نادان قرار دینا پڑتا ہے اور قراءت **قبل موتھم** کو خواہ نخواہ افترا قرار دینا پڑے گا اور آپ کے نحویوں کو معصوم عن الخطا ماننا پڑے گا آپ تو اللہ رسول کے متبع تھے۔ سیبویہ اور خلیل کے کب سے متبع ہو گئے اب میں آپ کے اقوال باقی ماندہ کو بطرز قولہ اقول کے رد کرتا ہوں۔

قولہ ایسے معنے کرنا فاسد ہے کہ یہ کہا جائے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا کیونکہ یہ معنے نفس الامر میں تینوں زمانوں پر شامل ہیں۔

اقول جب کہ یہ معنی ابن عباس اور عکرمہ اور علی بن طلحہ وغیرہ صحابہ و تابعین کرتے ہیں اور قرآن ابی بن کعب انہی معنوں کے مطابق ہے تو کیا آپ کا یہ نحوی قاعدہ ان اکابر کو جاہل قرار دے سکتا ہے اور کیا صدہا مفسرین بلکہ ہزارہا جو اب تک یہ معنے کرتے آئے وہ جاہل مطلق اور آپ کی نحو سے غافل تھے۔ جب تک ان ہزاروں اکابر کا نام آپ قطعی طور پر جاہل نہ قرار دے دیں

تبؔ تک آپ کے یہ معنے جس میں آپ منفرد ہیں کیونکر قطعی بن سکتے ہیں کوئی مبسوط تفسیر تو پیش کرو جو ان معنوں سے خالی ہے یا جس نے ان معنوں کو سب سے مقدم رکھا۔ تیرہ سو برس کی تفسیریں اکٹھی کرو اوران پر نظر ڈال کر دیکھو کیا کوئی بھی آپکی طرح ان معنوں کو ناجائز ٹھہراتا ہے بلکہ سب کے سب آپ ہی کے معنوں کو خفیف ٹھہراتے ہیں۔ **قولہ** قبل موتھم کی قراءت پر بھی معنے دوم صحیح نہیں ہوتے اور یہ قراءت ہمارے معنے کے مخالف بھی نہیں ہے کیونکہ اس قراءت پر یہ معنے ہونگے کہ ہریک اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں مسیح پر ایمان لائے گا اور یہ معنے معنے اوّل کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول مسیح مراد لیا جاوے گا۔ **اقول** حضرت اس قراءت سے مسیح ابن مریم کی زندگی کیونکر اور کہاں ثابت ہوئی آپ تو قبل موتہٖ کی ضمیر سے مسیح کی زندگی ثابت کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ مسیح کی موت سے پہلے لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے اب جب کہ قبل موتہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھیری گئی تو مسیح کی زندگی جس کا ثابت کرنا آپکا مدعا تھا کہاں اور کن الفاظ سے ثابت ہوئی مجرد ایمان لانے میں تو بحث نہیں بحث تو اس امر میں ہے کہ مسیح ابن مریم زندہ ہے یا نہیں۔ **قولہ** قراءت قبل موتھم غیر متواترہ ہے۔ **اقول** ہم نے تفاسیر معتبرہ کے ذریعہ سے اس کی سند پیش کر دی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی کے موافق کہتے ہیں جمہور علماء کا اسی کو مقدم رکھتا آیا ہے یعنے اسی کے مطابق معنے کرتا چلا آیا ہے۔ پس اسی قدر ثبوت آپکے دعوے قطعیۃ الدلالت توڑنے کیلئے کافی ہے بھلا اگر آپ حق پر ہیں تو تیرہ سو برس کی تفسیروں میں سے کوئی ایسی تفسیر تو پیش کیجئے جو ان معنوں کی صحت پر معترض ہو تفسیر مظہری کا بیان آپ سن چکے ہیں۔ الہامی معنے جو میں نے کئے ہیں وہ درحقیقت ان معنوں کے معارض نہیں اگر چہ وہ بجائے خود ایک معنے ہیں چونکہ آیت ذوالوجوہ ہے اس لئے جب تک سخت تعارض نہ ہو ہریک معنی قبول کے لائق ہیں۔ ﴿۶۱﴾

قولہ آیت فلنولینّک میں☆ پڑھنے سے یہ مراد نہیں کہ ہم تجھ کو ہاتھ پکڑ کر قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم تجھ کو قبلہ کی طرف پھیرنے کا حکم کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب و شاہ رفیع الدین صاحب و شاہ عبد القادر صاحب نے ترجمہ اس لفظ کا بمعنی مستقبل کیا ہے۔ مگر مستقبل قریب ہے۔

اقول ۔ آپ اس بات کے تو قائل ہو گئے کہ یہ مستقبل بعید نہیں ہے بلکہ قریب ہے اور ایسا قریب کہ ایک طرف حکم ہوا اور ساتھ ہی اس کے عمل بھی ہو گیا تو گویا آپ ایک صورت سے ہمارے بیان کو مان گئے کیونکہ ہمارے نزدیک حال کسی ٹھہرنے والے زمانہ کا نام نہیں اور نہ زمانہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ٹھہر سکے بلکہ وقت

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے’’ میں ‘‘ زائد ہے۔ (ناشر)

مقدار غیر قار کا نام ہے۔ پھر حال اپنے حقیقی معنوں کے رو سے کیونکر متحقق ہو کیونکہ جب زمانہ غیر قار ﴿۶۲﴾
ہے تو ماضی کے بعد ہر دم استقبال ہی استقبال ہے لیکن جب حال بولا جاتا ہے تو اس کے معنے ہرگز حقیقی نہیں لئے جاتے۔ کیونکہ حقیقی معنوں کا مراد رکھنا محال ہے اس وقت تک کہ ہم حال کا لفظ زبان پر جاری کریں کئی باریک حصے زمانہ کے گذر جاتے ہیں پھر حال کا وجود کہاں اور کیونکر متحقق ہے بلکہ حال سے مراد مجازی طور پر وہ زمانہ لیا جاتا ہے جو ہماری نظر کے سامنے واقع ہے جو کسی دوسرے حصہ زمانہ میں تصور نہیں کیا گیا۔ اس صورت میں تو ہماری اور آپ کی نزاع لفظی ہی نکلی اور جس زمانہ کا نام ہم حال رکھتے ہیں اسی کا نام آپ نے مستقبل قریب رکھ لیا۔ اور اس اتفاق رائے سے ہمارا مدعا ثابت ہو گیا۔ ہاں اگر آپ کے نزدیک کوئی زمانہ حقیقی معنوں کے رو سے بھی حال ہے۔ تو پہلے مہربانی فرما کر وقت کی تعریف فرمائیے میں تو ابتدا سے یہ سنتا آیا ہوں کہ وقت کی تعریف یہی ہے کہ **الوقت مقدار غیر قار**۔ یعنے وقت اسی مقدار کا نام ہے جس کو ذرہ قرار نہیں اب جب کہ وقت کو قرار نہیں تو حقیقی طور پر حال کیونکر پیدا ہوا۔ آپ سوچ کر جواب دیں اور شاہ ولی اللہ وغیرہ صاحبوں کا ترجمہ جو آپ نے پیش کیا ہے یہ ہمارے کچھ مضر نہیں۔ جب آپ خود مستقبل قریب کے قائل ہو گئے اسی طرح وہ بھی قائل ہیں اور آیت وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ [1] میں وہی ہماری طرف سے جواب ہے جو اس میں جواب ہے۔ **قولہ** آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [2] استمراری معنے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس جگہ عادت مستمرہ کا بیان کرنا مقصود نہیں یہ تو صرف وعدہ ہے اور امر موعود وعدہ کے بعد متحقق ہوتا ہے۔ **اقول**۔ یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ ہے بلکہ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ یہ وعدہ آنے والے لوگوں کیلئے ہی خاص ہے اور اس نعمت سے وہ لوگ بے نصیب ہیں جو پہلے گذر چکے ہیں یا حال میں مجاہدہ میں لگے ہوئے ہیں حضرت یہ وعدہ بھی استمراری ہے جو ازمنہ ثلاثہ پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ ضد نہ کیجئے اور خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس کے اس قانون قدرت سے جو مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت مترتب ہوتی ہے محروم تصور نہ فرمائیے ورنہ مطابق آپ کے معنوں کے ہر یک زمانہ جو حال کے نام پر موسوم ہو گا اس نعمت سے بکلی محروم قرار دینا پڑے گا مثلاً ذرا غور کر کے دیکھئے کہ اس آیت کو نازل ہوئے تیرہ سو برس گذر گیا ہے اور کچھ شک نہیں کہ برطبق مضمون اس آیت کے ہر یک جو اس عرصہ میں مجاہدہ کرتا رہا ہے وہ وعدہ **لنھدینّھم** سے حصہ مقسومہ لیتا رہا ہے اور اب بھی لیتا ہے اور آئندہ بھی لے گا پھر آپ اس آیت کے استمراری معنوں سے جو ازمنہ ثلاثہ پر اپنا اثر ڈالتی چلی آئی ہے

[1] طٰہٰ : ۹۸ [2] العنکبوت: ۷۰

کیونکر منکر ہوتے ہیں یہی میرا بیان باقی آیات پیش کردہ میری کے متعلق ہے۔علیحدہ لکھنے کی حاجت نہیں پبلک خود فیصلہ کرلے گی اور یاد رکھنا چاہئے یہ ترجمے کوئی توفیقی نہیں ہیں☆ آپ کے نون ثقیلے ہرگز آپ کو وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے جس کی آپ کو خواہش ہے۔ **قولہ** حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد اوران کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا ضرور ہوگا کہ اس وقت اہل کتاب سب مسلمان ہو جائیں گے۔ **اقول** حضرت آپ کیوں تکلفات رکیکہ کررہے ہیں آپ کے ان تکلفات کو کون تسلیم کرے گا قرآن کریم اس بات کا گواہ ہے کہ سلسلہ کفر کا بلافصل قیامت کے دن تک قائم رہے گا اور یہ کبھی نہیں ہوگا کہ سب لوگ ایک ہی مذہب پر ہوجائیں اور اختلاف کفر اور ایمان اور بدعت اور توحید کا درمیان سے اُٹھ جائے چنانچہ اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ضروری الوجود انسانوں کی فطرت کیلئے قرار دیتا ہے اور کفر کا تخم قیامت تک قائم رہنے کیلئے یہ آیات **صریحۃ الدلالت** ہیں جو پہلے پرچہ میں لکھ چکا ہوں یعنے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ [1] اور آیت فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ [2] اب دیکھئے کہ ان آیات سے ہی آپ کا دعویٰ **قطعیۃ الدلالت** ہونا آیت **لیؤمننّ بہٖ** کا کس قدر باطل ثابت ہوتا ہے ہر یک طرف سے آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی آپ پر زَد ہے پھر بھی آپ اس خیال کو نہیں چھوڑتے۔آپ نے جب دیکھا کہ مسیح کے دم سے بہت لوگ کفر پر مریں گے تو آپ پہلے دعوے سے کھسک گئے لیکن آیات موصوفہ بالا سے آپ کسی طرح پیچھا چھڑا نہیں سکتے۔آپ نے جو اس بارے میں جواب دیا ہے خود منصف لوگ دیکھیں گے حاجت اعادہ کی نہیں۔ **قولہ** آپ پر واجب ہے کہ آپ ثابت کریں کہ حلیم کے لفظ سے جوان مضبوط کیونکر سمجھا جاتا ہے۔ **اقول** حضرت حلیم وہ ہے جو **یبلغ الحلم** کا مصداق ہو اور جو حلم کے زمانہ تک پہنچے وہ جوان مضبوط ہی ہوتا ہے۔کیونکہ خورد سال کے کچے اعضا شدت اور صلابت کے ساتھ بدل جاتے ہیں قاموس بھی ملاحظہ ہو اور **کشّاف** وغیرہ بھی اور بالغ عاقل کیلئے بھی یہی لفظ آیا ہے۔ **قولہ** **انّی متوفّیک** میں موت مراد ہونا غیر مسلّم ہے۔ **اقول** غیر مسلّم ہے تو میرے اشتہار ہزار روپیہ کا جواب دیجئے جو ازالہ اوہام کے آخر میں ہے۔ کیونکہ اس اشتہار میں غیر مسلّم ثابت کرنے والے کیلئے ہزار روپیہ انعام کا وعدہ ہے۔ **قولہ** نزول عیسیٰ ابن مریم سے آپ کو انکار ہے۔ **اقول** جب کہ عیسیٰ ابن مریم کی حیات ثابت نہیں ہوتی اور موت ثابت ہو رہی ہے۔تو عیسیٰ کے حقیقی معنے کیونکر مراد ہو سکتے ہیں۔ **واطلاق اسم الشیء علٰی ما**

﴿۶۳﴾

☆ یہاں کسی قدر عبارت نقل کے وقت چھوٹ گئی ہے۔مطابق ایڈیشن اوّل شائع کردہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ۔(ناشر)

[1] ال عمران : ۵۶ [2] المائدۃ: ۱۵

﴿۶۴﴾ یشابهه فی اکثر خواصه و صفاته جائز حسن تفسیر کبیر صفحہ ۶۸۹ جب آپ حیات مسیح کو ثابت کر دکھائیں گے تو پھر ان کا نزول بھی مانا جائے گا ورنہ بخاری میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے اس سے مراد اس کا کوئی مثیل لیا گیا ہے۔ **قولہ** آپ بخاری کی وہ حدیث مرفوع متصل بیان فرمایئے جس سے مسیح ابن مریم کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ **اقول** میں تو وہ حدیث ازالہ اوہام میں لکھ چکا اور آخری پرچہ میں تنزلًا ثبوت وفات کے وقت وہ حدیث بھی لکھوں گا ابھی تو دیکھ رہا ہوں کہ آپ مسیح کی حیات کے بارے میں کون سی آیت قطعیة الدلالت پیش کرتے ہیں افسوس کہ اب تک آپ کچھ پیش نہ کر سکے۔

فقط مرزا غلام احمد

پرچہ نمبر (۳)

مولوی محمد بشیر صاحب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حامدًا مصلّیًا مسلّمًا

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ[1].

قولہ۔ میں کہتا ہوں کہ اس بات کو ادنیٰ استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بار ثبوت کسی امر متنازع فیہ کی نسبت اس فریق پر ہوا کرتا ہے کہ جو ایک امر کا کسی طور سے ایک مقام میں اقرار کر کے پھر کسی دوسری صورت اور دوسرے مقام میں اسی امر قبول کردہ کا انکار کر دیتا ہے۔

اقول۔ یہاں کلام ہے بچند وجوہ اول یہ کہ آپ قبل ادعاء مسیحیت براہین احمدیہ میں اقرار حیات مسیح کا کر چکے ہیں اور اب آپ حیات کا انکار کرتے ہیں تو موافق اپنی تعریف کے آپ مدعی ٹھہرے دوم خاکسار آپ سے ایک سوال کرتا ہے ایمانًا اس کا جواب دیجئے وہ یہ ہے کہ آپ کا یہ خیال کہ مسیح علیہ السلام وفات پا چکے بعد آپ کے اس الہام کے پیدا ہوا ہے کہ مسیح فوت ہو گیا یا قبل اسکے اگر بعد پیدا ہوا ہے تو گویا یہ کہنا ہوا کہ الہام سے پہلے میرا اس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا اور یہ میرا دعویٰ نیا ہے جو وقت الہام کے پیدا ہوا سو اس وجہ سے آپ مدعی ہوئے اور ثبوت آپ کے ذمہ ہوا کہ آپ بعد اس اقرار کے کہ الہام سے پہلے مجھ کو اس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا پھر مخالف اپنے اس پہلے بیان

[1] ال عمران : ۹

﴿۶۵﴾ کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وقت الہام سے مجھ کو یہ خیال ہے کہ مسیح فوت ہو گیا پس اسی وجہ سے آپ سے ثبوت مانگا جاتا ہے کہ آپ اپنے پہلے بیان کے مخالف دوسرا بیان کرتے ہیں اور اس دعوے میں ایک جدّت ہے جسکے آپ خود قائل ہیں اور اگر قبل سے یہ خیال تھا تو اس خیال کا یقین قانون قدرت یعنی سنت اللہ و آیات قرآن کریم سے آپ کو حاصل ہو گیا تھا یا نہیں ۔ بر تقدیر اوّل آپ نے قبل الہام مذکور براہین وغیرہ میں اسکو کیوں نہیں ظاہر فرمایا اور اپنے پرانے باطل خیال پر باوجود یقین بطلان کے کیوں اڑے رہے اور بر تقدیر ثانی بعد الہام کے اس خیال کا یقین آپ کو حاصل ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو صرف ایک ظنی یا شکی یا وہمی بات پر اصرار خلاف دیانت ہے اور اگر بعد الہام کے یقین اس خیالی وفات کا آپکو حاصل ہوا تو ظاہر ہے کہ مفید یقین اس وقت آپکا الہام ہوا نہ سنت اللہ و آیات قرآن کریم اور آپکا ملہم ہونا ابھی تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا اس تقدیر پر آپ پر واجب ہے کہ پہلے اپنا ملہم ہونا ثابت کیجئے پھر ہر الہام کا حجت ہونا ملہم و غیر ملہم پر ثابت کیجئے بعد اثبات ان دونوں امر کے دعویٰ وفات مسیح اور اپنے مسیح موعود ہونے کا پیش کیجئے بغیر اسکے آپکا دعویٰ وفات مسیح و مسیح موعود ہونے کا عند العقلاء ہرگز لائق سماعت نہیں ہے ۔ سیوم اس مقام پر نصوص قرآنیہ قطعی طور پر وفات مسیح پر دلالت کرتی ہیں یا نہیں بر تقدیر ثانی آپکا انکو صریحہ بینہ قطعیہ کہنا باطل ہے اور بر تقدیر اول لازم آتا ہے کہ آپکے نزدیک وہ سب صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور تمام مسلمین الٰی یومنا جو حیات مسیح کے قائل ہیں **اعاذنا اللّٰہ منہ** کافر ہوں اور آپ خود بھی جس زمانہ میں اعتقاد حیات مسیح کا رکھتے تھے کافر ہوں ۔ کیونکہ منکر نصوص صریحہ بینہ قطعیہ کا کافر ہوتا ہے ۔ چہارم آپ نے جو تعریف مدعی کی بیان کی ہے یہ محض اپنی رائے سے بیان کی ہے یا کوئی دلیل کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اس کیلئے ہے یہ نہ سہی کوئی قول کسی صحابی یا تابعی یا کسی مجتہد یا کسی محدث یا فقیہ کا اسکے ثبوت کیلئے پیش کیجئے ۔ پنجم یہ تعریف مدعی کی مخالف ہے اسکے جسکو علماء مناظرہ نے لکھا ہے ۔ رشیدیہ میں ہے **والمدعی من نصب نفسہ لاثبات الحکم ای تصدی لان یثبت الحکم الجزی الذی تکلم بہ من حیث انہ اثبات بالدلیل او التنبیہ** مولانا عصام الملۃ والدین نے شرح رسالہ عضدیہ میں لکھا ہے **المدعی من یفید مطابقۃ النسبۃ للواقع** اور یہ دونوں تعریفیں آپ پر صادق آتی ہیں اور آپکی تعریف مخالف ہے ان دونوں تعریفوں کے ۔ **(قولہ)** معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولوی صاحب نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ ہم حیات جسمانی مسیح ابن مریم آیات **قطعیۃ الدلالت** سے پیش کریں گے لیکن بحث کے وقت اس دعویٰ سے ناامیدی پیدا ہو گئی اسلئے اب اس طرف رخ کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی ثابت کرنا ہمارے ذمہ نہیں ۔

﴾۶۶﴿ (اقــول) یہ آپ کا سوءظن ہے اور ہر مسلم مامور ہے اپنے بھائی کے ساتھ حسن ظن کرنے کیلئے چہ جائیکہ آپ سا شخص مدعی الہام و مجددیت و مسیحیت آپ کو بالاولیٰ حسن ظن چاہئے میں نے صرف ایک امر نفس الامری کا اظہار کر دیا ورنہ میں تو بار ثبوت حیات اپنے ذمہ لے چکا ہوں اور اس کا ثبوت ایک قاعدہ نحویہ اجماعیہ کی بناء پر آپ کے روبرو پیش کیا گیا مگر افسوس کہ آپ نے اس قاعدہ اجماعیہ کے انکار میں کچھ حیاء کو کام نہ فرمایا اب میں اس قاعدہ سے قطع نظر کر کے عرض کرتا ہوں۔ بفضلہٖ تعالیٰ میرا دعویٰ حیات مسیح آپ کے اقرار سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ آپ نے توضیح المرام وازالۃ الاوہام میں اس امر کا اقرار کیا ہے کہ ضمیر موتہٖ کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے راجع ہے اب آپ کو چاہئے قاعدہ نحویہ اجماعیہ کو مانئے یا نہ مانئے ہر طرح میرا مدعا ثابت ہے کیونکہ یا تو آپ لیؤمننّ کو بمعنے استقبال لیجئے گا یا بمعنے حال یا بمعنی استمرار یا بمعنی ماضی۔ شق اول میں تو میرے مطلوب کا حاصل ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔ شق ثانی اول تو بدیہی البطلان ہے سوا اس کے مطلوب میرا اس سے بھی حاصل ہے کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نزول آیت میں سب اہل کتاب حضرت عیسیٰ عــم پر قبل ان کی موت کے ایمان لاتے تھے پس معلوم ہوا کہ زمان نزول آیت تک زندہ تھے اور رفع یقیناً اس سے پہلے ہوا تو معلوم ہوا کہ زندہ اٹھائے گئے **وھو المطلوب**۔ شق ثالث اول تو بدیہی البطلان ہے سوا اس کے اس شق مدعا کا ثبوت پر شق اول سے بھی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس تقدیر پر یہ معنے ہوں گے کہ سب اہل کتاب زمانہ گزشتہ وحال واستقبال میں حضرت عیسیٰ پر ان کے مرنے سے پہلے ایمان لاتے ہیں پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ ماضی وحال میں زندہ تھے اور استقبال میں بھی ایک زمانہ تک زندہ رہیں گے رفع کے وقت زندہ تھے رابع باطل ہے اسلئے کہ ایسا مضارع کہ اس کے اول میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید ہو بمعنی ماضی کہیں نہیں آیا۔ آپ قواعد نحو کو مانتے ہی نہیں ہیں ایسے مضارع کا بمعنی ماضی آنا قرآن یا حدیث صحیح سے ثابت کیجئے **ودونہٗ خرط القتاد** افسوس کہ آپکو جب الزام موافق قواعد نحویہ اجماعیہ کے دیا جاتا ہے تو اسکو آپ تسلیم نہیں کرتے اور اگر آپکے مسلمات سے آپکو الزام دیا جاتا ہے تو بھی آپ قبول نہیں کرتے یہ امر اول دلیل ہے اس بات پر کہ آپکو احقاق حق اور اظہار صواب ملحوظ نظر نہیں ہے۔ **قولہ** پھر اس کے بعد آپ نے نصوص صریحہ بینہ قرآن وحدیث سے نوامید ہو کر دوبارہ آیت لیؤمننّ کے نون ثقیلہ پر زور دیا ہے۔ **اقول** خود آیت **وان من اھل الکتاب** صریح وبین ہے۔ اور نون ثقیلہ کا بمعنی استقبال کر دینا اس کے قطعیت میں مخل نہیں ہے۔ **قولہ** اور جمہور مفسرین صحابہ اور تابعین سے تفرد اختیار کر کے محض اپنے خیال خام کی وجہ سے اس بات پر زور دیا ہے

کہ آیت بوجہ نون ثقیلہ کے خالص استقبال کیلئے ہوگئی ہے۔ **اقول** یہ قول غلط محض ہے جمہور مفسرین ﴿۶۷﴾
صحابہ اور تابعین نے اس آیت کو ہرگز بمعنی حال یا استمرار نہیں لیا ہے اگر سچے ہو تو ثابت کرو رہی یہ بات کہ بعض مفسرین نے ضمیر کتابی کی طرف راجع کی ہے اس سے معنی حال یا استمرار لینا کسی طرح لازم نہیں آتا ہے سوائے آپ کے کوئی اہل علم ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتا علاوہ ازیں اس تقدیر پر بھی استقبال ہوسکتا ہے جیسا کہ آپ پہلی تحریر میں اقرار کر چکے ہیں۔ **قولہ** ان معنوں پر زور دینے کے وقت آپ نے اس شرط کا کچھ خیال نہیں رکھا جو پہلے ہم دونوں کے درمیان قرار پاچکی تھی کہ **قال اللّٰہ وقال الرسول** سے باہر نہیں جائیں گے۔ **اقول** ایک قاعدہ نحویہ اجماعیہ کو **قال اللّٰہ** میں جاری کرنا **قال اللّٰہ** سے کسی کے نزدیک خارج ہونا نہیں یہ صرف آپ کا اجتہاد ہے جس کا کوئی ثبوت آپ نہیں دے سکتے بلکہ یہ خروج بقول آپ کے آپ پر لازم آ گیا کیونکہ آپ خود ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۲ میں اسکے مرتکب ہوئے ہیں عبارت آپ کی یہ ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ آیت **فلما توفیتنی** سے پہلے یہ آیت ہے وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ[1] الخ ظاہر ہے کہ **قال** کا صیغہ ماضی کا ہے اور اسکے اوّل **اذ** موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے انتہیٰ۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ[2]۔ **قولہ** اور نہ ان بزرگوں کی عزت و مرتبت کا کچھ پاس کیا جو اہل زبان اور صرف اور نحو کو آپ سے بہتر جاننے والے تھے۔ **اقول** آپ ایسی باتیں کرنے سے لوگوں کو مغالطہ دینا چاہتے ہیں بھلا صاحب اس قاعدہ کے جاری کرنے سے ان بزرگوں کی عزت و مرتبت میں معاذ اللہ کس طرح نقصان آ سکتا ہے ان کے کلام میں تصریح حال یا استمرار کی کہاں ہے یہ تو صرف آپ کا اجتہاد ہے۔ آپ اپنے ساتھ ان بزرگوں کو ناحق شریک کرتے ہیں۔ **قولہ** ہمارے اوپر اللہ و رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف ونحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیں کہ باوجودیکہ اس پر کافی وکامل طور پر کسی آیت کے معنی کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ صرف ونحو کو ترک نہ کریں۔ **اقول** یہ بات بھی آپ کی سراسر مغالطہ دہی پر مبنی ہے۔ کافی وکامل طور پر آیت کے معنے کا کھل جانا اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت کا ملنا غیر مسلم ہے **ووجہہ مر انفا فتذکر** علاوہ اسکے آپ نے جو باوجود نہ کھلنے معنے آیت کے اور عدم شہادت اکابر مومنین اہل زبان کے ایک قاعدہ نحویہ اجماعیہ کا محض اپنی بات بنانے کی غرض سے انکار کیا ہے اس سے یہ احتمال قوی پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ کو الزام علوم لغت وصرف ونحو ومعانی اصول فقہ واصول حدیث سے جو کہ خادم کتاب سنت ہیں دیا جاوے گا

[1] المائدۃ : ۱۱۷ [2] البقرۃ: ۴۵

﴿۶۸﴾ تو آپ فوراً اس قاعدہ کا انکار کر جائیں گے اور یہ بات آپ کی علم و دیانت سے خلاف ہے کیونکہ اہل علم کو ان علوم سے چارہ نہیں ہے اور ہم کو الفاظ قرآن و حدیث کے معانی موافق لغت و محاورہ عرب کے سمجھنا ضروری امر ہے ورنہ کسی مسئلہ پر استدلال نہیں ہوسکتا ہے اور یہ امر فی زماننا غیر ممکن ہے کہ خود عرب میں جا کر ہر لغت و محاورہ اور جمیع قواعد صرف و نحو و معانی وغیرہ کی تحقیق کی جاوے پس اگر آپ کو کسی اہل اسلام سے مباحثہ کرنا منظور ہے تو پہلے ان دو کاموں سے ایک کام کیجئے اور اگر ایک بھی آپ قبول نہ کریں گے تو یہ امر آپ کی گریز پر محمول ہوگا یا تو لغت صرف و نحو و معانی و اصول فقہ و اصول حدیث کی اجماعی باتوں کی تسلیم کرنے کا اقرار کیجئے یا بالفعل مناظرہ سب اہل اسلام سے موقوف کر کے ایک الگ کتاب علوم مذکورہ میں تصنیف فرمائیے اور جو کچھ اول علموں میں آپ کو ترمیم کرنا ہو وہ کر لیجئے اس کے بعد مباحثہ کیجئے تا کہ آپ کی مسلّمات سے آپ کو الزام دیا جاوے ورنہ موافق اس طریقہ کے جو آپ نے اختیار کیا ہے کوئی عاقل کسی عاقل کو الزام نہیں دے سکتا ہے۔ **قولہ** آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ [1] آیت موجود ہے۔ **اقول** اس کا جواب عامہ تفاسیر میں مذکور ہے۔ عبارت بیضاوی کی اس مقام پر نقل کی جاتی ہے **وھٰذان اسم ان علی لغۃ بلحارث ابن کعب فانھم جعلوا الالف للتثنیۃ واعربوا المثنی تقدیرا وقیل اسمھا ضمیر الشان المحذوف و ھٰذان لساحران خبرھا وقیل ان بمعنی نعم وما بعدھا مبتداء و خبر فیھما ان اللام لا یدخل خبر المبتداء و قیل اصلہ انہ ھٰذان لھما ساحران فحذف الضمیر و فیہ ان الموکد باللام لا یلیق بہ الحذف انتھٰی** ۔قولہ جس میں بجائے ان ھٰذان کے ان ھٰذین لکھا ہو۔ **اقول** یہ خطائے فاحش ہے صواب یہ ہے کہ جس میں بجائے ان ھٰذین کے ان ھٰذان لکھا ہو **قولہ** آپ کو یاد ہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف و نحو غلطی سے پاک ہیں یا بہمہ وجوہ متمم و مکمل ہیں۔ **اقول** یہ بات اگر قواعد اختلافیہ کی نسبت کہی جاوے تو مسلّم ہے لیکن قواعد اجماعیہ کی نسبت ایسا کہنا گویا دروازہ الحاد کا کھولنا اور سب احکام شرعیہ کا باطل کرنا ہے کیونکہ قواعد جب غلط ٹھہرے خود عرب میں جا کر فی زماننا تحقیق لغت و قواعد صرف و نحو غیر ممکن۔ پس پابندی قواعد کی باقی نہ رہے گی ہر شخص اپنی ہوا کے موافق قرآن و حدیث کے معنے کرے گا آپ کو چاہئے کہ قواعد اجماعیہ کے تسلیم کا جلد اشتہار دے دیجئے یا کوئی کتاب لغت و قواعد صرف و نحو موافق قرآن و حدیث کے اپنے اجتہاد سے بنا کر جلد شائع کیجئے تا کہ انہی قواعد کی بنا پر آپ سے بحث کی جاوے۔ **قولہ** قرآن کریم ان کی غلطی ظاہر کرتا ہے اور اکابر صحابہ اس پر شہادت دے رہے

[1] طٰہٰ : ۶۴

ہیں۔ **اقول** سُبۡحٰنَکَ ھٰذَا بُھۡتَانٌ عَظِیۡمٌ [1] **قولہ** اوراس خیال خام کی نحوست سے آپ کو تمام اکابر کی نسبت بدظنی کرنی پڑی۔ **اقول**۔ آپ ان اکابر کا مطلب نہیں سمجھے ہیں فَافھم۔ **قولہ** ابھی میں انشاء اللہ تعالیٰ یہ آپ پر ثابت کردوں گا کہ آیت لیؤمننّ بہٖ آپ کے معنوں پر اس صورت میں قطعیۃ الدلالۃ ٹھہر سکتی ہے جب ان سب بزرگوں کے قطعی الجہالت ہونے پر فتویٰ لکھا جاوے اور نعوذ باللہ نبی معصوم کو بھی اس میں داخل کردیا جاوے۔ **اقول** توضیح المرام سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ [2] بتصریح وفات مسیح پر دلالت کرتی ہے صفحہ ۸ میں مرقوم ہے اور قرآن شریف میں اگرچہ حضرت مسیح کے بہشت میں داخل ہونے کا بتصریح کہیں ذکر نہیں لیکن ان کے وفات پا جانے کا تین جگہ ذکر ہے حاشیہ میں وہ تین آئتیں آپ نے لکھی ہیں ان میں سے آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ بھی ہے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۸۵ میں ہے۔ غرض قرآن شریف میں تین جگہ مسیح کا فوت ہوجانا بیان کیا گیا ہے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۶☆ میں ہے۔ چوتھی آیت جو مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ آیت ہے کہ ’’ وَاِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ ‘‘ انتہٰی۔ جاننا چاہئے کہ آپ کی یہ تقریر بادنیٰ تغیر آپ پر منعکس ہوجاتی ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ آیت لیؤمننّ کی وفات مسیح پر اس وقت صریحۃ الدلالۃ ٹھہر سکتی ہے کہ ان سب بزرگوں کی جہالت پر فتویٰ لکھا جاوے نعوذ باللہ نبی معصوم کو بھی ان میں داخل کیا جاوے۔ ورنہ آپ کبھی اور کسی صورت میں دلالت کا فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔ **قولہ** اب میں آپ پر واضح کرتا ہوں کہ کیا اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کے نزول کیلئے قطعیۃ الدلالۃ قرار دیا ہے یا کچھ اور بھی معنے لکھے ہیں۔ **اقول** یہ طعن بادنیٰ تغیر آپ پر بھی وارد ہوتے ہیں بلکہ جو آپ نے طعن کی ہے اس سے اشد ہے یعنے آپ نے فرمایا ہے کہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ موت مسیح پر دلالت کرتی ہے اور آپ کی بعض عبارات سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ دلالت صریحی ہے۔ پس کیا اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کی وفات پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ ایک نے بھی نہیں۔ **قولہ** کشّاف صفحہ ۱۹۹ میں لیومنن بہ کی آیت کے نیچے یہ تفسیر ہے آہ۔ **اقول** اس عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مفسرین نے قطعیۃ الدلالۃ ہونے کی تصریح نہیں کی اسکے معنے لکھے ہیں لیکن مفسرین کا قطعیۃ الدلالۃ تصریح نہ کرنا قطعیت کو باطل نہیں کرتا ہے آپ کے نزدیک انی متوفیک اور فلمّا توفّیتنی قطعیۃ الدلالۃ ہے موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حالانکہ مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کی موت ﴿۶۹﴾

[1] النور: ۱۷ [2] النساء: ۱۶۰ ☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’ ۶۰۳ ‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

﴿۷۰﴾ کے لئے قطعیة الدلالة نہیں قرار دیا ہے کچھ اور ہی معنی لکھے ہیں۔ **قولہ** پھر نووی میں یہ عبارت لکھی ہے۔ **اقول** نووی کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اکثروں نے ضمیر موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع کی ہے اس سے آپ کے نزدیک بھی قطعیة الدلالة میں فرق نہیں ہوتا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک آیت وانی متوفیک وآیت فلمّا توفّیتنی' قطعیة الدلالة ہے وفات مسیح پر۔ حالانکہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے وقال الاکثرون المراد بالوفاة ھنا النوم انتھٰی ۔ اور ایسا ہی آپ کے نزدیک آیت وان من اھل الکتاب دلیل صریح ہے وفات مسیح علیہ السلام پر اور حالانکہ وفات مسیح کا اس میں رایحہ بھی نہیں ہے نہ بر تقدیر اس قول کے جس کو نووی نے اکثرین کا قول قرار دیا ہے اور نہ بر تقدیر قول آخر کے جو اس کا مقابل ہے اس کے بعد آپ نے عبارت مدارک اور بیضاوی و تفسیر مظہری کی نقل کی ہے اور ہر ایک کا ترجمہ کر کے اوراق کو بڑھایا ہے اور حالانکہ ان سب سے اور کسی امر جدید کا فائدہ نہیں ہے سوائے اسکے ضمیر موتہٖ میں اختلاف ہے اور اوپر ثابت ہوا کہ مجرد اختلاف معانی قطعیت و دلالت صریحہ کے مخالف نہیں ہے ورنہ چاہئے کہ آپ سے ادلہ وفات آیت انّی متوفّیک اور آیت فلمّا توفّیتنی اور آیت وان من اھل الکتاب ادلہ قطعیہ اور دلیل صریح نہ ہوں وھو خلاف ما ادعیتم اور تفسیر مظہری والے کا یہ قول و کیف یصح ھذا التاویل ما ان کلمة ان من اھل الکتاب شامل للموجودین فی زمن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ۔ البتہ سواء کان ھذا الحکم خاصًا بھم اولا فان حقیقة الکلام للحال ولاوجہ لان یراد بہ فریق من اھل الکتاب یوجدون حین نزول عیسٰی علیہ السلام مخدوش ہے اور مخالف ہے عامہ تفاسیر کے کیونکہ کلام کا حال کیلئے حقیقت ہونا اس تقدیر پر ہے کہ کوئی صارف نہ پایا جاوے اور یہاں نون تاکید صارف موجود ہے اور یہی وجہ ہے اس امر کی اہل کتاب سے ایک فریق خاص مراد لیا جاوے پس صاحب تفسیر مظہری کا یہ قول لاوجہ کوئی وجہ نہیں رکھتا اور یہ جو تفسیر مظہری میں ہے اخرج ابن المنذر عن ابی ھاشم و عروة قال فی مصحف ابی بن کعب وان من اھل الکتاب الا لیؤمننّ بہ قبل موتھم مخدوش ہے کہ تفسیر مظہری میں اس قراءت کی پوری سند مذکور نہیں ابن کثیر نے اس قراءت کو اس طرح پر روایت کیا ہے حدثنی اسحاق بن ابراھیم ابن حبیب الشھید حدثنا عتاب بن بشیر عن خصیف عن سعید بن جبیر عن ابن عباس وان من اھل الکتاب الا لیؤمننّ بہ قبل موتہ قال ھی فی قراءت ابی قبل موتھم اس میں دو راوی مجروح ہیں اول خصیف دوم عتاب ابن بشیر۔ خصیف کے ترجمہ میں تقریب میں لکھا

﴿۷۱﴾ ہے صدوق سیّیء الحفظ خلط بآخرہ رمی بالارجاء۔ میزان میں ہے ضعفه احمد وقال ابوحاتم تکلم فی سوء حفظه وقال احمد ایضا تکلم فی الارجاء وقال عثمان بن عبدالرحمٰن رأیت علی خصیف ثیابا سودا کان علی بیت المال انتھی ملخصًا ۔عتاب کے ترجمہ میں میزان میں مرقوم ہے قال احمد أتی عن خصیف بمناکیر اراھا من قبل خصیف قال النسائی لیس بذاک فی الحدیث وقال ابن المدینی کان اصحابنا یضعفونه وقال علی ضربنا علی حدیثه انتھی ملخصًا ۔**قوله** اور بلاشبہ قراءت شاذہ حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہے۔ **اقول** عموماً یہ بات غلط ہے۔ ہاں قراءت شاذہ جو بسند صحیح متصل کہ شذوذ و دیگر علل خفیہ غامضہ قادحہ سے خالی ہو البتہ حکم حدیث صحیح کا رکھتی ہے اور ابھی واضح ہوا کہ اس کی سند میں دو رجال مجروح ہیں ۔**قوله** اب فرض کے طور پر اگر قبول کرلیں کہ اگر ابن عباس اور علی ابن طلحہ اور عکرمہ وغیرہ صحابہؓ ان معانوں کی سمجھ میں خطا پر تھے اور قراءت ابی ابن کعب بھی یعنے قبل موتھم کامل درجہ پر ثابت نہیں ۔تو کیا آپ کے دعوی قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیؤمننّ به پر اس کا کچھ بھی اثر ٹھہرا کیا وہ دعویٰ جس کے مخالف صحابہؓ کرام بلند آواز سے شہادت دے رہے ہیں اور دنیا کی تمام مبسوط تفسیریں باتفاق اس پر شہادت دے رہی ہیں اب تک قطعیة الدلالة ہے۔**اقول** نہ صحابہ کا اتفاق خلاف پر ہے اور نہ تمام تفسیروں کا ہاں دو قول مرجع ضمیر قبل موته میں البتہ منقول ہیں اس سے قطعیة الدلالة اور صریح الدلالة ہونے میں فرق نہیں آتا ہے اس کے نظائر کتاب وسنت میں بکثرت موجود ہیں من شاء فلیرجع الیھما علاوہ اس کے اس بنا پر آپ کے ادلہ وفات میں سے آیت انّی متوفّیک آیت فلمّا توفّیتنی و آیت وان من اھل الکتاب بھی نہ قطعیة الدلالت ٹھہرتی ہے نہ صریحة الدلالة کیونکہ ان آیات میں چند اقوال منقول ہیں فماھو جوابکم فھو جوابنا ۔ **قوله** مگر آپ جانتے ہیں کہ اکابر صحابہ اور تابعین سے کسی گروہ نے آپ کے معنے قبول نہیں کئے ہیں۔**اقول** یہ کذب صریح ہے تحریر اول میں عبارت ابن کثیر نقل کی گئی ہے اس سے ابن عباس و ابومالک وحسن بصری وقتادہ وعبدالرحمان بن زید بن اسلم وغیر واحد کا اس معنی کو قبول کرنا ثابت ہے اور ابوہریرہؓ کا اس معنے کو قبول کرنا صحیحین میں مصرح ہے۔ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ معنے بدلیل قاطع ثابت ہیں اور بھی ابن کثیر میں ہے واولٰی ھذہ الاقوال بالصحة القول الاول وھو انه لایبقٰی احد من اھل الکتاب بعد نزول عیسٰی علیه السلام الا آمن به قبل موته ای قبل موت عیسٰی علیه السلام ولاشک

﴿۷۲﴾ انّ ھذا الذی قالہ ابن جریرؒ ھو الصحیح المقصود من سیاق الآی فی تقریر بطلان ما ادعتہ الیھود من قتل عیسٰی و صلبہ و تسلیم من سلم لھم من النصارٰی الجھلۃ ذالک۔ انتھٰی۔ **قولہ** اور میں نے جو آپ کے قاعدہ نون ثقیلہ کا نام جدید رکھا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ تسلیم کرلیا جاوے نعوذ باللہ بقول آپ کے ابن عباس جیسے صحابی کو جاہل نادان قرار دینا پڑتا ہے۔ **اقول** میں نے تو وہی معنے جو تمام صحابہ وتابعین وغیرھم سے منقول ہیں اور وہی قاعدہ جو عامہ مسلمین کا معمول رہا ہے لکھے ہیں البتہ آپ کے مسائل مخترعہ کی بنا پر سارے صحابہ کو جاہل ماننا پڑتا ہے فما ھو جوابکم فھو جوابی علاوہ اس کے اول صحابہ کے کلام میں کہیں تصریح معنے حال کی نہیں ہے ان کا کلام معنے مستقبل پر بھی محمول ہوسکتا ہے جیسا کہ آپ تحریر اول میں اس کا اعتراف کر چکے ہیں باقی رہا یہ امر کہ جن لوگوں نے ضمیر کتابی کی طرف پھیری ہے وہ اس امر میں خطا پر ہیں یہ کوئی مقام استبعاد نہیں۔ آپ بہت سے صحابہ کو اکثر مسائل میں خطا پر جانتے ہیں۔ **قولہ** اور قراءت قبل موتھم کو خواہ نخواہ افترا قرار دینا پڑے گا۔ **اقول** خواہ نخواہ چہ معنے دارد۔ قراءت مذکورہ فی الواقع ضعیف ہے لائق احتجاج نہیں۔ کما مر بیانہ انفا۔ **قولہ** کیا آپ کا یہ نحوی قاعدہ ان اکابر کو جاہل قرار دے سکتا ہے اور کیا صدہا مفسرین کو بلکہ ہزارہا جواب تک یہ معنے کرتے آئے وہ جاہل مطلق اور آپ کے نحو سے غافل تھے۔ **اقول** سراسر مبنی سوء فہم پر ہے معنے مذکور کا فساد اس وجہ سے نہیں کہ وہ مخالف ہے قاعدہ نحو کے بلکہ یہ معنے تو سراسر موافق ہیں قاعدہ نحو کے کیونکہ اس معنے پر تو مضارع صریح بمعنے استقبال کیا گیا ہے ذرا سوچ کر جواب دیجئے۔ **قولہ** کوئی مبسوط تفسیر تو پیش کرو جو ان معنوں سے خالی ہے یا جس نے ان معنوں کو سب سے مقدم نہ رکھا الٰی قولہٖ بلکہ سب کے سب آپ ہی کے معنوں کو ضعیف ٹھہراتے ہیں۔ **اقول** دو بڑی تفسیریں معتبر پرانی پیش کرتا ہوں ایک تفسیر ابن کثیر دوسری تفسیر ابن جریر کہ ان دونوں نے معنے مذکور کو مقدم نہیں رکھا اور نہ میرے معنے کو ضعیف کہا بلکہ صحت کی تصریح کی ہے۔ پس اس مقام پر کذب اس قول کا کالشّمس فی نصف النھار ظاہر ہوگیا۔ **قولہ** حضرت اس قراءت سے حضرت مسیح ابن مریم کی زندگی کیونکر اور کہاں ثابت ہوئی اب تو قبل موتہٖ کے ضمیر سے مسیح کی زندگی ثابت کرنی تھی۔ **اقول** یہ قول بھی سوء فہم پر مبنی ہے میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ قراءت مذکورہ سے مسیح بن مریم کی زندگی ثابت ہے میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ قراءت مذکورہ مخالف ہمارے معنے کے نہیں بالجملہ مقصود رفع مخالفت ہے نہ اثبات دعوٰی وبینھما فرق ہے۔

﴿۷۳﴾ **قولہ** ہم نے تفاسیر معتبرہ کے ذریعہ سے اس کی اسناد پیش کر دی ہیں۔**اقول** سند میں جو جرح ہے وہ میں نے اوپر بیان کر دی فتذکر۔**قولہ** بھلا اگر آپ حق پر ہیں تو تیرہ سو برس کی تفسیروں میں سے کوئی ایسی تفسیر تو پیش کیجئے جو ان معنوں کی صحت پر معترض ہو۔**اقول** تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر اس معنی کی صحت پر معترض ہیں۔**قولہ** الہامی معنے جو میں نے کئے ہیں وہ درحقیقت ان معنوں کے معارض نہیں۔**اقول** یہ محض غلط ہے کیونکہ الہامی معنے کا مدار اس پر ہے کہ ضمیر موتہٖ کی راجع طرف عیسیٰ علیہ السلام کے ہے اور معنی مذکور کا مدار اس پر ہے کہ ضمیر موتہٖ کی راجع طرف کتابی کے ہے پس سخت تعارض و بین تخالف موجود ہے۔ مجھ کو سخت تعجب ہے آپ کی دیانت سے کہ آپ باوجودیکہ ضمیر موتہٖ کا مرجع عیسیٰؑ ہونا اپنی کتب میں تسلیم کر چکے ہیں اور آیت وان من اھل الکتاب کو صریحۃ الدلالۃ وفات عیسیٰؑ پر کہتے ہیں پھر اس اقراری حق سے کیوں اعراض کرتے ہیں اور جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ[1] کے وعید سے نہیں ڈرتے۔**قولہ** کیونکہ ہمارے نزدیک حال کسی ٹھہرنے والے زمانہ کا نام نہیں ہے۔**اقول** یہ امر مسلم ہے بے شک زمانہ نام مقدار غیر قار کا ہے اور حال ایک فرد ہے زمانہ کا اور حد حقیقی حال کے باعتبار عرف کے یہی ہے کہ تکلم فعل کے پہلے کا زمانہ تو ماضی ہے اور تکلم فعل کے بعد کا زمانہ مستقبل ہے اور تکلم فعل کے مبدا سے منتہٰی تک زمانہ حال ہے اس بنا پر ظاہر ہے کہ استقبال قریب ہرگز حال نہیں ہو سکتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قولؔ کے تکلم کا زمانہ بعد ہے زمانہ تکلم فَلَنُوَلِّيَنَّكَ سے پس اس کے استقبال ہونے میں کیا شک ہے۔**قولہ** جب آپ خود مستقبل قریب کے قائل ہو گئے اسی طرح وہ بھی قائل ہیں۔**اقول** فرق نہ کرنا درمیان مستقبل قریب وحال کے محصلین سے بعید ہے جیسا کہ ماہر علم نحو پر بلکہ قاصر پر بھی مخفی نہیں ہے۔**قولہ** یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ ہے مگر یہ کہاں سے ثابت ہے کہ وعدہ آنے والے لوگوں کیلئے خاص ہے۔**اقول** یہ کس نے کہا کہ یہ وعدہ آنے والے لوگوں کیلئے ہی خاص ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اس کا ایفاء زمانہ آئندہ ہی میں ہو سکتا ہے نہ حال میں اور اس بات میں جو آپ نے طول کیا ہے اس کو اصل مطلب سے کچھ علاقہ نہیں اور ہم کو اس سنت اللہ سے ہرگز انکار نہیں کہ مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت مرتب ہوتی ہے صرف بحث اس میں ہے کہ یہ سنت اللہ ان آیات وعد و وعید سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کیلئے دوسری آیات دلیل ہیں۔**قولہ** اب دیکھئے کہ ان آیات سے بھی آپ کا دعویٰ قطعیۃ الدلالت ہونا آیت لیؤمننّ بہٖ کا کس قدر باطل ثابت ہوتا ہے۔**اقول** آیات منافی قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیؤمننّ کے نہیں بلکہ آیت لیؤمننّ آیات مذکورہ کے مخصص واقع ہوئی ہے۔**قولہ** حلیم وہ ہے جو یبلغ الحلم کا مصداق ہو۔**اقول** یہ حصر غیر مسلم ہے کیونکہ حلیم قرآن مجید میں صفت غلام کی آئی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ[2] اور غلام کے معنے کودک صغیر کے ہیں کما فی الصراح پس محتمل ہے کہ حلیم اس مقام پر ماخوذ حلم سے

[1] النمل:۱۵ [2] الصّٰفّٰت:۱۰۲

﴿۷۴﴾ ہو جو آہستگی و بردباری کے معنے میں ہے کما فی الصراح ۔قاموس میں ہے والحلم بالکسر الاناءۃ والعقل جمعہ احلام و حلوم و منہ ام تامرھم احلامھم وھو حلیم جمع حلماء و احلامًا ۔**قولہ** جب کہ عیسےٰ بن مریم کی حیات ہی ثابت نہیں ہوتی اور موت ثابت ہو رہی ہے تو عیسیٰ کے حقیقی معنے کیونکر مراد ہو سکتے ہیں۔**اقول** اس کلام میں بدو وجہ شک ہے۔اوّل یہ کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ سے آپ کے اقرار سے صراحتًا موت ثابت ہے کیونکہ آپ نے توضیح المرام و ازالۃ الاوہام میں اقرار کیا ہے کہ ضمیر موتہٖ کا عیسیٰ کی طرف راجع ہے اور بعد اقرار اس امر کے حیات کا اقرار لازم آتا ہے کما مرّ تقریرہ بحیث لایحوم حولہ شک۔دوم بر تقدیر موت بھی نزول خود حضرت عیسیٰ کا نہ محال عقلی ہے اور نہ محال عادی اور جو چیز محال عادی و عقلی نہ ہو اور مخبر صادق اس کی خبر دے تو اس سے انحراف جائز نہیں اور احادیث صحیحہ میں نزول عیسیٰؑ کی خبر متواتر موجود ہے۔**قولہ** جب آپ حیات مسیح کو ثابت کر دکھائیں گے تو پھر ان کا نزول بھی مانا جائے گا۔**اقول** اس میں کچھ ملازمۃ نہیں بر تقدیر وفات بھی نزول کے نہ ماننے کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔**قولہ** ورنہ بخاری میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے ان سے مراد کوئی مثیل لیا گیا ہے۔**اقول** ظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوائے احادیث نزول کے دیگر احادیث بھی بخاری میں ایسی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے اس سے مراد اس کا کوئی مثیل لیا گیا ہے پس آپ کو چاہئے کہ براہِ عنایت ان احادیث کو نقل فرمائیے تا کہ اس میں نظر کی جاوے کہ وہاں مثیل مراد لیا گیا ہے یا نہیں۔**قولہ** افسوس کہ اب تک آپ کچھ پیش نہ کر سکے۔ **اقول**۔افسوس کہ باوجود اسکے کہ آپ کے اقرار سے حیات مسیح آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ کے صراحۃً ثابت ہوگئی پھر بھی آپ ایسا فرماتے ہیں۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون والی اللّٰہ المشتکیٰ اب سنئے یہ تو آپ کی تحریر کا جواب ترکی بترکی ہوا اب ایک نہایت منصفانہ اور فیصلہ کرنے والا جواب دیا جاتا ہے آپ اگر انصاف کے مدعی اور حق کے طالب ہیں تو اسی جواب کا جواب دیں اور جواب ترکی بترکی سے تعارض نہ کریں ایسا کریں گے تو یقیناً سمجھا جائے گا کہ آپ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے اور احقاق حق سے آپ کو غرض نہیں ہے وہ جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب! میں نے کمال نیک نیتی سے احقاق حق کی غرض سے اپنے ان جملہ دلائل کو جن کو میں اس وقت پیش کرنا چاہتا تھا یکبارگی قلم بند کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میرا اصل متمسک اور مستقل دلیل پہلی آیت ہے اور اس کے قطعیۃ الدلالت کے ثبوت میں قواعد نحویہ اجماعیہ کو پیش کیا آپ بھی نیک نیت اور طالب حق ہوتے تو اس کے جواب میں دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرتے یا تو میرے جملہ دلائل و جوابات سے تعرض کرتے اور ان میں سے ایک بات کا جواب بھی باقی نہ چھوڑتے یا صرف میری اصل دلیل سے تعرض فرماتے

اسکے سوا کسی بات کے جواب سے معترض نہ ہوتے آپ نے نہ پہلی صورت اختیار کی نہ دوسری بلکہ میری ﴿۷۵﴾
اصلی دلیل کے علاوہ اور باتوں سے بھی تعرض کیا مگر ان کو بھی ادھورا چھوڑا اور بہت سی باتوں کا حوالہ آئندہ پر چھوڑا اور ان کے مقابلہ میں اپنے دلائل احادیث بخاری وغیرہ کے بیان کو بھی آپ نے آئندہ پرچہ پر ملتوی کیا اور جو کچھ بیان کیا ایسے انداز سے بیان کیا کہ اصل دلیل سے بہت دور چلے گئے اور اپنے بیان کو ایسے پیرایہ میں ادا کیا کہ اس سے عوام دھوکہ کھائیں اور خواص ناخوش ہوں اس کی ایک مثال آپ کی یہ بحث ہے کہ آپ مدعی نہیں ہیں۔ صاحب من جس حالت میں مَیں خود مدعی ہو کر دلائل پیش کر چکا تھا تو آپ کو اس بحث کی کیا ضرورت تھی۔ دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت شیخنا و شیخ الکل کی رائے کا ذکر بے موقع کر کے لوگوں کو پھر جتانا چاہا کہ حضرت شیخ الکل بھی اس بحث میں آپ کے مخاطب ہیں حالانکہ شیخ الکل کی بحث سے فرار اختیار کر کے آپ نے مجھے مخاطب بحث بنایا تھا لہٰذا شیخ الکل کا ذکر میرے خطاب میں محض اجنبی و نامناسب تھا۔

تیسری مثال یہ ہے کہ آپ نے چند تفاسیر کی عبارات و اقوال بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم نقل کر کے عوام الناس کو یہ جتانا چاہا ہے کہ تمام مفسرین اور عامہ صحابہ و تابعین مسئلہ حیات وفات مسیح میں آپ کے موافق اور ہمارے مخالف ہیں اور یہ محض مغالطہ ہے کوئی صحابی کوئی تابعی کوئی مفسر اس بات کا قائل نہیں ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام اس وقت زندہ نہیں ہیں۔

چوتھی مثال آپ کا عوام الناس کو یہ جتانا ہے کہ نون لیؤمننّ کو استقبال کے لئے ٹھہرانا تمام صحابہ و مفسرین کو جاہل قرار دینا ہے جو سراسر آپ کا دھوکا و مغالطہ ہے آپ کی اس قسم کی باتوں کا میں تین دفعہ تو جواب ترکی بترکی دے چکا آئندہ بھی یہ ہی طریق جاری رہا تو اس سے آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ اصل بات ٹل جائے گی اور آپ کے اتباع میں آپ کی جواب نویسی ثابت ہو جائے گی مگر اس میں مسلمانوں کا یہ حرج ہوگا کہ ان پر نتیجہ بحث ظاہر نہ ہوگا اور آپ کا اصل حال نہ کھلے گا کہ آپ لاجواب ہو چکے ہیں اور اعتقاد وفات مسیح میں خطا پر ہیں اور بات کو ادھر ادھر لیجا کر ٹلا رہے ہیں لہٰذا آئندہ آپ کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کو بحث منظور اور الزام فرار سے احتراز مدنظر ہے تو زائد باتوں کو چھوڑ کر میری اصل دلیل پر کلام و بحث کو محدود و محصور کریں اور جو میں نے بہ شہادت قواعد نحویہ اجماعیہ مضمون آیت کا زمانہ استقبال سے مخصوص ہونا اور بصورت صحت تخصیص اس مضمون کا وقت نزول مسیح سے مخصوص ہونا ثابت کیا ہے اس کا جواب درصورت عدم تسلیم قواعد نحویہ اجماعیہ دو حرفی یہ دیں کہ تمام قواعد نحوی بیکار و بے اعتبار ہیں یا خاص کر یہ قاعدہ غلط ہے اور اس کو فلاں شخص نے غلط قرار دیا ہے اور اس کی غلطی پر قرآن یا حدیث صحیح یا اقوال

﴿۷۰﴾ عرب عرباء سے یہ دلیل ہے اور بجائے اسکے قاعدہ صحیحہ فلاں ہے یا یہ کہ فہم معنی قرآن کیلئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے جس طرح کوئی چاہے قرآن کے معنے گھڑ سکتا ہے اور درصورت تسلیم قاعدہ اور تسلیم تخصیص مضمون آیت بزمانہ استقبال اس مضمون کے تخصیص زمانہ نزول مسیح سے فلاں دلیل کی شہادت سے باطل ہے یا اس تخصیص سے جو فائدہ بیان کیا گیا ہے وہ اور صورتوں اور معنی سے بھی جو بیان کئے گئے ہیں حاصل ہوسکتا ہے اور اگر مجرد اختلاف مفسرین تفسیر آیت میں اس تخصیص کا مبطل ہوسکتا ہے اور مجرد اقوال مفسرین آپ کے نزدیک لائق استدلال واستناد ہیں تو آپ مفسرین صحابہ وتابعین کے ان اقوال کو جو درباب حیات مسیح وارد ہیں قبول کریں یا ان کے ایسے معنے بتاویں جن سے وفات مسیح ثابت ہو۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین اور جملہ صحابہ وتابعین ہمارے ساتھ ہیں ان میں کوئی اس کا قائل نہیں مسیح ابن مریم اب زندہ نہیں ہیں آپ ایک صحابی یا ایک تابعی یا ایک امام مفسر سے بہ سند صحیح اگر یہ ثابت کردیں کہ حضرت مسیح اب زندہ نہیں ہیں تو ہم دعویٰ حیات مسیح سے دست بردار ہوجائیں گے۔ لیجئے ایک ہی بات میں بات طے ہوتی ہے اور فتح ہاتھ آتی ہے اب اگر آپ یہ ثابت نہ کرسکے تو ہم سے جملہ مفسرین وصحابہ وتابعین کے اقوال سنیں جن کو ہم آئندہ پرچہ میں نقل کریں گے آپ مانیں یا نہ مانیں عام ناظرین تو اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور اس سے نتیجہ بحث نکالیں گے آپ سے ہم کو امید نہیں رہی کہ آپ اصل مدعا کی طرف آئیں اور زائد باتوں کو چھوڑ کر صرف وہ دوحرفی جواب دیں جو اس منصفانہ جواب میں آپ سے طلب کیا گیا ہے۔ **و اخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔**

دستخط محمد بشیر عفی عنہ ۲۷؍ اکتوبر ۱۸۹۱ء

نمبر ۳

حضرت اقدس علیہ السلام مرزا صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

سبحانک ما اعظم شانک تھدی من تشاء و تضل من تشاء و تعلم من تشاء من لّدنک عِلۡمًا ۔ امابعد اے ناظرین آپ صاحبوں پر واضح ہے کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب نے مجھ سے

﴿۷۷﴾ تحریری مباحثہ شروع کر کے اس بات کا ثابت کرنا اپنے ذمہ لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم زندہ اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور آسمان پر اسی خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ اب اے ناظرین یہ عاجز آپ صاحبوں کی خدمت میں صاف اور سہل اور مختصر طور پر اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے اپنے اس دعویٰ کا اپنے تین پرچوں میں کیا ثبوت دیا اور میری طرف سے اس ثبوت کے باطل اور ہیچ اور لغو محض ہونے پر اپنے اس تیسرے پرچہ تک کیا کیا ثبوت پیش ہوا ہے تا آپ لوگ خود منصف بن کر دیکھ لیں کہ کیا درحقیقت مولوی صاحب نے کسی **قطعیۃ الدلالت** آیت سے جیسا کہ ان کا دعویٰ تھا حضرت مسیح ابن مریم کا خاکی جسم کے ساتھ زندہ ہونا ثابت کر دکھایا ہے یا وہ ایسے قطعی ثبوت پیش کرنے سے ناکام رہے اور کوئی ایسی آیت پیش نہ کر سکے کہ جو یقینی اور قطعی طور پر حضرت مسیح کی جسمانی زندگی پر دلالت کرتی ہو اور بنظر تحقیق کوئی دوسرے معنی مخالف ان معنوں کے اس سے نکل نہ سکتے ہوں۔

سو میں آپ صاحبوں کو سناتا ہوں کہ اول حضرت مولوی صاحب نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں پانچ آیتیں اپنی طرف سے پیش کی تھیں پھر چار آیتوں کو تو خود اس اقرار کے ساتھ چھوڑ دیا کہ ان سے حضرت مسیح کا جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہونا قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا یعنی یہ کئی احتمال رکھتی ہیں اور **قطعیۃ الدلالت** نہیں ہیں اور تمام مدار اپنے دعوے کا اس آیت پر رکھا کہ جو سورت النساء میں موجود ہے اور وہ یہ ہے وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[1] پ۶ مولوی صاحب اس آیت کو حضرت عیسیٰ کی جسمانی زندگی پر **قطعیۃ الدلالت** قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس آیت کے قطعی طور پر یہی معنے ہیں کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں کہ جو عیسیٰ پر اس کی موت سے پہلے ایمان نہیں لائے گا۔ اور چونکہ اب تک تمام اہل کتاب کیا عیسائی اور کیا یہودی حضرت عیسیٰ پر سچا اور حقیقی ایمان نہیں لائے بلکہ کوئی ان کو خدا قرار دیتا ہے اور کوئی ان کی نبوت کا منکر ہے اسلئے ضروری ہے کہ حسب منشاء اس آیت کے حضرت عیسیٰ کو اس زمانہ تک زندہ تسلیم کر لیا جائے جب تک کہ سب اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں۔ مولوی صاحب اس بات پر حد سے زیادہ ضد کر رہے ہیں کہ ضرور یہ آیت موصوفہ بالا حضرت مسیح کی جسمانی زندگی پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے اور یہی صحیح معنے اسکے ہیں کسی دوسرے معنے کا احتمال اس میں ہرگز نہیں اور اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ گو بعض صحابہ اور تابعین اور مفسرین نے اور بھی کتنے معنے اس آیت کے کئے ہیں مگر وہ معنے صحیح نہیں ہیں۔ کیوں صحیح نہیں ہیں؟ اس کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ اس جگہ **لیؤمنن** کا صیغہ نون ثقیلہ

[1] النساء : ۱۶۰

﴿۷۸﴾ نؔ کے لگنے کی وجہ سے خالص استقبال کے معنوں میں ہوگیا ہے اور خالص استقبال کے معنے صرف اسی طریق بیان سے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا کسی آئندہ زمانہ میں نازل ہونا قبول کر کے پھر اس زمانہ کے اہل کتاب کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ سب کے سب حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آویں گے اور فرماتے ہیں کہ جو حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ نے اسکے مخالف معنے کئے ہیں اور قبل موتہٖ کی ضمیر کتابی کی طرف پھیر دی ہے یہ معنے ان کی نحو کے اجماعی قاعدہ کے مخالف ہیں۔ کیوں مخالف ہیں؟ اس وجہ سے کہ ایسے معنوں کے کرنے سے لفظ لیؤ منّ کا خالص استقبال کیلئے مخصوص نہیں رہتا۔ سو مولوی صاحب کی اس تقریر کا حاصل کلام یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ابن عباس اور عکرمہ اور ابی ابن کعب وغیرہ صحابہ نحو نہیں پڑھے ہوئے تھے اور نحو کے وہ اجماعی قواعد جو مولوی صاحب کو معلوم ہیں انہیں معلوم نہیں تھے اسلئے وہ ایسی صریح غلطی میں ڈوب گئے جو انہیں وہ قاعدہ یاد نہ رہا جس پر تمام نحویوں کا اجماع اور اتفاق ہو چکا تھا بلکہ انہوں نے اپنی زبان کا قدیمی محاورہ بھی چھوڑ دیا جس کی پابندی طبعًا ان کی فطرت کے لئے لازم تھی۔ ناظرین برائے خدا غور فرماویں کہ کیا مولوی صاحب اس بات کے مجاز ٹھہر سکتے ہیں کہ ابن عباس جیسے جلیل الشان صحابی کو نحوی غلطی کا الزام دیویں۔ اور اگر مولوی صاحب نحوی غلطی کا ابن عباس پر الزام قائم نہیں کرتے تو پھر کیا کوئی اور بھی وجہ ہے جس کے رو سے مولوی صاحب کے خیال میں ابن عباس کے وہ معنے اس آیت متنازع فیہ میں رد کے لائق ہیں جن کی تائید میں ایک قراءت شاذہ بھی موجود ہے یعنی قبل موتھم۔ فرض کرو کہ وہ قراءت بقول حضرت مولوی صاحب ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے۔ یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے پس وہ کیا ابن عباس کے معنوں کو ترجیح دینے کیلئے کچھ بھی اثر نہیں ڈالتی یہ کس قسم کا تحکم ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ ابن عباس کے یہ معنے نحوی قاعدہ کے مخالف ہیں اور قراءت قبل موتھم کسی راوی کا افترا ہے۔ ابن عباس اور عکرمہ پر یہ الزام دینا کہ وہ نحوی قاعدہ سے بے خبر تھے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مولوی صاحب یا کسی اور کا حق ہے کہ ان بزرگوں پر ایسا الزام رکھ سکے جن کے گھر سے ہی نحو نکلی ہے۔ ظاہر ہے کہ نحو کو ان کے محاورات اور ان کے فہم کی تابع ٹھہرانا چاہئے نہ کہ ان کی بول چال اور ان کے فہم کا محک اپنی خود تراشیدہ نحو کو قرار دیا جائے۔

اب اگر مولوی صاحب اپنی ضد کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتے اور ابن عباس اور عکرمہ کو

نحو کے اجماعی قاعدہ سے بے خبر ٹھہراتے ہیں اور قراءت ابیّ بن کعب کو بھی جو قبل موتھم ہے بکلی مردود اور متحقق الافترا خیال کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ صرف ان کے دعوے سے ہی یہ ان کا بہتان قابل تسلیم نہیں ٹھہر سکتا بلکہ اگر وہ اپنے معنوں کو قطعیۃ الدلالت بنانا چاہتے ہیں تو ان پر فرض ہے کہ ان دونوں باتوں کا قطعی طور پر پہلے فیصلہ کر لیں۔ کیونکہ جب تک ابن عباس اور عکرمہ کے مخالفانہ معنوں میں احتمال صحت باقی ہے اور ایسا ہی گو حدیث قراءت شاذہ بقول مولوی صاحب ضعیف ہے مگر احتمال صحت رکھتی ہے تب تک مولوی صاحب کے معنے باوجود قائم ہونے ان تمام احتمالات کے کیونکر قطعی ٹھہر سکتے ہیں۔ ناظرین آپ لوگ خود سوچ لیں کہ قطعی معنے تو انہی معنوں کو کہا جاتا ہے جن کی دوسری وجوہ سرے سے پیدا نہ ہوں یا پیدا تو ہوں۔ لیکن قطعیت کا مدعی دلائل شافیہ سے ان تمام مخالف معنے کو توڑ دے۔ لیکن مولوی صاحب نے اب تک ابن عباس اور عکرمہ کے معنوں اور قبل موتھم کی قراءت کو توڑ کر نہیں دکھلایا ان کا توڑنا تو صرف ان دو باتوں میں محدود تھا اول یہ کہ مولوی صاحب صاف بیان سے اس بات کو ثابت کر دیتے کہ ابن عباس اور عکرمہ ان کے اجماعی قاعدہ نحو سے بکلّی بے خبر اور غافل تھے اور انہوں نے سخت غلطی کی کہ اپنے بیان کے وقت نحو کے قواعد کو نظرانداز کر دیا۔ دوسرے مولوی صاحب پر یہ بھی فرض تھا کہ قراءت شاذہ قبل موتھم کے راوی کا صریح افترا ثابت کرتے اور یہ ثابت کر کے دکھلاتے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے۔ مجرد ضعف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی اثر سے روک نہیں سکتا۔ امام بزرگ حضرت ابوحنیفہ فخر الائمہ سے مروی ہے کہ میں ایک ضعیف حدیث کے ساتھ بھی قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اب کیا جس قدر حدیثیں صحاح ستہ میں بباعث بعض راویوں کے قابل جرح یا مرسل اور منقطع الاسناد ہیں وہ بالکل پایۂ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض ہیں؟ اور کیا وہ محدثین کے نزدیک موضوعات کے برابر سمجھی گئی ہیں؟ ﴿۷۹﴾

ناظرین متوجہ ہو کر سنو اب میں اس بات کا بھی فیصلہ کرتا ہوں کہ اگر فرض کے طور پر ابن عباس اور عکرمہ اور مجاہد اور ضحاک وغیرہ کے معنے جو مخالف مولوی صاحب کے معنوں کے ہیں غلط ٹھہرائے جاویں اور قبول کیا جائے کہ یہ تمام اکابر اور بزرگ مولوی صاحب کے اجماعی قاعدہ نحو سے عمداً یا سہواً باہر چلے گئے تو پھر بھی مولوی صاحب کے معنے قطعیۃ الدلالت نہیں ٹھہر سکتے۔ کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟ اس کی وجوہ ذیل میں لکھتا ہوں۔

(۱) اول یہ کہ مولوی صاحب کے ان معنوں میں کئی امور ہنوز قابل بحث ہیں جن کا وہ یقینی

طور پر فیصلہ نہیں کر سکے اور نہ ان کا ایک ہی معنوں پر قطعیۃ الدلالت ہونا پایہ ثبوت پہنچ چکے ہیں۔ ﴿۸۰﴾
ازانجملہ ایک یہ کہ اہل الکتاب کا لفظ اکثر قرآن کریم میں موجودہ اہل کتاب کیلئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے بیان فرمایا گیا ہے اور ہر یک ایسی آیت کا جس میں اہل کتاب کا ذکر ہے وہی مصداق اور شان نزول قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر مولوی صاحب کے پاس باوجود اس دوسرے معنے ابن عباس اور عکرمہ کے کونسی قطعی دلیل اس بات پر ہے کہ اس ذکر اہل کتاب سے وہ لوگ قطعاً باہر رکھے گئے ہیں اور کون سی حجت شرعی یقینی قطعیۃ الدلالت اس بات پر ہے کہ اہل کتاب سے مراد اس زمانہ نامعلوم کے اہل کتاب ہیں جس میں تمام وہ لوگ حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئیں گے۔

ازانجملہ ایک یہ کہ مولوی صاحب نے تعیین مرجع لیؤمننّ بہٖ میں کوئی قطعی ثبوت پیش نہیں کیا۔ کیونکہ تفسیر معالم التنزیل وغیرہ تفاسیر معتبرہ میں حضرت عکرمہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بھی روایت ہے کہ ضمیر بہٖ کی جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور یہ روایت قوی ہے کیونکہ مجرد مسیح ابن مریم پر ایمان لانا موجب نجات نہیں ٹھہر سکتا۔ ہاں خاتم الانبیاء پر ایمان لانا بلاشبہ موجب نجات ہے کیونکہ وہ ایمان تمام نبیوں پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ کو بہٖ کے ضمیر کا مرجع ٹھہرایا جائے تو اس کا فساد ظاہر ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی اہل کتاب شرک سے توبہ کر کے صرف حضرت عیسیٰ کی رسالت اور عبدیت کا قائل ہو لیکن ساتھ اس کے ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے قطعاً منکر ہو تو کیا وہ اسی ایمان سے نجات پا سکتا ہے ہرگز نہیں۔ پھر یہ ضمیر بہٖ کی حضرت عیسیٰ کی طرف آپ کے معنوں کے رو سے کیونکر پھر سکتی ہے۔ اگر یہ تثنیہ کی ضمیر ہوتی تو ہم یہ خیال کر لیتے کہ اس میں حضرت عیسیٰؑ بھی داخل ہیں لیکن ضمیر تو واحد کی ہے صرف ایک کی طرف پھرے گی اور اگر وہ ایک بجز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا ٹھہرایا جائے تو معنے فاسد ہوتے ہیں۔ لہٰذا بالضرورت ماننا پڑا کہ اس ضمیر کا مرجع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس صورت میں مَوتہٖ کی ضمیر کتابی کی طرف پھیری جائے گی۔

اگر آپ اس جگہ یہ اعتراض کریں کہ ایسے معنوں سے لیؤمننّ کا لفظ استقبال کے خالص معنوں میں کیونکر رہے گا تو میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ جیسے آپ کے معنوں میں رہا ہوا ہے۔ اس وقت ذرہ آپ متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں اور اس قادر سے مدد چاہیں جو سینوں کو کھولتا اور دلوں میں سچائی کا نور

نازل کرتا ہے۔حضرت سنیئے آپ اس آیت کے یہ معنے کرتے ہیں کہ ایک زمانہ قبل موت عیسیٰؑ کے ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب سب کے سب حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئیں گے۔اور بموجب روایت عکرمہ برعایت آپ کے نحوی قاعدہ کے یہ معنے ٹھہریں گے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب سب کے سب نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئیں گے جس ایمان کے طفیل مسیح ابن مریم پر بھی ایمان لانا انہیں نصیب ہو جائے گا۔اب حضرت اللہ جلّشانہٗ سے ڈر کر فرمایئے کہ کیا آپ کے قطعیة الدلالت ہونے کا دعویٰ بکلی نابود ہو گیا۔یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔آپ خوب سوچ کر اور دل کو تھام کر بیان فرماویں۔کہ آپ کی طرز تاویل میں کونسی خالص استقبال کی علامت خاص طور پر پائی جاتی ہے جو اس تاویل میں وہ نہیں پائی جاتی۔ناظرین برائے خدا آپ بھی ذرا سوچیں۔بہت صاف بات ہے ذرہ توجہ فرماویں۔اے ناظرین آپ لوگ جانتے ہیں کہ کئی دن سے مولوی صاحب کی یہی بحث لگی ہوئی تھی اور فقط اسی بات پر ان کی ضد تھی کہ لفظ لیؤمننّ لام اور نون ثقیلہ کی وجہ سے خالص استقبال کے معنوں میں ہو گیا ہے۔اور مولوی صاحب اپنے گمان میں یہ سمجھ رہے تھے کہ خالص استقبال صرف اس طور کے معنے کرنے سے متحقق ہوتا ہے کہ قبل موتہٖ کی ضمیر مسیح ابن مریم کی طرف پھیریں اور اس کی حیات کے قائل ہو جائیں۔اور اب اے بھائیو میں نے ثابت کر کے دکھلا دیا کہ خالص استقبال کیلئے یہ ضروری نہیں کہ قبل موتہٖ کی ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف پھیری جائے بلکہ اس جگہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف ضمیر بہٖ اور ضمیر قبل موتہٖ پھیرنے سے معنے ہی فاسد ہو جاتے ہیں۔کیونکہ فقط عیسیٰؑ پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی نہیں۔بلکہ سچے اور واقعی معنے اس طرز پر یہی ہیں کہ ضمیر بہٖ کی ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیری جائے اور ضمیر قبل موتہٖ کی کتابی کی طرف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں خود حضرت عیسیٰؑ وغیرہ انبیاء سب ہی آجائیں گے ؎ نام احمد نام جملہ انبیا است + چونکہ صد آمد نود ہم نزد ماست۔بھائیو برائے خدا خود سوچ لو کہ ان معنوں میں اور حضرت مولوی صاحب کے معنوں میں خالص مستقبل ہونے میں برابری کا درجہ ہے یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔بھائیو میں محض لِلّٰہ آپ لوگوں کے سمجھانے کیلئے پھر دوہرا کر کہتا ہوں کہ مولوی صاحب آیت لیؤمننّ بہٖ کے معنے یوں کرتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے سب کے سب ان پر ایمان لے آئیں گے۔اور میں حسب روایت حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جیسا کہ معالم وغیرہ میں لکھا ہے۔مولوی صاحب ﴿۸۱﴾

﴿۸۲﴾ کی ہی طرز پر یہ معنے کرتا ہوں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے سب موجودہ اہل کتاب اپنی موت سے پہلے ہمارے نبی کریم صلعم پر ایمان لے آئیں گے۔ بھائیو برائے خدا ذرہ نظر ڈال کر دیکھو کہ کیا خالص استقبال میری تاویل اور مولوی صاحب کی تاویل میں برابر درجہ کا ہے یا ابھی فرق رہا ہوا ہے۔ اب بھائیو انصافاً دیکھو کہ ان معنوں میں بہ نسبت مولوی صاحب کے معنوں کے کس قدر خوبیاں جمع ہیں۔ وہ اعتراض جو مولوی صاحب کی طرز پر ضمیر بہٖ کے تعین مرجع میں ہوتا تھا۔ وہ اس جگہ نہیں ہوسکتا۔ قراءت شاذہ اس تاویل کی مؤیّد ہے۔ اور بایں ہمہ خالص استقبال موجود ہے۔ اب اے حاضرین مبارک۔ مولوی صاحب کے دعویٰ قطعیّت کا بھانڈا پھوٹ گیا مگر تعصب اور طرف داری سے خالی ہوکر غور کرنا۔ مولوی صاحب نے اس بحث حیات مسیح کا حصر پانچ دلیلوں پر کیا تھا۔ چار دلیلوں کو تو انہوں نے خود چھوڑ دیا اور پانچویں کو خدا تعالیٰ نے حق کی تائید کر کے نیست ونابود کیا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا[1] ۱۵/۹ اب اے حاضرین۔ اے خدا تعالیٰ کے نیک دل بندو۔ سوچ کر دیکھو اور ذرہ اپنے فکر کو خرچ کر کے نگاہ کرو کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب کا کیا دعویٰ تھا۔ یہی تو تھا کہ آیت لیؤمنن بہٖ کے وہ سچے اور صحیح معنے ٹھہر سکتے ہیں جن میں لفظ لیؤمننّ کو خالص مستقبل ٹھہرایا جائے اور مولوی صاحب نے اپنے مضمون کے صفحوں کے صفحے اسی بات کے ثابت کرنے کیلئے لکھ مارے کہ نون ثقیلہ مضارع کے آخر مل کر خالص مستقبل کے معنوں میں لے آتا ہے۔ اسی دھن میں مولوی صاحب نے حضرت ابن عباس کے معنوں کو قبول نہیں کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ وہ معنے بھی نحویوں کے اجماعی عقیدہ کے برخلاف ہیں۔ سو ہم نے مولوی صاحب کی خاطر سے ابن عباس کے معنوں کو پیش کرنے سے موقوف رکھا اور روایت عکرمہ کی بنا پر وہ معنے پیش کئے جو خالص مستقبل ہونے میں بکلی مولوی صاحب کے معنوں سے ہمرنگ اور ان نقصوں سے مبرا ہیں جو مولوی صاحب کے معنوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مسیح پر ایمان لانے کے وقت ہمارے سید و مولا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کے ضمن میں ہر یک نبی پر ایمان لانا داخل ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اس ایمان کے لئے حضرت مسیح کو آسمانوں کے دارالسرور سے اس دارالابتلا میں دوبارہ لایا جائے۔ مثلاً دیکھئے کہ جو لوگ بقول آپ کے آخری زمانہ میں آنحضرت صلعم پر ایمان لائیں گے یا اب ایمان لاتے ہیں۔ کیا ان کے

[1] بنی اسرائیل: ۸۲

ایمان کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آویں۔ پس ایسا ہی یقین ﴿۸۳﴾
کیجئے کہ حضرت مسیح پر ایمان لانے کیلئے بھی دوبارہ ان کا دنیا میں آنا ضروری نہیں اور ایمان لانے اور
دوبارہ آنے میں کچھ تلازم نہیں پایا جاتا اور اگر آپ اپنی ضد نہ چھوڑیں اور ضمیر لیؤمننّ بہٖ کو
خواہ نخواہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف ہی پھیرنا چاہیں باوجود اس فساد معنے کے جس کا نقصان آپ کی طرف
عائد ہے۔ ہماری طرز بیان کا کچھ بھی حرج نہیں کیونکہ ہمارے طور پر برعایت خالص استقبال کے پھر
اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے سب اہل کتاب اپنی موت سے پہلے
حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آویں گے۔ سو یہ معنے بھی خالص استقبال ہونے میں آپ کے معنے کے
ہم رنگ ہیں کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ ابھی تک وہ زمانہ نہیں آیا جو سب کے سب موجودہ اہل کتاب
حضرت عیسیٰؑ پر یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہوں۔ لہٰذا خالص استقبال کے رنگ
میں اب تک یہ پیشگوئی موافق ان معنوں کے چلی آتی ہے۔ اب اگر ہماری اس تاویل میں آپ کوئی
جرح کریں گے تو وہی جرح آپ کی تاویل میں ہوگی۔ یہاں تک کہ آپ پیچھا چھڑا نہیں سکیں گے۔
جن باتوں کو آپ اپنے پرچوں میں قبول کر بیٹھے ہیں انہیں کی بنا پر میں نے یہ تطبیق کی ہے۔ اور جس طرز
سے آپ نے آخری زمانہ میں اہل کتاب کا ایمان لانا قرار دیا ہے اسی طرز کے موافق میں نے آپ کو
ملزم کیا ہے اور اسی خالص استقبال کے موافق خالص استقبال پیش کر دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ
کے وقت سے اس آیت کو ذوالوجوہ قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ ابن کثیر نے زیر ترجمہ اس آیت کے یہ
لکھا ہے قال ابن جریر اختلف اھل التاویل فی معنی ذٰلک فقال بعضھم معنی ذٰلک
وان من اھل الکتاب الا لیؤمننّ بہٖ قبل موتہٖ یعنی قبل موت عیسٰی وقال اخرون یعنی
بذلک وان من اھل الکتاب اَلّا لیؤمنن بعیسی قبل موت الکتابی ذکر من کان یوجہ
ذٰلک الی انہ اذا عاین علم الحق من الباطل. قال علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس
فی الاٰیۃ قال لایموت یھودی حتی یومن بعیسٰی و کذاروی ابوداؤد الطیالسی عن
شعبۃ عن ابی ھارون الغنوی عن عکرمۃ عن ابن عباس فھٰذہ کلھا اسانید صحیحۃ
الی ابن عباس وقال اٰخرون معنی ذٰلک وان من اھل الکتاب اَلّا لیؤمننّ

﴿۸۴﴾ بہ محمدؐ قبل موت الکتابی یعنی اس آیت کے معنے میں اہل تاویل کا اختلاف چلا آیا ہے۔ کوئی ضمیر قبل موتہ کی عیسٰیؑ کی طرف پھیرتا ہے اور کوئی کتابی کی طرف اور کوئی بہٖ کی ضمیر حضرت عیسٰیؑ کی طرف پھیرتا ہے اور کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ پس گو ابن جریر یا ابن کثیر کا اپنا مذہب کچھ ہو یہ شہادت تو انہوں نے بڑی بسط سے بیان کردی ہے کہ اس آیت کے معنے اہل تاویل میں مختلف فیہ ہیں اور ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ مسیح ابن مریم کے نزول اور حیات پر قطعی دلالت اس آیت کی ہرگز نہیں اور یہی ثابت کرنا تھا۔

اب بعد اس کے کسی قدر بطور نمونہ مسیح ابن مریم کی وفات پر دلائل لکھے جاتے ہیں واضح ہو کہ قرآن کریم میں یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ [1] موجود ہے۔ قرآن کریم کے عموم محاورہ پر نظر ڈالنے سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام قرآن میں توفّی کا لفظ قبض روح کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ یعنی اس قبض روح میں جو موت کے وقت ہوتا ہے دو جگہ قرآن کریم میں وہ قبض روح بھی مراد لیا ہے جو نیند کی حالت میں ہوتا ہے۔ لیکن اس جگہ قرینہ قائم کر دیا ہے جس سے سمجھا گیا ہے کہ حقیقی معنے توفّی کے موت لئے ہیں۔ اور جو نیند کی حالت میں قبض روح ہوتا ہے وہ بھی ہمارے مطلب کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اسکے تو یہی معنے ہیں کہ کسی وقت تک انسان سوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اپنے تصرف میں لے لیتا ہے اور پھر انسان جاگ اٹھتا ہے سو یہ وقوعہ ہی الگ ہے اس سے ہمارے مخالف کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ بہرحال جب کہ قرآن میں لفظ توفّی کا قبض روح کے معنوں میں ہی آیا ہے اور احادیث میں ان تمام مواضع میں جو خدا تعالیٰ کو فاعل ٹھہرا کر اس لفظ کو انسان کی نسبت استعمال کیا ہے جا بجا موت ہی معنے لئے ہیں۔ تو بلاشبہ یہ لفظ قبض روح اور موت کیلئے قطعیۃ الدلالت ہو گیا۔ اور بخاری جو اصح الکتب ہے اس میں بھی تفسیر آیت فلمّا توفّیتنی کی تقریب میں متوفّیک کے معنے ممیتک لکھا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ موت اور رفع میں ایک ترتیب طبعی واقع ہے ہر یک مومن کی روح پہلے فوت ہوتی ہے پھر اس کا رفع ہوتا ہے۔ اسی ترتیب طبعی پر یہ ترتیب وضعی آیت کی دلالت کر رہی ہے کہ پہلے انّی متوفّیک فرمایا اور پھر بعد اسکے رافعک کہا اور اگر کوئی کہے کہ رافعک مقدم اور متوفّیک مؤخر ہے۔ یعنی رافعک آیت کے سر پر اور متوفّیک فقرہ جَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡکَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا [2] کے بعد اور بیچ میں یہ فقرہ محذوف ہے ثم منزّلک الی الارض سو یہ ان یہودیوں کی طرح تحریف ہے جن پر بوجہ تحریف کے لعنت ہو چکی ہے کیونکہ اس صورت میں اس

[1] [2] آل عمران : ۵۶

آیت کو اس طرح پر زیر و زبر کرنا پڑے گا۔ یاعیسی انی رافعک الی السماء و مطھرک من الذین کفروا وجاعل الّذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیٰمۃ ثم منزلک الی الارض و متوفّیک اب فرمائیے کیا اس تحریف پر کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل مل سکتی ہے۔ یہودی بھی تو ایسے ہی کام کرتے تھے کہ اپنی رائے سے اپنی تفسیروں میں بعض آیات کے معنے کرنے کے وقت بعض الفاظ کو مقدم اور بعض کو مؤخر کر دیتے تھے جنکی نسبت قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے کہ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ [1] ان کی تحریف ہمیشہ لفظی نہیں تھی بلکہ معنوی بھی تھی۔ سو ایسی تحریفوں سے ہر یک مسلمان کو ڈرنا چاہئے۔ اگر کسی حدیث صحیح میں ایسی تحریف کی اجازت ہے تو بسم اللہ وہ دکھلائیے۔ غرض آیت یَاعیسٰی اِنّی متوفیک میں اگر قرآن کریم کا عموم محاورہ ملحوظ رکھا جائے اور آیت کو تحریف سے بچایا جائے تو پھر موت کے بعد اور دوسرے معنے کیا نکل سکتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آیت میں رَافِعُکَ اِلَیَّ وارد ہے رافعک اِلَی السَّمَآء وارد نہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ روح کوئی مکانی چیز نہیں ہے بلکہ اسکے تعلقات مجھول الکنہ ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد ایک تعلق روح کا قبر کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور کشف قبور کے وقت ارباب مکاشفات پر وہ تعلق ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب قبور اپنی اپنی قبروں میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان سے صاحب کشف کے مخاطبات و مکالمات بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ بات احادیث صحیحہ سے بھی بخوبی ثابت ہے۔ صلوٰۃ فی القبر کی حدیث مشہور ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ مردے جوتی کی آواز بھی سن لیتے ہیں اور السّلام علیکم کا جواب دیتے ہیں باوجود اسکے ایک تعلق ان کا آسمان سے بھی ہوتا ہے اور اپنے نفسی نقطہ کے مکان پر ان کا تمثّل مشاہدہ میں آتا ہے اور ان کا رفع مختلف درجات سے ہوتا ہے بعض پہلے آسمان تک رہ جاتے ہیں بعض دوسرے تک بعض تیسرے تک لیکن موت کے بعد رفع روح بھی ضرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح اور آیت لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ [2] $\frac{8}{12}$ صریح اشارہ کر رہی ہے لیکن ان کا آسمان پر ہونا یا قبروں میں ہونا ایک مجھول الکنہ امر ہے۔ عنصری خاکی جسم تو ان کے ساتھ نہیں ہوتا کہ خاکی اجسام کی طرح ایک خاص اور حیز اور مکان میں ان کا پایا جانا ضروری ہو۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے رَافِعُکَ اِلَیَّ فرمایا رَافِعُکَ اِلَی السَّمَآءِ نہیں کہا کیونکہ جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں وہ خاص طور پر ﴿۸۵﴾

[1] المائدۃ : ۱۴ [2] الاعراف: ۴۱

﴿۸۶﴾ کسی مکان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے بلکہ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ [1] ہوتے ہیں۔ یعنی اگر ان کا کوئی خاص مکان ہے تو یہی مکان ہے کہ خدا تعالیٰ کے قرب کا مکان جو حسب استعداد ان کو ملتا ہے اب جب کہ قرآن کریم میں رافعک الَیَّ ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ میں تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ اگر جسمانی طور پر رفع مراد لیا جائے تو سخت اشکال پیش آتا ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ بخاری سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح معہ اپنے خالہ زاد بھائی کے دوسرے آسمان پر ہیں۔ تو کیا خدا تعالیٰ دوسرے آسمان میں بیٹھا ہوا ہے تا دوسرے آسمان میں ہونا رافعک اِلَیَّ کا مصداق ہو جائے۔ بلکہ اس جگہ روحانی رفع مراد ہے جس کا حسب مراتب ایک خاص آسمان سے تعلق ہے۔ بخاری میں حدیث معراج کی پڑھو اور غور سے دیکھو۔ اب خلاصہ کلام یہ کہ ان تمام وجوہات کی رو سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے ہیں بلا شبہ آیت اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر قطعیۃ الدلالت ہے۔ عموم محاورہ قرآن شریف کا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت سے متوفّیک کے معنے ممیتک لکھے ہیں اور بخاری نے کسی صحابی کی روایت سے کوئی دوسرے متوفّیک کے معنے ہرگز اپنی صحیح میں نہیں لکھے اور نہ مسلم نے لکھے ہیں۔ بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول ہونے کی حالت میں بجز قبض روح کے اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے۔ اسی بنا پر میں نے ہزار روپیہ کا اشتہار بھی دیا ہے۔ اب اگر یہ آیت مسیح ابن مریم کی وفات پر قطعیۃ الدلالت نہیں تو دلائل مذکورہ بالا اور نیز دلائل مفصلہ مبسوطہ ازالہ اوہام کا جواب دینا چاہئے تا آپ کو ہزار روپیہ بھی مل جائے اور اپنے بھائیوں میں علمی شہرت بھی حاصل ہو جائے۔

دوسری دلیل مسیح ابن مریم کی وفات پر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس کو امام بخاری اپنی کتاب التفسیر میں اسی غرض سے لایا ہے کہ تا یہ ظاہر کرے کہ لمّا توفّیتنی کے معنے لَمَّا اَمَتَّنِیْ ہے اور نیز اسی غرض سے اس موقعہ پر ابن عباس کی روایت سے متوفّیک مُمِیتک کی بھی روایت لایا ہے تا ظاہر کرے کہ لمّا توفّیتنی کے وہی معنی ہیں جو انی متوفیک کے معنی ابن عباس نے ظاہر فرمائے ہیں۔ اس مقام پر بخاری کو غور سے دیکھ کر ادنیٰ درجہ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ توفّیتنی کے معنی امتنی ہیں یعنی تو نے مجھے مار دیا۔ اس میں تو کچھ شبہ

[1] القمر: ۵۶

نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں اور مدینہ منورہ میں آپ کا مزار موجود ہے۔ پھر ﴿۸۷﴾
جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی لفظ فلمّا توفّیتنی کا حدیث بخاری میں اپنے لئے
اختیار کیا ہے اور اپنے حق میں ویسا ہی استعمال کیا ہے جیسا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حق میں مستعمل تھا تو
کیا اس بات کو سمجھنے میں کچھ کسر رہ گئی کہ جیسا کہ آنحضرت صلعم وفات پا گئے ویسا ہی حضرت مسیح ابن
مریم بھی وفات پا گئے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی آیات اور مفہوم آیات میں کسی طور سے
تحریف جائز نہیں۔ اور جو کچھ اصل منشاء اور اصل مفہوم اور اصل مراد ہر یک لفظ کی ہے اس سے عمداً
اس کو اور معنوں کی طرف پھیر دینا ایک الحاد ہے جس کے ارتکاب کا کوئی نبی یا غیر نبی مجاز نہیں ہے
اسلئے کیونکر ہوسکتا ہے کہ نبی معصوم بجز حالت تطابق کلی کے جو فی الواقع مسیح کی وفات سے اس کی
وفات کو تھی لفظ فلمّا توفّیتنی کو اپنے حق میں استعمال کرسکتا اور نعوذ باللہ تحریف کا مرتکب ہوتا بلکہ
ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم امام المعصومین وسید المحفوظین نے (روحی فداء سبیله) لفظ
فلمّا توفّیتنی کا نہایت دیانت وامانت کے ساتھ انہیں مقررہ معینّہ معنوں کے ساتھ اپنے حق میں
استعمال کیا ہے کہ جیسا کہ وہ بعینہٖ حضرت عیسیٰؑ کے حق میں وارد ہے۔ اب بھائیو اگر حضرت سید و
مولانا بجسده العنصری آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور فوت نہیں ہوئے اور مدینہ
میں ان کا مزار مطہر نہیں تو گواہ رہو کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ ایسا ہی حضرت عیسیٰؑ بھی آسمان کی طرف
بجسده العنصری اٹھائے گئے ہوں گے اور اگر ہمارے سید و مولیٰ وسید الکل ختم المرسلین افضل
الاولین و الاٰخرین اول المحبوبین والمقربین درحقیقت فوت ہو چکے ہیں تو آؤ خدا تعالیٰ سے ڈرو
اور فلما توفیتنی کے پیارے لفظوں پر غور کرو جو ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
میں اور اس عبد صالح میں مشترک بیان کئے۔ جس کا نام مسیح ابن مریم ہے بخاری اس مقام میں سورۂ
آل عمران کی یہ آیت اِنّیْ مُتَوَفِّیْکَ کیوں لایا اور کیوں ابن عباس سے روایت کی کہ
مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ اس کی وجہ بخاری کے صفحہ ۶۶۵ میں شارح بخاری نے یہ لکھی ہے۔ ھٰذِہٖ
الاٰیة مُتَوَفِّیْکَ من سورة ال عمران ذکر ھھنا لمناسبة فلمّا توفّیتنی یعنی یہ آیت
اِنّی مُتَوَفِّیْکَ سورت آل عمران میں ہے اور بخاری نے جو اس جگہ اس آیت کے ابن عباس سے
یہ معنے کئے کہ متوفّیک مُمِیْتُکَ تو اس کا یہ سبب ہے کہ بخاری نے فلمّا توفّیتنی

﴿۸۸﴾ کے معنی کھولنے کیلئے بوجہ مناسبت یہ فقرہ لکھ دیا ورنہ آل عمران کی آیت کو اس جگہ ذکر کرنے کا کوئی محل نہ تھا۔ اب دیکھئے شارح نے بھی اس بات کو قبول کر لیا ہے کہ امام بخاری اِنّی متوفّیک مُمِیتک کے لفظ کو شہادت کے طور پر بہ تقریب تفسیر آیت **فلما توفیتنی** لایا ہے اور کتاب التفسیر میں جو بخاری نے ان دونوں متفرق آیتوں کو جمع کر کے لکھا ہے تو بجز اس کے اس کا اور کیا مدعا تھا۔ کہ وہ حضرت عیسٰیؑ کی وفات خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت کر چکا ہے۔ اب جب کہ اصح الکتاب کی حدیث مرفوع متصل سے جس کے آپ طالب تھے حضرت عیسٰیؑ کی وفات ثابت ہوئی۔ اور قرآن کی **قطعیة الدلالت** شہادت اس کے ساتھ متفق ہوگئی۔ اور ابن عباس جیسے صحابی نے بھی موت مسیح کا اظہار کر دیا۔ تو اس دوہرے ثبوت کے بعد اور کس ثبوت کی حاجت رہی۔ میں اس جگہ اور دلائل لکھنا نہیں چاہتا۔ میری کتاب ازالہ اوہام موجود ہے آپ اس کو ردّ کر کے دکھلاویں۔ خود حق کھل جائے گا۔ حضرت عیسٰیؑ وفات پا چکے اب آپ کسی طور سے ان کو زندہ نہیں کر سکتے۔

اب میں نے حضرت! اصل مدعا کا فیصلہ کر دیا۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ جب میری اور آپ کی تحریریں شائع ہونگی۔ منصف لوگ خود دیکھ لیں گے۔ آپ نے ایک ذوالوجوہ آیت کو جس کے قطعی طور پر ایک معنے ہرگز قائم نہیں ہو سکتے **قطعیة الدلالة** ٹھہرانا چاہا تھا۔ میں نے اس طرح کہ جیسے دن چڑھ جاتا ہے آپ کو دکھلا دیا کہ وہ آیت حضرت عیسٰیؑ کی زندگی پر ہرگز ہرگز **قطعیة الدلالت** نہیں۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اسکے ضمیروں میں ہی کسی قدر گڈمڈ پڑا ہوا ہے۔ کوئی کسی طرف پھیرتا ہے اور کوئی کسی طرف۔ نہ حال کے ایک معنے ٹھہر سکتے ہیں اور نہ خالص استقبال کے ایک معنے۔ پھر وہ **قطعیة الدلالت** کیونکر ہوگئی؟ کیا **قطعیة الدلالت** اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی اسکی ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف پھیرے اور کوئی ہمارے سید و مولا نبی عربی خاتم الانبیاءؐ کی طرف اور کوئی حضرت عیسٰیؑ کی طرف اور کوئی **قبل موته** کی ضمیر حضرت عیسٰیؑ کی طرف پھیرے اور کوئی کتابی کی طرف جب کہ تعین مرجع میں ہی ابتداء سے یہ تفرقہ چلا آیا ہے۔ اور پھر اہل کتاب کے لفظ میں بھی تفرقہ اور اختلاف ہے کہ وہ کس زمانہ کے اہل کتاب میں ہیں۔ اور پھر بقول آپ کے ایمان لانے والوں کا زمانہ بھی ایک نشاندہی کے ساتھ مقرر اور معین نہیں۔ تو پھر انصافاً فرمائیے کہ باوجود ان سب آفتوں کے یہ آیت **قطعیة الدلالت** کیونکر ٹھہرے گی۔ قرآن کریم کے کئی مقامات سے ثابت ہو رہا ہے

کہ اس دنیا کے زوال تک کفار اہل کتاب باقی رہیں گے پھر یہ تاویل کہ کسی وقت قیامت سے پہلے پہلے کل اہل کتاب مسلمان ہو جائیں گے کس طور سے صحیح ٹھہر سکتی ہے۔ کیا کوئی اور بھی آیت اپنے کھلے کھلے اور بیّن منطوق سے اس بات کی مصدق ہے کہ ضرور ہے کہ آخری وقت میں قیامت سے پہلے تمام اہل کتاب مسلمان ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کی نصوص بینہ قطعیۃ الدلالت کو محض ایک ذوالوجوہ اور متشابہ آیت پر نظر رکھ کر ردّ کر دینا دیانت کا کام نہیں ہے۔ اللہ جلّشانہ فرماتا ہے کہ متشابہات کا اتباع وہ کرتے ہیں جن کے دل میں کجی ہے اور صراط مستقیم کے پابند نہیں ہیں۔ پھر وہب اور محمد بن اسحاق اور ابن عباس واقع موت کے قائل ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت مسیح پر صریح شہادت دیتے ہیں اور امام بخاری خود اپنا مذہب یہی ظاہر کرتے ہیں تو پھر باوجود ان مخالفانہ ثبوتوں کے قَبلَ موتہٖ کی ضمیر کیونکر قطعی طور پر حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھر سکتی ہے۔ اور میں نے آپ کے خالص مستقبل کا بھی پورا پورا فیصلہ کر دیا ہے طالب حق کیلئے کافی ہے۔ ﴿۸۹﴾

پھر آپ اپنے پرچہ کے اخیر میں فرماتے ہیں کہ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین و جملہ صحابہ و تابعین مسیح ابن مریم کی موت سے منکر اور حیات جسمانی کے قائل ہیں اس کے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کے ساتھ کوئی عامی اور بے خبر مفسر ہوگا۔ ہمارے ساتھ اللہ جلّ شانہٗ اور اس کا پیارا اور برگزیدہ رسول ہے۔ کیا اس حدیث کے موافق جو کتاب التفسیر میں امام بخاری نے لکھی ہے اور ابن عباس کا قول اسکی تائید میں ذکر کیا ہے۔ آپکے پاس اس پایہ کی کوئی حدیث ہے جسکے الفاظ متنازعہ فیہ کے بارے میں ابن عباس جیسے صحابی کی شرح ہی ہو تو وہ حدیث آپکو شائع کرنی چاہئے اور جیسا کہ اصح الکتب بخاری میں ابن عباس سے اِنّی متوفّیک کی شرح اِنّی مُمیتک منقول ہے۔ بھلا ایسی اصح الکتب میں سے کسی اور صحابی کے حوالہ سے متوفّیک کے کوئی اور معنے بھی تو ثابت کر کے دکھلاویں۔ آپ جانتے ہیں کہ بخاری تنقید میں اول درجہ پر ہے اور وہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات بیان کر چکا ہے اور اسکے صفحہ ۶۶۵ میں ایک جلیل الشان صحابی ابن عم رسول اللہ متوفّیک کے معنے مُمیتک بتلا رہا ہے۔ اور جو آنکھیں رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ امام بخاری اس آل عمران کی آیت کو برموقعہ تفسیر فلمّا توفّیتنی کیوں لایا۔ اور ابن عباس کا قول کیوں پیش کیا۔ اور آیت فلمّا توفّیتنی کو کتاب التفسیر میں کیوں درج کیا۔ میں نے تو صحابی کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ بھی آپ کے سامنے رکھ دیا۔

اور صحابی بھی پیش کر دیا۔ آپ اگر سچے ہوں تو اسی کتاب اصح الکتب سے کوئی حدیث اس پایہ کی پیش ﴿۹۰﴾
کریں جس سے حضرت مسیح کی زندگی جسمانی ثابت ہوتی ہو لیکن ایسا نہ کریں کہ آیت لیؤمننّ کی طرح کوئی ذوالوجوہ اور محجوب المفہوم حدیث پیش کر دیں آپ جانتے ہیں کہ آیت لیؤمننّ کے متعلق چند روز کسی قدر ہم دونوں کا وقت ضائع ہوا۔ اور آخر آپ کا دعویٰ **قطعیۃ الدلالت** صریح باطل نکلا اور آپ نے جن پانچ دلیلوں پر حصر کیا تھا وہ **ھباءً منثورًا** کی طرح نابود ہو گئیں۔ حضرت آپ ناراض نہ ہوں۔ اگر پہلے سے آپ سوچ لیتے تو میرا عزیز وقت ناحق آپ کے ساتھ ضائع نہ ہوتا۔ اب جب کہ آپ کے ان اول درجہ کے دلائل کی جن کو آپ نے تمام ذخیرہ سے چن کر پیش کیا تھا۔ آخر میں یہ کیفیت نکلی تو میں کیونکر اعتبار کروں کہ آپ کے دوسرے دلائل میں کچھ جان ہوگی۔ اور آج جیسا کہ آپ کی طرف سے تین پرچے لکھے جا چکے ہیں میری طرف سے بھی تین پرچے ہو گئے۔ اب یہ چھ پرچے ہم دونوں کی طرف سے بجنسہٖ چھپ جانے چاہئیں پبلک خود فیصلہ کر لے گی کہ میں نے آپ کے دلائل پیش کردہ کو توڑ دیا ہے یا نہیں۔ اور آپ کی پیش کردہ آیت کیا درحقیقت **قطعیۃ الدلالت** ہے یا ذوالوجوہ بلکہ آپ کے طور پر معنے کرنے سے قابل اعتراض ٹھہرتی ہے یا نہیں۔ چونکہ مساوی طور پر ہم دونوں کے پرچے تحریر ہو چکے ہیں۔ تین آپ کی طرف سے اور تین میری طرف سے۔ اس لئے یہی پرچے بلاکم و بیش چھپ جائیں گے اور ہم دونوں میں سے کسی کو اختیار نہ ہوگا کہ غائبانہ طور پر کچھ اور زیادہ یا کم کرے۔ یہ پھر یاد رہے کہ تین پرچوں پر طبعی طور پر فریقین کے بیانات ختم ہو گئے ہیں اور اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جب پبلک کی طرف سے منصفانہ رائیں شائع ہوں گی اور ثالثوں کے ذریعہ سے صحیح رائے جو حق کی مؤیّد ہو پیدا ہو جائے گی۔ تو اس تصفیہ کیلئے آپ تحریری طور پر دوسرے امور میں بھی بحث کر سکتے ہیں۔ لیکن اس تحریری بحث کیلئے میرا اور آپ کا دہلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں۔ جب کہ تحریری بحث ہے تو دور رہ کر بھی ہو سکتی ہے۔ میں مسافر ہوں اب مجھے زیادہ اقامت کی گنجائش نہیں۔

ملاحظہ:- اس مباحثہ سے متعلق مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب کے مابین جو مراسلت ہوئی اور ’’الحق‘‘ میں طبع شدہ ہے ذیل میں اس غرض سے شائع کی جاتی ہے کہ تا اس زمانہ کے مولویوں کی طرز مناظرہ اور ان کی علوم رسمیہ سے وابستگی اور علم قرآن مجید سے بیگانگی پوری طرح آشکارا ہو جائے۔ (شمس)

۹۱

مرآسلت نمبر (۱)

مابین

مولوی محمد بشیر صاحب

اور

مولوی سید محمد احسن صاحب

مولوی محمد بشیر صاحب

حامداً مصلیاً مبسملاً

مکرم معظم بندہ جناب مولوی محمد احسن صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ عنایت نامہ مورخہ ۲؍ربیع الثانی پہنچا۔ مشرف فرمایا مندرجہ پر آگاہی حاصل ہوئی چونکہ بحث حیات و وفات مسیح علیہ السلام کی مبنی ادلہ شرعیہ پر ہے الہام کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور گو جناب مرزا صاحب کو الہام میں کیسا ہی ید طولیٰ ہو لیکن خاکسار کے زعم میں علوم رسمیہ میں آپ کو ان پر ترجیح ہے اس لئے آپ کو میں احق بالمباحثہ جانتا ہوں۔ علاوہ اس کے خاکسار کے اور آپ کے درمیان میں جو علاقہ محبت قبل اس کے کہ آپ جناب مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے معتقد ہوں مستحکم تھا وہ اظہر من الشمس ہے۔ گویا ہم دونوں مصداق اس شعر کا تھے۔ ؎
وکنّا کندمانی جذیمۃ حقبۃ + من الدھر حتّٰی قیل لن یتصدعا ۔ اور یہ محبت محض دینی تھی نہ دنیوی اور جب سے آپ جناب مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے معتقد ہوئے ہیں۔ جب سے ہم دونوں مصداق اس شعر کا ہیں ؎ فلما تفرقنا کانی ومالکا + لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا ۹۲

اور یہ ہجران بھی محض دین کیلئے ہے نہ کسی غرض دنیوی سے اور اس مرض ہجران کا علاج میرے نزدیک کوئی نہیں ہے۔ سوا اس کے کہ میرے اور آپ کے درمیان میں مباحثہ تحریر حیات و وفات مسیح علیہ السلام میں محض اظہارًا للصواب واقع ہوجاوے کیونکہ میں سچے دل سے آپ سے کہتا ہوں کہ اگر وفات میرے نزدیک ثابت ہوجاوے گی تو میں بے تامل اپنے قول سے رجوع کرلوں گا۔ واللّٰہ علی ما اقول وکیل اور آپ کے ساتھ بھی مجھ کو حسن ظن یہی ہے۔ پس امید قوی ہے کہ بعد مباحثہ کے سبب مرض انشاء اللہ تعالیٰ زائل ہوجائے گا۔ رہے لوازم بشریت وظہور فساد فی البر والبحر سو اگر میں اور آپ تہذیب عقلی و نقلی کا التزام کرلیں تو ان کے مفاسد و شرور سے بچنا آسان امر ہے اور طریقۂ مناظرہ مستحسن یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہم میں سے مدعی بنے اور دوسرا مجیب اور مدعی کی تین تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ اور مجیب کی دو تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔ اس کے بعد عکس الامر ہو یعنی جو مجیب تھا وہ مدعی بنے اور مدعی مجیب اور یہاں بھی مدعی کی تین تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔ اور مجیب کی دو تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔ اس طریقہ میں فائدہ یہ ہے کہ بحث اس امر کی اٹھ جائے گی کہ دراصل کون مدعی ہے اور کون مجیب اور ہر ایک کو اپنے دعوے کی دلیل بیان کرنے اور مخالف کی دلیل کے رد کرنے کا علی السبیل المساوات خوب موقع ملے گا۔ اور پرچے بھی دونوں کے مساوی العدد ہوجائیں گے۔ خاکسار کی جانب سے آپ کو اختیار ہے چاہے پہلے مدعی بنئے چاہے مجیب۔ امید کہ جواب رقعہ ھذا سے جلد اور ضرور مشرف فرمائیے والسلام خیر الختام۔ مورخہ ۷/ ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ

محمد بشیر عفی عنہ

مولوی سید محمد احسن صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مبسملًا محمدلًا مصلّیًا مسلّمًا۔ مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد بشیر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ نامہ نامی عزثانی نے مذاق وچاشنی قند مکرر عطا فرما کر سرفراز و ممتاز فرمایا اور درخواست مکرر مباحثہ کو دیکھ کر حیران ہوا کہ مولانا صاحب تو معرکۃ العلماء میں دہلی سے بقول خود فتح عظیم حاصل کر کے تشریف لائے ہیں اور

ایکؔ ایسے نامی گرامی شخص کو جو دنیا بھر میں معروف ومشہور ہے شکست دی ہے پھر اس ہیچمدان ونالائق سے درخواست مباحثہ کیوں ہے۔ **من المثل السائر فی الورٰی و کل الصید فی جوف الفرٰی** یہ امر مجرب ہے۔ کہ اعالی پر فتح پا کر ادنیٰ کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ یا الٰہی! یہ عالم رؤیا ہے یا **یقظہ** کیونکہ جناب کا صرف درخواست مباحثہ کرنا اس ہیچمدان سے خصوصاً کل بروز جمعہ جلسہ وعظ میں باعث نہایت عزت اور فخر کا ہے اگر چہ روبرو جناب کے ہیچمدان محض ساکت وصامت ہی ہوجاوے تو بھی باعث فخر ہے اکھاڑے میں نامی پہلوان سے بھاگے ہوئے کو بڑی عزت حاصل ہوجاتی ہے۔ کاش اگر یہ درخواست مباحثہ قبل اس فتح عظیم کے واقع ہوتی تو بھی شائد اپنے موقع اور محل پر ہوتی۔ یا الٰہی یہ ترقی معکوس کیسی ہے۔ ؎ اینکہ می بینم بہ بیداریست یا رب یا بخواب۔ ہر حال اس خواب کی تعبیر جو خیال ناقص میں آئی ہے **خیر لنا و شرٌّ لاعدائنا** پھر عرض کروں گا۔ جواب عنایت نامہ گزارش کرتا ہوں۔ ﴿۹۳﴾

گزارش اوّل

جناب والا نے بروقت تشریف آوری کے دہلی سے جب نیاز مند خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو زبان فیض ترجمان سے یہ مضمون ارشاد فرمایا تھا الفاظ کچھ ہوں مگر مطلب یہی تھا کہ یہ مباحثہ میرا علی الرغم مولانا سید نذیر حسین صاحب و محمد حسین وغیرہ کے واقع ہوا ہے بلکہ ان علماء نے بہ سبب نہ شریک کرنے انکے کے مباحثہ میں حتّٰی کہ جلسہ بحث میں بھی جب شریک نہ کیا تو بخدمت حضرت مرزا صاحب سلمہ ان علما نے یہ تحریر کر بھیجا کہ اس مباحثہ کی فتح وشکست کا اثر ہم پر نہ پہنچے گا اور یہ خبر سب دہلی میں بھی مشہور ہوگئی تھی اور یہ بات علاوہ ہے کہ یہ درخواست فریق ثانی کی تھی مگر آپکی رائے عالی بھی یہی تھی۔ اسی ضمن میں اور بھی چند باتیں ارشاد فرمائیں جن کو پھر عرض کروں گا۔ آخر اسی جلسہ میں یہ بھی فرمایا کہ بشرطاسکے کہ تم ہماری تحریر میں کوئی نقص وجرح نہ کرو تو ہم اسکو سنا بھی دیویں گے۔ اس پر اٰمنّا و سلّمنا کہا گیا اور وعدہ یہ قرارداد پایا کہ غریب خانہ پر بوقت صبح آپ تشریف لاویں گے اور خلوت میں سب سنا دیا جاوے گا۔ صبح کو ہیچمدان منتظر رہا کہ مولوی صاحب حسب الوعدہ اب تشریف لاتے ہوں گے **الکریم اذا وعد وفا** لیکن یہ امید مبدل بیاس ہوگئی ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ صرف نوازش نامہ صادر ہوا جس میں چند امور تحریر فرمائے گئے تھے منجملہ ان کے خلف وعدہ کا یہ عذر تھا۔ کہ یہ مباحثہ تم کو تمہارے مکان پر سنانا وجتانا خلاف مصلحت ہے کیونکہ خدا خدا کر کر تو مجھ پر سے الزام واتّہام ﴿۹۴﴾

رفع ہوا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔مولوی صاحب ایسے مباحثہ کا اس ہیچمدان سے اخفا کرنا جس کی نسبت سنتا ہوں کہ ہمارے مولوی صاحب کو فتح ہوئی اور حضرت مرزا صاحب کی شکست اور برملا ایک شہر کلاں دہلی میں واقع ہوا۔ ہر ایک تحریر پر فریقین کے دستخط ہوئے۔ جس میں تحریف وتبدیل کی گنجائش نہیں اور عنقریب بذریعہ طبع اس کو آپ شائع بھی کرنے والے ہیں خواہ ادھر سے شائع ہو یا نہ ہو پھر اس کے اخفا میں کیا مصلحت تھی ؎ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ اگر کوئی مقدمہ اس کا بطور مقاصد کے لکھا جارہا ہے جیسا کہ سننے میں آیا ہے تو وہ بعد از جنگ یاد آید کا مصداق ہے۔ اصول مقاصد مباحثہ میں اس کو دخل ہی کیا ہے۔ جملہ مقدمات مقاصد جو مناط اور مدار استدلال ہیں سب اس میں موجود اور مرتب ہو چکے ہوں گے پھر اس کے اخفا میں کبھی تو یہ عذر فرمانا کہ وہ تحریرات ابھی پراگندہ ہیں اس لئے بالفعل بھیج نہیں سکتا ہوں اور کبھی اس کے اخفا میں کسی مصلحت کی رعایت فرمانا فہم ناقص میں نہیں آتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہیچمدان آپ کو اظہار حق وصواب میں ایک شمشیر برہنہ تصور کرتا ہے۔ الحاصل جب کہ اس ہیچمدان کی نسبت زبانی یہ تاکید تھی کہ یہ مباحثہ تجھ کو جب سنایا جاوے گا کہ تو اس میں بالکل خاموش رہے اور پھر باوجود قبول کر لینے اس شرط کے وہ سنایا بھی نہ گیا کہ مصلحت کے خلاف تھا تو اب احقر کو واسطے مباحثہ کے امر فرمانا مناقض اس امر کے ہے جس کا حکم اول ہو چکا ہے امور متناقضہ کے ساتھ کسی مجھ سے عاجز ناتوان یا ہیچمدان کا مکلّف کرنا تکلیف مالا یطاق ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا [1] اب اگر مباحثہ ہی مطلوب ہے تو اول وہی مباحثہ دہلی واسطے مطالعہ کے روانہ فرمایا جاوے اسی پر نظر عاجز ہو سکتی ہے۔

گزارش ثانی

مدت تخمیناً سات آٹھ ماہ کی گذری ہوگی کہ جب حضرت مرزا صاحب کے بارے میں فیمابین احقر وجناب کے تذکرہ ہوا کرتا تھا تو جناب نے اس ہیچمدان کو یہ مشورہ بدیں خلاصہ مضمون دیا کہ اس بارہ میں برملا گفتگو ہونا مناسب نہیں عوام بھڑک جاتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ خلوت میں ہی گفتگو ہوا کرے احقر نے بھی اس کو مصلحت سمجھ کر قبول کیا اور یہ قرارداد ہوا کہ تمہارے ہی مکان میں یہ جلسہ ہوا کرے گا۔ چنانچہ خلوت میں تین جلسے ہوئے اور ہیچمدان نے اللہ تعالیٰ کو شاہد کر کر اول بدیں خلاصہ

[1] البقرة: ۲۸۷

مضمون اقرار کیا کہ چونکہ یہ جلسہ خالصاً للہ ہے اس واسطے میں عہد کرتا ہوں کہ جو امر احقر کے فہم ناقص ﴿۹۵﴾
میں صواب ہو اور نفس الامر میں غلط تو اللہ کے واسطے آپ اس کو ضرور ردّ فرماویں گے اور میں اس کو
قبول کروں گا۔ علیٰ ھٰذا القیاس جناب والا نے بھی احقر کے اس اقرار کے بعد خود اللہ تعالیٰ کو گواہ قرار
دے کر یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایسا ہی کروں گا۔ اس میں سر مو تجاوز نہ ہوگا۔ مطلب یہی تھا
الفاظ گو اور ہوں۔ بعد اس عہد و پیمان کے احقر نے مسودہ اعلام الناس حصہ اول جناب والا کو سنانا
شروع کیا۔ جس جگہ جناب نے اس میں بطور تائید کے کوئی مضمون ارشاد فرمایا اس کو بھی میں نے درج
کر لیا۔ اور مجھ کو خوب یاد ہے کہ کسی مضمون پر آپ نے جرح نہیں کیا بلکہ تائیداً کچھ ارشاد فرمایا۔ شائد
ایک جگہ جرح کیا تھا اس کو میں نے کاٹ دیا تھا اور اس پر بڑی دلیل ایک یہ ہے کہ حصہ اول اعلام کو
شائع ہوئے عرصہ تخمیناً سات آٹھ ماہ کا ہوا ہوگا اور جناب کے پاس بھی نسخہ مطبوعہ اس کا پہنچ گیا ہے جو
مضمون تائیداً آپ کی طرف سے اس میں لکھا گیا ہے اس کی تکذیب آپ نے اب تک شائع نہیں
فرمائی اگر آپ مقام توقف میں نہ ہوتے تو اب تک ضرور اس کی تکذیب کا اشتہار دے دیتے۔
الحاصل تین جلسے متفرق ہو چکے تھے جو عوام نے جناب پر اتہام اور الزام لگانے شروع کئے پھر جلسہ
خلوت کا نہ ہوا ۔ آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔ پس جب کہ حصہ اول میں تخمیناً دو ایک ورق
سنانے سے باقی رہ گئے ہیں یا شاذ و نادر کوئی ایک آدھ مضمون بھی رہ گیا ہو جو بر وقت نظر ثانی کے درج
کیا گیا ہو۔ غرض کہ حصہ اول آپ کا سنا ہوا ہے۔ وللاکثر حکم الکل پھر مولانا میرا کیا قصور
ہے۔ مثل مشہور ہے کہ خود کردہ را علاجے نیست۔ ان سب واقعات سے مجھ کو پوری جرأت ہوگئی تب
حصہ اول کو احقر نے حق سمجھ کر شائع کر دیا پھر اگر تدارک مافات کرنا ہے تو حصہ دوم بھی شائع ہو چکا ہے
جس کو جناب نے ابھی شاید مطالعہ نہیں فرمایا ہوگا اور مدت ہوئی کہ حصہ اول تو حسب الطلب خدمت
اقدس میں حاضر کیا گیا ہے۔ جس جس جگہ دونوں حصوں میں جناب کو کلام ہو جواب و ردّ تحریر فرمائیے
انشاء اللہ تعالیٰ اگر حق ہوگا تو قبول کر لوں گا اور بڑا باعث حصہ دوم کی اشاعت کا یہ بھی ہوا کہ ایک روز
اثنائے راہ میں جناب نے چپکے سے یہ مضمون فرمایا کہ حیات مسیح فی الحقیقت ثابت نہیں اگرچہ خلاف
مذہب جمہور ہے مگر اس کو کسی سے تم کہو مت۔ مطلب یہی تھا الفاظ گو اور ہوں۔ جب چاروں طرف
سے آپ پر عوام الزام لگانے لگے تب آپ نے وعظ میں حضرت اقدس مرزا صاحب کو دجال کذاب
تعریضاً یا کنایتاً فرمایا۔ جب بھوپال میں اس وعظ کی خبر مشہور ہوئی تو ایک روز میرے ایک محبّ مکرم احقر
سے اثنائے راہ محلّہ نظر گنج میں فرمانے لگے کہ مولوی محمد بشیر صاحب تو حضرت مرزا صاحب کو دجال
کذاب کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ آج کل کی روایات کا کیا اعتبار ہے مولوی صاحب سے

بالمشافہ دریافت کرلیا جاوے۔ احقر اور محبّ ممدوح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور محبّ ممدوح ﴿۹۶﴾
نے اس بارے میں بطور خود خواہ کن ہی الفاظ سے ہو جناب سے استفسار کیا۔ جناب نے احقر کے سامنے درجواب یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ میں نے دجال کذاب نہیں کہا۔ مرزا صاحب کو اس امر میں خطا پر جانتا ہوں خواہ خطا الہامی ہو یا خطاء اجتہادی یا خطاء عمدی۔ الفاظ کچھ ہوں مطلب یہی تھا۔ ان واقعات کا افشاء احقر نے آج تک نہیں کیا تھا لیکن جب خدام جناب احقر کو بہت تاکید سے کسی مصلحت کے سبب مباحثہ پر مجبور فرماتے ہیں تب مجبور ہوکر یہ اسرار مخفیہ اظہاراً للصواب ظاہر کئے جاتے ہیں پھر مع ھذا ہیچمدان کو مباحثہ سے احقاق حق اور اظہار صواب کی امید ہو تو کیونکر ہو۔ اس کی کیا سبیل ہے وہ ارشاد ہو۔ بعد اس کے تعمیل ارشاد کے لئے حاضر ہوں۔

گزارش سوم

عنایت نامہ میں الہام کو جو جناب نے ادلّہ شرعیہ سے خارج فرمایا ہے یہ مسئلہ بھی درمیان فحول علماء کے طویل الذیل ہے اور ہیچمدان اس کی بحث سے اعلام الناس حصہ دوم میں بطور استدلال علوم رسمیہ کے اپنے زعم میں فارغ ہو چکا ہے۔ پس یہ بھی ضرور ہے کہ جناب اس پر قبولاً یا رداً نظر فرمالیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہیچمدان اعلام الناس میں یہ سب ابحاث درج کرکر فارغ ہو چکا ہے۔ بلکہ حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہ ازالہ اوہام میں تمام ابحاث متعلقہ مسئلہ متنازعہ فیہا کو درج فرما چکے ہیں اور جملہ مراتب مندرجہ عنایت نامہ (کہ کبھی مدعی کو منصب مجیب کا دیدینا چاہئے اور کبھی مجیب کو منصب مدعی کا) طے فرما چکے ہیں پس جو جو امور کہ جناب کی رائے کے خلاف ہیں خواہ ازالہ اوہام میں ہوں یا اعلام الناس میں اوّلاً اظہارًا للصواب واحقاقا للحق بطور مناظرہ حقہ کے ان میں بھی نظر فرمالیجئے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ جناب نے اثناء مباحثہ دہلی میں مکرر سہ کرر یہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ ازالہ کا رد میں خوب بسط سے کروں گا۔ پس اوّل ان سب رسائل کا جواب ہو جانا بھی ضرور ہے اس کے بعد اگر احقر نے آپ کے جوابات کو تسلیم کرلیا۔ فھو المراد ورنہ ہیچمدان کی نظر اظہارًا للصواب بشرائط مفیدہ ہو سکتی ہے کیونکہ اس جانب سے تو اپنے زعم میں صحیح ہو یا خلاف پورا اتمام حجت کردیا گیا ہے۔

گزارش چہارم

یہ جو ارشاد فرمایا گیا کہ مرزا صاحب کو الہام میں کیسا ہی یدطولیٰ حاصل ہو لیکن جناب کے زعم

مَیں علوم رسمیہ میں اس ہیچمدان کوان پر ترجیح ہے۔ یہ ہیچمدان احق بالمباحثہ ہے۔جن علماء واولیا کے ﴿۹۷﴾
نفوس قدسیہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو الہام میں یدطولیٰ حاصل ہو ان کو علوم رسمیہ کی ضرورت ہی نہیں
ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ بھی فحول علما کا تسلیم کیا ہوا ہے اوراپنے محل پر ثابت ہے۔ یہاں تک کہ رسائل منطق
اوران کے حواشی میں علماء متقشفہ نے بھی اس مسئلہ کو مسلّم کر کرلکھ دیا ہے کہ فنون منطق وغیرہ علوم
رسمیہ کی حاجت نفوس قدسیہ کو ہرگز نہیں ہوتی اور جملہ قواعد صحیحہ اوراصول حقہ ان علوم کے ان کے
اذہان میں ایسے مرکوز ہوتے ہیں کہ کوئی مسئلہ علمی متعلق ان فنون رسمیہ کے ان سے خلاف صادر نہیں
ہوتا۔ پس اگر تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضرت مرزا صاحب کو علوم رسمیہ میں مزاولت کم ہے تو ان کو باوجود
حاصل ہونے یدطولیٰ کے الہام میں اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اوراسی وجہ سے ایسے علماء صاحب
نفوس قدسیہ ملہمین کا کوئی عالم علوم رسمیہ کا مقابل وردیف نہیں ہوسکتا ومن المثل السائر فی
الوری۔ ومن الردیف و قد رکبت غضنفرا مولوی شاہ ولی اللہ صاحب حکیم امت رحمۃ اللہ
علیہ علوم حدیثیہ اسماء الرجال واصول فقہ واصول حدیث کی نسبت حجۃ اللہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔
وھذا بمنزلۃ اللب و الدر عند عامۃ العلماء و تصدی لہ المحققون من الفقھاء ھذا۔
وان ادق العلوم الحدیثیۃ باسرھا عندی واعمقھا محتدا وارفعھا منارا و اولی العلوم
الشرعیۃ عن اٰخرھا فیما اری واعلاھا منزلۃ واعظمھا مقدارا ھو علم اسرار الدین
الباحث عن حکم الاحکام ولمیاتھا واسرار خواص الاعمال و نکاتھا فھو واللّٰہ
احق العلوم بان یصرف فیہ من اطاقہ نفائس الاوقات ویتخذہ عدۃ لمعادہ بعد
ما فرض علیہ من الطاعات الی ان قال ولا تبین اسرارہ الالمن تمکن فی العلوم
الشرعیّۃ باسرھا واستبد فی الفنون الالٰھیۃ عن اخرھا ولا یصفوا مشربہ الا لمن
شرح اللہ صدرہ لعلم لدنی وملاء قلبہ بسر وھبی وکان ما ذلک وقادالطبیعۃ سیال
القریحۃ حاذقافی التقریر والتحریر بارعا فی التوجیہ و التحبیر الٰی اٰخرہ اوراس
احقر کو جو جناب نے حسن ظن فرما کر ایسا بڑھا دیا کہ مرزا صاحب سے احق بالمباحثہ قرار دیا یہ
حسن ظن خلاف واقعہ ہے اور عکس القضیہ ۔ چہ نسبت خاک را باعالم پاک۔ ایسا حسن ظن تو وضع
الشیء فی غیر محلّہٖ ہے اوراگر جناب والا کے نزدیک یہ حسن ظن فی محلّہٖ ہے تو وہی مباحثہ

﴿۹۸﴾ دہلی واسطے مطالعہ کے روانہ فرمایا جاوے اس پر بغور وامعان نظر کرلوں گا۔

گزارش پنجم

ایک مشورہ ضروری خدمت مبارک میں عرض کرتا ہوں کہ آیت لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[1] کو جناب نے حیات مسیح میں قطعی الدلالت بڑے زور شور سے ثابت کیا ہے۔ علماء دہلی حضرت میاں صاحب مدّ ظلہٗ وغیرہ و نیز مولوی محمد حسین بٹالوی اس آیت کو حیات مسیح میں قطعی الدلالت نہیں سمجھتے۔ چنانچہ جناب نے بھی بروقت ملاقات اس ہیچمدان سے یہ امر بیان فرمایا تھا اور نیز بذریعہ تحریرات آمدہ از دہلی یہ امر احقر کو معلوم ہوا تھا اور نیز مولوی محمد حسین نے اشاعہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ آیت مطلوب میں اشارہ کرتی ہے۔ اندریں صورت یہ سب علماء اس استدلال میں آپ سے مخالف ہیں اگر اولاً مباحثہ جناب ان علماء سے ہو جاوے اور پہلے باہمی آپس میں اس کا تصفیہ کرلیا جاوے تو بہتر ہے کہ اس کا ثمرہ عظیم حاصل ہوگا۔ احقر بھی اس امر خاص میں ان علماء کا موافق ہے جب تک کہ وہ حق پر رہیں بعد تصفیہ باہمی کے جو امر حق ہوگا احقر تک بھی پہنچ جائے گا اور اگر یہ مشورہ پسند خاطر عاطر نہ ہو تو وہی مباحثہ دہلی روانہ فرمادیا جاوے۔ انشاء اللہ تعالیٰ احقاقاً للحق اس پر بہت غور وامعان سے نظر کرلوں گا۔

گزارش ششم

علاقہ محبت اور ہجران کی نسبت جو جناب نے فرمایا اس کی نسبت یہ گذارش ہے کہ فی الحقیقت احقر کو تو جناب کی خدمت میں اب تک ویسی ہی محبت ہے جیسا کہ سابق میں تھی اس وجہ سے جو اشعار عربی جناب نے لکھے ہیں ان کو بار بار پڑھتا ہوں اور دل نیاز منزل پر ایک حالت رقت کی طاری ہوتی ہے اور ان کے ساتھ ان اشعار کو بھی ضم کرتا ہوں ؎

ولقد ندمت علی تفرق شملنا ندما افاض الدمع من اجفانی
ونذرت ان عاد الزمان یلمّنا ماعدت اذکر فرقة بلسانی
واقول للحساد موتوا حسرة واللہ انی قد بلغت امانی
طفح السرور علیّ حتّٰی انہ من فرط ما قد سرنی ابکانی
یاعین ما بال البکالک عادة تبکین فی فرح وفی احزانی

اور عبارت جناب میں یہ جو منطوق بالمفہوم ہے کہ جب سے اس مسئلہ کو تم نے تسلیم کیا ہے۔ تب سے ہجران

[1] النساء: ۱۶۰

اختیار کیا گیا ہے یہ امر نفس الامر کے خلاف معلوم ہوتا ہے شاید واسطے خاطر داری اور مدارات عوام ﴿۹۹﴾
کے مصلحتاً یہ جتلانا منظور ہے کہ ہم ابتدا سے اس مسئلہ میں مخالف ہیں نہ متوقف کیونکہ جس روز تک
جناب والا دہلی سے واپس تشریف لائے ہیں اس روز تک تو ہجران کی ہاء ہوز بھی موجود نہ تھی حتیٰ کہ
بنا بر مدارات احقر کے کسی قدر علماء دہلی کی شکایت غیر مہذبی اور مرزا صاحب کی ثناء تہذیب احقر سے
بیان فرمائی اور مباحثہ کے سنانے کا بھی وعدہ غریب خانہ احقر پر تشریف لا کر فرمایا گیا اور دہلی سے ایک
عنایت نامہ بنام احقر درجواب عریضہ ارسال ہوا جس میں کچھ تذکرہ مجمل مباحثہ کا تھا اور اس سے
پہلے وقت تشریف بری دہلی کے جناب والا نے بمعیت چند اشخاص معزز و مہذب اس احقر کے پاس
قدم رنجہ فرمایا اور ارادہ جانے کا دہلی کو بغرض مباحثہ ظاہر فرمایا گیا گویا احقر سے رخصت ہو کر دہلی تشریف
لے گئے اور اس سے پہلے جب مولوی محمد حسین صاحب اور جناب سے کسی مسئلہ میں کچھ مباحثہ ہوا تھا
اور احقر خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو جناب والا نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اس کل مباحثہ کی
زبانی نقل فرمائی اور یہ بھی ارشاد کیا کہ **بعد اللتیّا و الّتی** میں نے تو مولوی محمد حسین صاحب کو دجال
کذاب کہہ دیا۔ یہ سب حال سن کر احقر کو اس امر سے نہایت رنج ہوا اور بعض احباب سے اس رنج کو
احقر نے ظاہر بھی کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب کے ساتھ جو علماء مشہورین میں سے ہیں ایسا معاملہ و
مکالمہ مناسب نہیں تھا یہ سب واقعات اس امر کے شواہد ہیں کہ جناب والا کو مرزا صاحب کے امر میں
بسبب اس کے کہ ان کے دعاوی حیّز امکان میں ہیں توقف تھا اور حیّز امتناع میں نہ سمجھے گئے
تھے۔ چنانچہ روایت ثقات سے یہ امر بھی معلوم ہوا تھا کہ جناب نے حصہ اوّل اعلام کی نسبت ارشاد
فرمایا کہ اس میں جو ادلّہ مندرج ہیں وہ ادلّہ امکان کے اچھے لکھے ہیں۔ خلاصہ سب معروضات کا یہ
ہے کہ سابق اس سے دعاوی مرزا صاحب آپ کے نزدیک سلسلہ ممکنات شرعیہ میں داخل تھے نہ
ممتنعات شرعیہ میں۔ اسی واسطے جناب کو توقف تھا اور یہ واقعات سب کے دیکھے ہوئے اور سنے
ہوئے ہیں۔ اب اس کے خلاف کے اظہار میں جناب کی کوئی مصلحت ہے تو احقر کو اس میں کچھ کلام
نہیں۔ صرف اظہاراً للصواب ایک امر حق ظاہر کیا گیا اور یہ بطور مبتداء **الحق** کہا گیا ہے اب
دیکھئے خبر اس کی مُرٌّ واقع ہوتی ہے یا حُلوٌ۔

﴿۱۰۰﴾

گزارش ہفتم

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ [1] کے اثر سے محفوظ رہنے کی نسبت جو ارشاد ہوا۔ وہ اگرچہ آپ کی ذات محبت سمات سے متوقع ہے مگر آپ کے معتقدین اور متعظین سے کیونکر متوقع ہو۔ جناب کو اگر اپنے دل پر پورا قابو ہے تو دوسروں پر کیا قدرت و اختیار ہے **قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن** ۔ بذرائع معتبر میں نے سنا کہ ایک جلسہ میں جو حال میں منعقد ہوا تھا اس میں میرے سچے دوست **مجمع البر و الخیر** اسم بامسمّٰی مولوی خیر اللہ صاحب وغیرہ نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ مولوی محمد احسن یا تو اس مسئلہ سے توبہ کریں یا مباحثہ کرلیں ورنہ سلام کلام جملہ حقوق اسلام ان سے ترک کئے جاویں اور زمرہ اہلحدیث سے خارج۔ اس کا تدارک جناب والا کی طرف سے کیا واقع ہوا ان کے مشورہ کے بموجب ایک عنایت نامہ واسطے طلب مباحثہ کے تحریر فرمایا گیا جس سے بسبب ایسے شرور و فساد کے نیاز مند کوسوں بھاگتا ہے اور کل بروز جمعہ بھی جلسہ وعظ میں بھی یہی اعلان کیا گیا۔ پھر احقر کو اظہار صواب اور احقاق حق کی امید باوجود دخل دینے ایسے مجمع الخیروں کے کیونکر ہو اس کی کیا سبیل ہے۔

گزارش ہشتم

طرز مناظرہ جو تبدیل فرمایا گیا ہے اور یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ایک میعاد کے بعد مدعی مجیب بن جاوے اور مجیب مدعی۔ یہ بھی رائے ناقص میں مستحسن نہیں معلوم ہوتا۔ اگرچہ جناب نے اس کو بہت غور اور فکر سے ایجاد کیا ہو کیونکہ ایسا انقلاب اور تبدیل بحث آداب مناظرہ سے رائے ناقص میں بالکل خلاف ہے۔ غصب منصب جو علماء نظار کے نزدیک مذموم ہے ایسی صورت میں اس کا ارتکاب کرنا پڑ جاوے گا۔ علاوہ بریں یہ عرض ہے کہ مباحثہ تو حیات و ممات ہی میں ہے اور جناب والا مدعی حیات کے ہیں پس جب کہ جناب مدعی حیات کے نہ رہیں گے اور اس دعوے سے دستبردار ہو جاویں گے تو بحث ختم ہو چکی۔ آپ خود بخود قائل ممات کے ہو گئے کیونکہ حیات و ممات میں کوئی واسطہ تو ہے ہی نہیں جو بحث باقی رہے۔ اجتماع الضدین تو محالات میں سے ہے حیات بھی نہ ہو اور ممات بھی نہ ہو اس کے کیا معنے۔ ہاں اہل دوزخ کے واسطے ایسا کچھ ارشاد ہوا ہے کہ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى [2] حیات و ممات میں ایسا تضاد ہے جیسا کہ وجود و عدم میں۔ پھر یہ بات فہم ناقص میں نہیں آتی کہ جناب والا ایک میعاد کے بعد دعویٰ حیات سے بھی دست بردار ہو جاویں اور پھر بھی ممات کے قائل نہ ہوں اور بحث جاری رہے اس میں جناب والا کو کیا اظہار حق و صواب مرکوز خاطر عاطر ہے

[1] الروم: ۴۲ [2] الاعلیٰ: ۱۴

اندریں صورت فریقین کے پرچہ مساوی نہ رہیں گے۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى [1] جناب والا نے ﴿۱۰۱﴾
یہ مسئلہ علمیہ عنایت نامہ میں ایسا مندرج فرمایا ہے کہ ہیچمدان کی سمجھ میں نہیں آتا اور اغلب کہ دیگر ہمہ دانوں کی سمجھ میں بھی نہ آوے گا پس طرز جدید رائے ناقص میں مستحسن نہیں ہے۔ وہی طرز اور وہی مباحثہ محررہ جناب جس سے دہلی میں فتح ہوئی ہے کافی ہے کیونکہ مجرب بھی ہو چکا ہے اندریں صورت وہی مباحثہ دہلی ہیچمدان کے پاس روانہ فرما دیجئے۔ حق ہوگا تو قبول کرلوں گا ورنہ نظر کر کر کچھ عرض کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

گزارش نہم

جناب والا جب دہلی سے واپس تشریف لائے تو بروقت ملاقات کے احقر سے فرمایا تھا کہ جب حضرت میاں صاحب مدّ ظلّہٗ نے بہت سا کچھ اصرار کیا کہ اگر مباحثہ کرتے ہو تو اس میں مولوی محمد حسین صاحب وغیرہ سے ضرور بالضرور مشورہ کرلو کیونکہ تلاحق افکار سے علم میں ترقی ہو جاتی ہے تب آپ نے میاں صاحب سے کہا کہ مجھ کو اپنی ادلّہ پر ایسا وثوق ہے کہ حاجت اعانت اور مشورہ کی ہرگز نہیں ہے مطلب یہی تھا گو الفاظ اور ہوں۔ یہ سب قصہ جب سے احقر نے آپ کی خاص زبان فیض ترجمان سے سنا ہے اگرچہ بذریعہ آمد خطوط بھی معلوم ہوا تھا تب سے احقر نہایت مضطرب اور بے قرار ہے کہ وہ ادلّہ قطعیہ دفعتاً کیونکر غیب الغیب سے عالم شہود میں پیدا و ظاہر ہوگئیں کہ نہ حضرت شیخ الکل مدّ ظلّہٗ کے خیال میں آئیں اور نہ مولوی محمد حسین وغیرہ کی قوت متخیلہ میں گزریں اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ روایت عدول وثقات سے سنا گیا کہ چند روز قبل تشریف بری دہلی کے آپ نے بھی برملا فرمایا تھا کہ حیات مسیح پر کوئی دلیل قطعی نہیں معلوم ہوتی۔ شرق سے غرب تک بھی اگر کوئی تفحص کرے تو بھی ایسی دلیل نہ ملے گی پس جب کہ وہ ادلّہ قطعیہ دفعتاً غیب الغیب سے عالم شہود میں آ گئی ہیں اور مباحثہ دہلی میں پیش ہو کر صورت فتح و غلبہ بھی پیدا ہوگئی ہے تو وہ ادلّہ قطعیہ محررہ پیش شدہ بعینہا ہیچمدان کے پاس روانہ فرما دی جاویں۔ بھلا جب وہ ادلّہ قطعی الدلالت ہوں گی تو احقر ان کو کیونکر قبول نہ کرے گا اور جو مقدمہ اس کا لکھا جا رہا ہے اگر آپ چاہیں تو اس کو نہ دکھلائیے کیونکہ وہ مقدمہ غایت الامر یہ ہے کہ بطور مبادی کے ہوگا نہ بطور مقاصد اور اصول مطالب کے کیونکہ ایسے اصول و مقدمات مقاصد سب قبل ہی سے ممہد ہو چکے ہوں گے اصول مقاصد میں اس کو دخل ہی کیا ہے۔

گزارش دہم

جناب کو معلوم ہے کہ یہ احقر دس بجے سے شام تک کچہری میں کام سرکاری کرتا ہے صبح سے

[1] النجم : ۲۳

﴿۱۰۲﴾ دسؔ بجے تک کچھ سبق گھر پر پڑھاتا ہے۔ کچھ تلاوت قرآن مجید کی بطور نذر کے اپنے اوپر لازم اور واجب کر لی ہے۔ بقیہ وقت حوائج خورد ونوش اور حقوق وغیرہ میں صرف ہوجاتا ہے اور دس بج جاتے ہیں۔ اور اوقات جناب کے بالکل فارغ۔ احقر کا یہ حال کہ کبھی تعطیل ہوگئی تو ایک گھنٹہ کی مجھ کو فرصت مل گئی جس میں کچھ لکھ لکھا لیا یا کسی کتاب وغیرہ کا مطالعہ کرلیا۔ چنانچہ یہ ملتمسہ جمعہ کے روز لکھنے بیٹھا تھا اس میں بعض احباب آ گئے ملتوی رکھا گیا۔ لیکن اتفاقاً آج بتاریخ یازدہم ربیع الثانی بروز ہفتہ بھی تعطیل تھی لہٰذا اس کو پورا کرلیا۔ ورنہ اگر تعطیل نہ ہوتی تو آج پورا بھی نہ ہوتا۔ یہ احوال اوقات احقر کا جناب کو معلوم ہے لیکن بمزید احتیاط اس واسطے التماس کیا گیا کہ اگر مباحثہ دہلی احقر کے پاس واسطے مطالعہ کے روانہ کیا جاوے تو اس پر نظر اوقات فرصت میں کروں گا۔ جناب والا کی طرف سے تعجیل نہ فرمائی جاوے کیونکہ تعجیل کی کچھ ضرورت بھی ایسی نہیں معلوم ہوتی۔ سب کام تأمّل اور تأنّی سے اچھا ہوتا ہے۔ ہاں البتہ جناب والا نے جو طرز مباحثہ دہلی تجویز کیا ہے احقر کو بہت مستحسن معلوم ہوتا ہے۔ دعویٰ حیات سے جس وقت دست برداری ہوگئی اس وقت ممات ثابت ہوجاوے گی اس میں تضیع اوقات بہت کم ہوگی کیونکہ پھر بحث کی کچھ حاجت ہی نہ رہے گی۔ اس تجویز کے استحسان میں احقر بالکل آپ کا موافق ہے البتہ اتنا امر اس پر مزید عرض کرتا ہوں کہ وہی مباحثہ دہلی بعینہا مرحمت ہو اسی پر نظر کرلوں گا۔ تبدیل طرز مناظرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور غیر مقبول ہے۔ مورخہ دہم ربیع الثانی روز جمعہ وقت شام مطابق سیزدہم نومبر ۱۸۹۱ء۔

طرز استدلال مباحثہ دہلی پر نظر

حامدًا و مصلّیا و مسلّمًا اس نیاز نامہ کا جواب مولوی صاحب نے جو بھیجا تو اس میں گزارشہائے دہ گانہ مندرجہ اخلاص نامہ کو تصدیق فرمایا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تحریر کیا کہ **کلمۃ حق اریـد بھا الباطل** اور کچھ عذرات باردہ ایسے تحریر فرمائے کہ احقر ان کو بالفعل شائع نہیں کرتا کیونکہ عوام کو ان سے تلون طبع کا اور ثبوت مل جاوے گا اور طرز استدلال مباحثہ دہلی کا کچھ تبدیل فرما کر صرف آیت **لیؤمننّ بہٖ قبل موتہٖ** سے استدلال کیا اور آخر میں یہ بھی لکھا کہ ادلّہ حیات مسیح میرے پاس اور بھی بہت ہیں وہ پھر لکھی جاویں گی اور مطاوی تحریر میں بعض ایسے الفاظ تحریر فرمائے جو مولوی صاحب کی

شانؔ سے بعید تھے اور طرز استدلال کی نسبت فرمایا کہ یہ وہی طرز ہے جو مباحثہ دہلی کا تھا احقر نے ﴿۱۰۳﴾
اس عنایت نامہ حال کو تین نوٹ بدیں خلاصہ مضمون دے کر بجنسہا واپس کر دیا۔

خلاصہ مضمون نوٹ اوّل

الفاظ خلاف تہذیب کے خطوط احقر اور جناب کی تحریر میں آنا مناسب نہیں ورنہ مباحثہ نہ ہوگا۔

خلاصہ مضمون نوٹ دوم

اس تحریر کا مقابلہ اصل مباحثہ سے کرا دیا جاوے۔

خلاصہ مضمون نوٹ سوم

کل ادلّہ حیات مسیح اس تحریر میں جمع کر دی جاویں۔ بار بار ایک دعوٰے پر وقتاً فوقتاً متفرق ادلّہ کا پیش کرنا کچھ ضرور نہیں ہے ہاں فریقین کو اختیار رہے کہ جب تک چاہیں نقض و جرح ادلّہ میں یا تائید ان کی میں وقتاً فوقتاً تحریر کریں۔ اس کا جواب آج کی تاریخ تک مولوی صاحب کی طرف سے صادر نہیں ہوا لہٰذا بعد انتظار بسیار احقر اب اس وعدہ کا ایفا کرتا ہے جو آغاز اخلاص نامہ میں نسبت تعبیر ؎ (اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب) کے کیا گیا تھا۔

تعبیر

تعبیر اس کی یہ ہے کہ مولوی صاحب کو مباحثہ دہلی میں فتح اور کامیابی حاصل نہیں ہوئی جیسا کہ مشہور کر رکھا ہے بلکہ ناکامی ہوئی ہے جس کو احقر بعونہٖ تعالیٰ ناظرین کو ثابت کر دکھاوے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ناظرین کو مباحثہ کے معائنہ سے واضح ہوا ہوگا کہ جن علوم رسمیہ کی اعانت سے علماء ظاہر ایسے مسائل میں بحث و نظر کرتے ہیں ان علوم میں سے سوائے نحو کے اور وہ بھی ادھورے طور پر مولوی صاحب نے کسی ایک علم سے بھی مدد نہیں لی مثلاً دار مدار علماء نظار کا ایک علم اصول فقہ ہے مولوی صاحب نے اس کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی ورنہ تین چار سطروں میں مباحثہ ختم تھا۔ ہیچمدان بطور نمونہ کے بعض علوم رسمیہ کی اعانت سے مجملاً کچھ کچھ عرض کرتا ہے۔ اگر مولوی صاحب بھی ان علوم رسمیہ کی اعانت سے مباحثہ فرماویں گے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ ہیچمدان بھی تفصیل سے عرض کرے گا۔

علم اصول فقہ

مولوی صاحب نے اس علم کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ اگرچہ احقر کا منصب مدعی کا نہیں ہے لیکن اس غرض سے کہ مولوی صاحب اس علم کی طرف توجہ فرماویں کچھ عرض کرتا ہے کہ وفات عیسٰی بن مریم آیت اِنّی متوفّیک سے بروایت صحیح بخاری

﴿۱۰۴﴾ عن ابن عباس أعنی مُمیتک کے بطور عبارت النص کی ثابت ہے اور مولوی صاحب اگر تمام توغل اپنا جو علم اصول میں ان کو ہے صرف فرماویں گے تو اس کا نتیجہ شائد اس قدر حاصل ہو کہ حیات عیسیٰ بن مریم آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ[1] سے بطور اشارۃ النص کے ثابت کی جاوے لیکن یہ مسئلہ تمام کتب میں مندرج ہے کہ تُرَجَّحُ الْعِبَارَۃُ عَلَی الْاِشَارَۃِ وَقْتَ التَّعَارُضِ پس وفات ثابت رہی اور حیات ساقط الاعتبار ٹھہری اور مباحثہ ختم ہوا۔

طرز دوم از روئے علم اصول فقہ

دوسرے طور پر آیت انّی متوفّیک حسب روایت صحیح بخاری کے وفات عیسیٰ ابن مریم میں محکم ہے۔ کیونکہ تعریف محکم کی کتب اصول فقہ اور نیز حضرت نواب صاحب بہادر مرحوم و مغفور نے حصول المامول وغیرہ میں یہ لکھی ہے اَلْمُحْکَمُ مَالَہٗ دَلَالَۃٌ وَاضِحَۃٌ اور بفرض تسلیم لفظ قبل موتہٖ حیات مسیح پر اگر دلالت بھی کرے تو یہ دلالت واضح نہیں ہے کیونکہ اس میں ضمائر وغیرہ ذوالوجوہ ہیں اور روایتاً و درایتاً مفسرین کا ان میں بہت سا کچھ اختلاف ہے اور اسی کو متشابہ کہتے ہیں۔ پس یہ لفظ متشابہ ہوا۔ اسی حصول المامول میں لکھا ہے وَالْمُتَشَابِہُ مَالَہٗ دَلَالَۃٌ غَیْرُ وَاضِحَۃٌ اب ظاہر ہے کہ ہوتے محکم کے متشابہ کی طرف کیونکر رجوع ہوسکتا ہے لقولہٖ سبحانہٗ تعالیٰ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ[2] اسی طرح پر اگر دیگر قواعد علم اصول کی طرف رجوع کیا جاوے تو مباحثہ چار پانچ سطروں میں ختم ہوسکتا ہے مگر آپ احقر کو اس تقریر سے مدعی نہ قرار دے لیویں یہ تقریر تو بطور نقض یا معارضہ کے عرض کی گئی ہے اور یہی سائل کا منصب ہے۔

طرز استدلال از روئے اصول حدیث

مولوی صاحب نے اس علم کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی ورنہ چار پانچ سطروں میں فیصلہ ہو جاتا تقریر اس کی بطور نمونہ مجملاً یہ ہے کہ صحیحین کی حدیثوں سے جو ازالۃ الاوہام میں لکھی ہیں وفات عیسیٰ بن مریم ثابت ہوتی ہے اور اگر بعض روایات مرسل یا ضعیف وغیرہ سے حیات مسیح بن مریم ثابت کی جاوے تو اس کو علم اصول حدیث کب تسلیم کرے گا۔ وہ تو بآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ احادیث متفق علیہا جملہ احادیث پر مقدم ہیں۔ پس وقت تعارض کے احادیث متفق علیہا جملہ احادیث پر مقدم رہیں گی۔ وھو المطلوب۔

[1] النساء: ۱۶۰ [2] ال عمران: ۸

﴿۱۰۵﴾

استدلال از روئے علم منطق

مولوی صاحب نے اس مباحثہ میں علم منطق سے بھی کام نہیں لیا ورنہ شکل اوّل بدیہی الانتاج سے ایک دوسطر میں فیصلہ ہو جاتا مگر یا د رہے کہ میں مدعی نہیں ہوں بلکہ ناقض اور معارض ہوں۔ بطور نمونہ کے تقریر اس کی یہ ہے۔ عیسٰی بن مریم کان نبیامن الناس ومات الناس حتّٰی الانبیاء یعنی کلھم ما تو ا فعیسٰی بن مریم ایضًا مات مقدمہ صغریٰ تو مسلّم ہی ہے اور مقدمہ کبریٰ ایسا مشہور ہے کہ اطفال مکتب لفظ حتّی کی مثال میں پڑھا کرتے ہیں پس وہ بھی مسلّم ہے اور اگر مسلّم نہ ہو تو آیت قرآن مجید موجود ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ [1] پ۴ وغیر ذٰلک من الآیات تنبیہ جامع مسجدوں میں اثناء خطب منظومہ اردو میں ائمہ مساجد پڑھا کرتے ہیں۔ ؎

آدمؑ کہاں حوّاؑ کہاں مریمؑ کہاں عیسٰیؑ کہاں
ہارونؑ اور موسٰیؑ کہاں اس بات کا ہے سب کو غم

ایضاً

حضرت آدمؑ نبی نیچے زمیں کے چل بسے
نوحؑ کشتی بان عالم بھی یہاں سے چل بسے
یوسفؑ و یعقوبؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و خلیلؑ
اور سلیمانؑ آسمانی مہر والے چل بسے
ہودؑ اور ادریسؑ و یونسؑ شیثؑ و ایوبؑ وشعیبؑ
دعوت اسلام کر کے ٹھہرے چندے چل بسے
حضرت عیسٰیؑ نبی داؤدؑ و موسٰیؑ خاک میں
لے کے توریت وزبور انجیل حق سے چل بسے
واسطے جن کے زمین و آسمان پیدا ہوا
جنت الفردوس میں وہ حق کے پیارے چل بسے

الٰی آخر ما قال۔

استدلال از روئے علم بلاغت

اس علم کی طرف بھی مولوی صاحب نے رخ تک نہیں کیا ورنہ بہت آسانی سے فیصلہ ہو سکتا تھا مطول اور اس کے حواشی میں لکھا ہے وتقدیم المسند الیه للدلالة علی انّ المطلوب انما ھو اتصاف المسند الیه بالمسند علی الاستمرار لامجرد الاخبار بصدوره عنه کقولک الزاھد یشرب و یعزب دلالة علٰی انه یصدر الفعل عنه حالة فحالة علی سبیل الاستمرار قال السید السند علی قول العلامة. انّما یدلّ علیه الفعل

[1] اٰل عمران:۱۴۵

﴿۱۰۶﴾ المضارع. قد یقصد بالمضارع الاستمرار علی سبیل التجدد و التقضی بحسب المقامات و وجه المناسبة ان الزمان المستقبل مستمر یتجدد شیئًا فشیئًا فناسب ان یراد بالفعل الدال علیه معنًی یتجدّد علی نحوه بخلاف الماضی لانقطاعه و الحال لسرعة زواله ...... الٰی آخر العبارة. حاصل مطلب اس کا یہ ہے کہ تقدیم مسندالیہ کی کبھی دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ مسندالیہ مسند کے ساتھ بطور استمرار کے متصف ہے اور وہاں پر صرف یہی مطلوب نہیں ہوتا کہ مسند کے صادر ہونے کی مسندالیہ سے خبر دی جاوے جیسا کہ زاہد شراب پیتا ہے اور طرب وخوشی کرتا ہے۔ السید السند فرماتے ہیں کہ مضارع سے استمرار کا قصد علیٰ سبیل التجدد اور تقضی کے بحسب مقامات کے قصد کیا جاتا ہے اور صیغہ مضارع کا جو واسطے دلالت کرنے کے اوپر استمرار کے خاص کیا گیا اور ماضی وحال کو استمرار کے واسطے مقرر نہ کیا اس کی یہ وجہ ہے کہ زمانہ مستقبل ایک ایسی شے مستمر ہے جو چیزے چیزے متجدد ہوتی رہتی ہے۔ پس جو فعل کہ اس زمانہ متجدد پر دلالت کرے اسی کو دوام تجددی کے واسطے مقرر رکھا گیا اور یہی مناسب تھا۔ بخلاف ماضی کے کہ وہ منقطع ہو چکا اور حال سریع الزوال ہے۔ السید السند دوسری جگہ ہوامش مطول میں لکھتے ہیں و قد یقصد فی المضارع الدوام التجددی وقد سبق تحقیقه ۔ دوسری جگہ مطول میں لکھا ہے۔ کما فی قوله تعالیٰ اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ وَيَمُدُّهُمۡ[1] بعد قوله تعالیٰ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ[2] حیث لم یقل اللّٰه مستهزئ بِهِمُ بلفظ اسم الفاعل قصداً الی حدوث الاستهزاء و تجدده وقتا بعد وقت الی قوله و هکذا کانت نکایات الله فی المنافقین و بلایا النازلة بهم یتجدد وقتا فوقتا و تحدّث حالا فحالا انتهی و ایضا قال کما ان المضارع المثبت یفید استمرار الثبوت یجوز ان یفید المنفی استمرار النفی وغیر ذٰلک من العبارات الصریحة. پھر اس صیغہ مستقبل کے دوام تجددی کے واسطے مستعمل ہونے میں کسی کا خلاف بھی نہیں معلوم ہوتا ایک مسئلہ اتفاقیہ ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب نے حسب مقتضائے مقامات قرآن مجید میں مستقبل سے معنے دوام تجددی کی مراد لی تو کونسا محذور لازم آیا بیّنوا توجروا ! لو مباحثہ ایک صفحہ میں ختم ہوگیا۔

[1] البقرة : ١٦ [2] البقرة: ١٥

﴿۱۰۷﴾

علمِ اسماء الرجال

اس علم کی طرف مولوی صاحب نے صرف اس قدر توجہ فرمائی ہے کہ رجال اسناد قراءت قبل موتھم کی توثیق وتعدیل حضرت مرزا صاحب سے دریافت فرمانے لگے مگر جو روات کہ مولوی صاحب کی روایات مندرجہ مباحثہ میں قابلِ تنقید واقع ہوئی ہیں ان کا کچھ بھی احوال تحریر نہ فرمایا۔ پھر حضرت مرزا صاحب سے رواۃ اسناد اس قراءت کی توثیق جو تفاسیر معتبرہ میں بحوالہ مصحف ابی بن کعب لکھی ہے یہ بعد تسلیم کر لینے اس قراءت کے مصحف ابی میں توثیق رجال کیوں دریافت فرمائی گئی۔ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى [1]۔ علم اسماء الرجال میں کمال تو یہ ہوتا کہ جو راوی کی زبان سے نکلتا اس کی وفیات وسنین ولادت اور اعمار اور سوانح عمری اور کنّی اور القاب اور جملہ اسباب قادحہ خفیہ غیر خفیہ زبانی بیان فرما دئے جاتے ورنہ اب تو اکثر کتب حدیث کے حواشی پر اسماء الرجال چڑھا ہوا ہے۔ ادنیٰ طالب علم نقل کر سکتا ہے۔ مولوی صاحب کی اس میں کیا خصوصیت ہے۔ پس کوئی کمال علم اسماء الرجال میں مولوی صاحب نے یہاں پر ظاہر نہیں فرمایا شاید کسی اور وقت کے لئے رکھ چھوڑا ہو۔

علمِ قراءت

اس علم کی طرف مولوی صاحب نے بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ ورنہ چند سطور میں فیصلہ ہو جاتا۔ بطور نمونہ کے تقریر اس کی مجملاً یہ ہے کہ اگر تسلیم کیا جاوے کہ قراءت مندرجہ مصحف ابی بن کعب بالکل قراءت شاذہ ہے تو قراءت مشہورہ کے لئے اس کے مبین ومفسر ہونے میں کیا کلام ہے۔ یہ مسئلہ بھی قرّاء وغیرہ کے نزدیک مسلم ہے۔ اتقان وغیرہ میں لکھا ہے۔ وقال ابو عبیدة فی فضائل القرآن المقصد من القراءة الشاذة تفسیر القراءة المشهورة و تبیین معانیها الی قوله فهذه الحروف و ماشاکلها قد صارت مفسرة للقران وقد کان یروی مثل هذا عن التابعین فی التفسیر فیستحسن فکیف اذا روی عن کبار الصحابة ثم صار فی نفس القراءة فهو اکثر من التفسیر و اقوی فادنٰی ما یستنبط من هذه الحروف معرفة صحة التاویل ۔ انتهٰی۔ چونکہ متعلق علم قراءت کے مولوی صاحب نے کچھ بھی تحریر نہیں فرمایا لہٰذا زیادہ طول نہیں کیا گیا۔

[1] النجم : ۲۳

﴿۱۰۸﴾ جبؔ مولوی صاحب کچھ تحریر فرماویں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ خاص اس قراءت کی نسبت بہ تفصیل اور بھی لکھا جاوے گا۔ واضح ہو کہ ابی بن کعب وہ صحابی جلیل القدر ہیں جن کی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں وَاَقْرَأُ کُمْ اُبَیّ و ایضا قال قال رسول صلی اللہ علیہ و سلم لابیّ بن کعب ان اللہ امرنی ان اقرأ علیک القراٰن قال أ اللّٰہ سمّانی لک قال نعم قال و قد ذکرت عند رب العٰلمین قال نعم فذرفت عیناہ متفق علیہ اور ان حضرت ابیؓ کا ایک مصحف بھی ہے جس کی ترتیب سور اتقان وغیرہ میں لکھی ہے۔

علم تفسیر

مولوی صاحب نے اس علم کی طرف صرف اس قدر توجہ فرمائی ہے کہ بعض تابعین کے اقوال دربارہ ترجیح اپنی معنی مختار کے تفسیر ابن کثیر سے نقل کئے ہیں اور حضرت ابوہریرہ کا فہم اور کچھ حضرت ابن عباس سے ایک آدھ قول نقل فرمایا ہے اور پرچہ ثانی میں مولوی صاحب نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ اس میرے معنی کی طرف ایک جماعت سلف میں سے گئی ہے یعنی اس آیت کی تفسیر مختلف فیہ اور ذوالوجوہ ہے اجماعی طور پر ایک معنے نہیں ہیں اور یہ بھی اقرار ہے کہ فہم صحابی کو میں حجت نہیں جانتا۔ باوجود اس کے مولوی صاحب نے فن تفسیر کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ فن تفسیر کے رو سے کسی ایسی آیت کے معنی میں جس میں تعلق کسی پیشین گوئی کا ہو واقع ہونے پیشین گوئی تک قطعی کچھ فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک اجتہادی امر ہے کیونکہ حقیقت پیشین گوئی کی لاعلم لنا میں داخل ہے بخلاف دیگر مطالب ضروریہ تفسیر یہ کے کہ وہ علمتنا میں داخل ہوسکتے ہیں اور قطعی فیصلہ بھی ہوسکتا ہے۔ مولوی صاحب باوجودیکہ اس آیت کو متعلق پیشین گوئی قرار دیتے ہیں پھر بھی لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[1] کا کچھ خوف نہ کیا اور آیت کی تفسیر میں اقوال رجال غیر معصومین سے یہ بات قطعی طور پر یقین کر لی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ بعد نزول عیسیٰؑ بن مریم کے اور قبل موت اس کی کے جس میں سب اہل کتاب حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آویں گے جب کہ آیت ذوالوجوہ اور متشابہ ہے اور مولوی صاحب کے نزدیک اس کا تعلق بھی پیشین گوئی سے ہے تو معہٰذا قطعی اور یقینی طور پر مولوی صاحب کون سے علم سے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے بھی شکی طور پر اپنے فہم کو ترجیح دی تھی وبس۔ کیا مولوی صاحب کو علم غیب ہے؟ یا اس آیت کی تفسیر میں کسی حدیث صحیح مرفوع

[1] بنی اسرائیل : ۳۷

متصل سے یہ ثابت ہے کہ معنی آیت کے یہی ہیں جو مولوی صاحب نے کئے ہیں۔ پیشین گوئی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب تو دیگر مطالب تفسیر یہ کی نسبت یہی تحریر فرماتے ہیں۔ ﴿۱۰۹﴾

پیش ایں فقیر محقق شدہ است کہ صحابہ و تابعین بسیار بود کہ نزلت الاٰیة فی کذا و کذا مے گفتند وغرض ایشاں تصویر ما صدق آں آیت بود وذکر بعض حوادث کہ آیت آں رابعموم خود شامل شدہ است خواہ ایں قصہ متقدم باشد یا متاخر اسرائیلی باشد یا جاہلی یا اسلامی تمام قیود آیت راگرفتہ باشد یا بعض آں را واللّٰہ اعلم ازیں تحقیق دانستہ شد کہ اجتہاد را دریں قسم دخلے ہست وقصص متعددہ را آنجا گنجائش ہست پس ہر کہ ایں نکتہ مستحضر دارد حل مختلفات سبب نزول بادنیٰ عنایت مے تواں نمود۔ انتہیٰ۔

ہاں مولوی صاحب کو صرف اتنا اختیار تھا کہ اپنے ان معنے مختار کو ترجیح دیتے نہ یہ کہ ان کو قطعیة الدلالت فرماتے اور نہ ایسا کلمہ کہتے کہ مصداق ہو۔ کَبُرَتۡ کَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ [1] کا اس معنے کے ماعدا جتنے معنے تمام دنیا بھر کی تفسیروں میں لکھے ہیں سب غلط اور باطل ہیں اے مولوی صاحب اتق اللّٰہ ؎

نام نیک رفتگان ضائع مکن تا بماند نام نیکت یادگار

یہ قضیہ بھی تو مسلمہ مفسرین ہے کہ فمتی اختلف التابعون لم یکن بعض اقوالھم حجة علی بعض۔ پھر مولوی صاحب کا تمام دنیا بھر کے مفسرین کو باطل اور غلطی پر قرار دینا اور اپنے معنی کو حجت قطعی گردانناکیا یہی تقویٰ اور دیانت اور اظہار حق وصواب ہے؟ بیّنوا توجروا۔

علم زبان فارسی

مولوی صاحب نے جو ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف توجہ فرمائی تو بسبب غلبہ خیال نون ثقیلہ کے جو جو صیغے کہ فارسی میں واسطے مضارع کے آتے ہیں ان کو خالص استقبال کے واسطے اپنی طرف سے خلاف قواعد فرس قرار دے لیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ ترجمہ یہ ہیں۔ پس[1] البتہ متوجہ گردانیم تراباں قبلہ کہ خوشنود شوی۔ والبتہ[2] بسوزانیم آں را پس[3] پراگندہ سازیم آں را۔ والبتہ[4] دلالت کنیم ایشاں رابراہہائے خود۔ والبتہ[5] غالب شوم من[6] و غالب شوند پیغمبران من[7] و البتہ زندہ کنیمش بزندگانی پاک و در[8] آریم ایشاں را در زمرہ شائستگاں۔ ایّھا النّاظرین اطفال دبستان بھی اس قاعدہ کو خوب جانتے ہیں کہ علامت خالص استقبال کی خواہد۔ خواہند۔ خواہی۔ خواہید۔ خواہم ہے اور علامت خالص حال کی لفظ مے کا مضارع پر داخل ہونا ہے۔ اور یہ الفاظ مندرجہ

[1] الکھف : ٦

﴿۱۱۰﴾ ترجمہ سب کے سب صیغے مضارع کے ہیں نہ خالص استقبال کے۔ اس پر علاوہ یہ ہوا ہے کہ اردو میں لفظ ابھی کا جو خالص حال کے واسطے آتا ہے مولوی صاحب نے اس کو ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب میں یعنی ابھی جلا ویں گے ہم اس کو، خالص استقبال کے واسطے مقرر فرمایا ہے۔ اب ناظرین انصاف فرماویں کہ مولوی صاحب کا اس جگہ پر حضرت مرزا صاحب کی نسبت یہ فرمانا کہ **ھٰذا بعید من شان المحصلین**۔ کیسا اپنے موقع اور محل پر واقع ہوا ہے۔ سبحان اللہ۔

علم مناظرہ

مولوی صاحب نے علم مناظرہ کی طرف صرف اس قدر توجہ فرمائی کہ حضرت مرزا صاحب نے جو تعریف مدعی کی لکھی۔ اور اس کی فلاسفی بیان فرمائی اس پر جھٹ اعتراض کر دیا کہ یہ تعریف لفظ مدعی کی مخالف ہے اس کے جس کو علماء مناظرہ نے لکھا ہے اور رشیدیہ سے یہ عبارت نقل فرما دی کہ:۔

المدعی من نصب نفسه لاثبات الحکم ای تصدی لان یثبت الحکم الخبری الذی تکلم به من حیث انه اثبات بالدلیل او التنبیه۔ مگر یہ نہ سوچا کہ حضرت مرزا صاحب نے جو سِرّ اور گُر مدعی ہونے کا بہ تفصیل وبسط کلام بتلایا ہے اور اس پر ایک دلیل عقلی قطعی بھی قائم کر دی ہے۔ وہی سر **من حیث انه اثبات بالدلیل** کی حیثیت سے بخوبی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ رشیدیہ میں اسی تعریف کے آگے اس قید حیثیت کا فائدہ یہ لکھا ہے۔ **فلایرد ما قیل انه یصدق ھذا التعریف علی الناقض بالنقض الاجمالی والمعارض وھما لیس بمدعیین فی عرفھم لانھمالم یتصدیا لاثبات الحکم من حیث انه اثبات بل من حیث انه نفی لاثبات حکم تصدی باثباته الخصم و من حیث انه معارضة لدلیله**.

مگر مولوی صاحب نے تو سوائے ایک نون ثقیلہ کے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ بیان علم نحو میں آئے گا کسی طرف توجہ ہی نہیں فرمائی۔ نہ تو اس قید حیثیت پر نظر فرمائی جو خود تحریر نہیں فرمائی تھی اور نہ اس عبارت رشیدیہ کی طرف غور فرمایا جو لکھی گئی۔ اور حضرت مرزا صاحب نے تو جہاں جہاں اپنے رسائل میں بطور معارضہ کے وفات عیسیٰؑ بن مریم ثابت کی ہے یا نقض اجمالی یا نقض تفصیلی کیا ہے یا دلیل حیات میں کوئی فساد بیان فرمایا ہے اور یا دلیل مدعی حیات کو باطل کیا ہے تو اس بیان نقض و معارضہ سے حضرت اقدس سلمہٗ مدعی نفس الامری کیونکر ہو سکتے ہیں۔

﴿۱۱۱﴾ لانّا لانسلم ان الناقض و المعارض متصدیان لاثبات الحکم من حیث انه اثبات بل من حیث انه نفی لاثبات حکم تصدی باثباته الخصم من حیث انه معارضة او نقض لدلیله۔

ناتمامی تقریب ازروئے علم مناظرہ

اور علم مناظرہ کے رو سے تقریب مولوی صاحب کی دلیل کی محض ناتمام ہے بیان اس کا چہارسطری یہ ہے۔ مدعا مولوی صاحب کا منقح ہوکر یہ رہا ہے کہ بعد نزول عیسٰی بن مریم اور قبل موت ان کی کے ایسا زمانہ آوے گا کہ سب اہل کتاب مومن ہوجاویں گے یعنی اسلام میں داخل ہوجاویں گے۔ اور دلیل مولوی صاحب کی مستلزم اس مدعا کو نہیں ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب کا اقرار پرچہ ثانی میں مندرج ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہوسکتا ہے نہ ایمان شرعی۔ پس دلیل سے سب اہل کتاب کا ایمان شرعی کے ساتھ مومن ہونا اور اسلام میں داخل ہونا ثابت نہ ہوا اور تقریب محض ناتمام رہی ایھا الناظرین ذرہ انصاف کرو کہ اس مشکل مسئلہ مناظرہ کو حضرت اقدس نے کس آسانی اور سہولت اور حسن اسلوب سے بیان کیا ہے کہ ہر ایک قاصی و دانی اس کو سمجھ سکتا ہے لیکن افسوس کہ حضرت مولوی صاحب نے اس پر ذرہ بھر خیال نہ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ.

فقہ حدیث

اس مباحثہ میں فقہ حدیث مولوی صاحب کا یہ ہے کہ مـا اتـاکـم الـرسـول کا مصداق حضرت ابوہریرہ کا قول اور فہم مشکوک مندرجہ فـاقـرء وا ان شئتم وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ [1] کو ٹھہرا دیا ہے اور طرفہ اس پر یہ ہے کہ یہ بھی اقرار ہے کہ فہم صحابی کو میں حجت نہیں جانتا۔ مولانا صاحب جب کہ قول و فہم صحابی حجت نہیں ہے تو اقوال تابعین وغیرہ جو جناب نے اپنے معنے کی تائید میں نقل فرمائے ہیں وہ کیونکر حجت قطعی ہوگئے۔ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى [2] اگر فقہ حدیث کی طرف مولوی صاحب توجہ فرماتے تو فیصلہ اس مباحثہ کا بہت آسان تھا۔ بیان اس کا بطور نمونہ کے مجملاً یہ ہے کہ صاحب صحیح مسلم نے روایتاً و درایتاً اس امر کا فیصلہ کر دیا ہے۔ و امـامـکـم منکم جو صحیحین کی حدیث میں ایک جملہ واقع ہے اس سے کوئی دوسرا امام سوا ابن مریم کے مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ جملہ یا تو بطور صفت کے اسی ابن مریم کا وصف واقع ہوا ہے

[1] النساء : ۱۶۰ [2] النجم : ۲۳

یاؔ حال ہے فاعل نَزَلَ یا یَنزِلُ سے جس کا عامل وہی نَزَلَ یا یَنزِلُ ملفوظ ہے اور اس مطلب کو امام مسلم نے چند روایت سے ثابت کیا ہے اول روایت ابن عیینہ سے چنانچہ لکھتے ہیں وفی روایة ابن عیینہ اماماً مقسطًا حکمًا عدلًا پھر بروایت حضرت ابی ہریرہ یہ الفاظ نقل کئے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم فامّکم ۔ناظرین غور فرماویں کہ اس روایت میں کس تخصیص اور تصریح سے موجود ہے کہ وہی ابن مریم تمہاری امامت کرے گا نہ یہ کہ کوئی دوسرا اس کے وقت میں امام ہو۔ پھر بروایت حضرت ابی ہریرہ دوسری اسناد سے لکھتے ہیں کیف انتم اذانزل فیکم ابن مریم فامکم منکم اس روایت سے تمام شبہات و شکوک شاکین دفع کردیئے گئے ہیں۔ پھر آگے چل کر فرماتے ہیں فقلت لابن ابی ذئب ان الا وزاعی حدثنا عن الزھری عن نافع عن ابی ھریرۃ و امامکم منکم قال ابن ابی ذئب أتدری ماامّکم منکم فقلت تخبرنی قال فامکم بکتاب ربکم تبارک و تعالٰی و سنة نبیکم صلی اللہ علیہ و سلم ۔اب تو کوئی بھی شک باقی نہیں رہا جس کا دفع امام مسلم صاحب نے نہ فرمایا ہو کہ امامکم منکم حال یا صفت اسی مسیح بن مریم کی واقع ہے نہ کسی دوسرے شخص کی خواہ امام مہدی ہوں یا اور کوئی۔اب کہاں ہیں وہ اہلحدیث جو دعوٰی کیا کرتے ہیں کہ احادیث صحیحین سب حدیثوں سے مقدم ہیں اور مع ھذا یہ بھی کہے چلے جاتے ہیں کہ امامکم منکم تو سواء ابن مریم کے کوئی دوسرا امام مہدی وغیرہ ہوگا۔ ایھا الناظرین یہ ہے مصداق مَاۤ اٰتَاکُمُ الرَّسُوۡ لُ کا یا وہ جو مولانا صاحب نے فہم مشکوک بلفظ اِنَّ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا لکھا؟ ﴿۱۱۲﴾

علم نحو

مولوی صاحب نے اس مباحثہ میں علم نحو سے بڑی اعانت لی ہے اور دار مدار کل اپنی استدلال کا اور مناط قطعیة الدلالت ہونے اپنی دلیل کا اسی مسئلہ نون ثقیلہ کو گردانا ہے مگر دانست ناقص میں یہ مسئلہ نحو یہ نون ثقیلہ کا ایک نہایت مقدمہ خفیفہ ہے جس سے بجز خفت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ بیان اس کا یہ ہے۔اول تو مولوی صاحب نے اس مسئلہ کو ایسی کتابوں سے نقل فرمایا ہے کہ ان سے ہر ایک طالب علم نقل کرسکتا ہے۔ مولوی صاحب کو اس میں کوئی مابہ الامتیاز خصوصیت جیسا کہ ان کی شان عالی ہے۔ حاصل نہیں ہوئی۔ کاش اگر ائمہ کبار نحو میں مثل زجاج جوہری۔ سیرافی۔ ابوعلی فارسی۔ خلیل ابن احمد۔ اخافشِ ثلاثہ۔ اصمعی۔ کسائی۔ سیبویہ۔ مبرد

زمخشری وغیرہ سے کچھ اقوال اس بارہ میں نقل فرماتے تو یہ مباحثہ نحوی مولوی صاحب کا کسی قدر ما بہ الامتیاز ہو جاتا۔ اگرچہ بمقابل حضرت اقدس مرزا صاحب جیسے مؤید من اللہ کے ان ائمہ کبار کی نقل اقوال بھی کچھ وقعت نہیں رکھتی ملاحظہ فرماؤ کتب قُـرّا اگر وہ میسر نہ ہوں تو مطالعہ کرو کتب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اگر وہ بھی بالفعل نہ ملیں تو دیکھو فوز الکبیر۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس میں لکھتے ہیں۔ ﴿۱۱۳﴾

ودر نحو قرآن خللے عجیب راہ یافتہ است وآں آنست کہ جماعتے مذہب سیبویہ را اختیار کردہ اند وہر چہ موافق آں نیست آں را تاویل مے کنند۔ تاویل بعید باشد یا قریب وایں نزد من صحیح نیست اتباع اقوے واوفق بسیاق وسباق باید کرد۔ مذہب سیبویہ باشد یا مذہب فراء در مثل وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ [1] حضرت عثمان گفتہ اند ستقیمها العرب بالسنتها وتحقیق این حکم نزدیک فقیر آنست کہ مخالف روزمرہ مشہورہ نیز روزمرہ است وعرب اول را در اثناء خطب محاورات بسیار واقع مے شد کہ خلاف قاعدہ مشہورہ بر زبان گزشتے۔ اگر احیاناً بجائے واو یا آمدہ باشد یا بجائے تثنیہ مفرد یا بجائے مذکر مؤنث چہ عجب۔ پس آنچہ محقق است آنست کہ ترجمہ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ بمعنے مرفوع باید گفت واللہ اعلم۔

اگر مولوی صاحب قواعد نحو مندرجہ شرح ملا وحواشی اس کے، کے ایسے پابند ہیں کہ سرِ مُو تجاوز نہیں ہو سکتا تو سوال ذیل کا جواب مرحمت فرماویں۔ انہیں کتابوں میں لکھا ہے کہ نــون التاکید لا یؤکد الامطلوبا والمطلوب لا یکون ماضیا ولا حالا ولا خبرا مستقبلا اس سے ثابت ہوا کہ لیؤمننّ به قبل موته جملہ خبریہ نہیں ہے بلکہ جملہ قسمیہ انشائیہ ہے چنانچہ تفسیر بیضاوی وغیرہ میں بھی واللہ کو پہلے لیؤمننّ کے مقدر مانا ہے اور جملہ قسمیہ انشائیہ ہی قرار دیا ہے اور جب کہ جملہ قسمیہ انشائیہ ہوا تو پیشین گوئی یعنی خبر مستقبل کیونکر ہو سکتا ہے کجا جملہ خبریہ اور کجا جملہ انشائیہ ؎ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور پھر ایک فساد اس میں اور بھی پیدا ہو گیا وہ یہ ہے کہ تمام اہل کتاب سے جو ایمان لانا حضرت عیسٰیؑ پر مطلوب الٰہی ہے وہ قبل ان کی موت کے ہے کیونکہ تـقـیـیـد بقید قبل مـوتـه محض بیکار تو ہے ہی نہیں۔ مطول وغیرہ کو دیکھو جملہ مقیدات میں بموجب قواعد علم بلاغت کے لحاظ قید کا ضروری ہوتا ہے ورنہ

[1] النسآء:۱۶۳

﴿۱۱۴﴾ قید محض لغو اور بے فائدہ ہو جائیگی۔ قواعد جو علم بلاغت کی رعایت سے بعید ہے اگر کاش بجائے قبل موتہ کے من قبل موتہ بھی ہوتا تو کسی قدر منافی مدعا نہ ہوتا۔ یہاں پر تو طلب ایمان کا ظرف زمان قبل موتہ واقع ہوا ہے نہ من قبل موتہ۔ قال فی المطول و مختصرہ ما حاصلہ و اما تقیید الفعل و مایُشبھہ من اسم الفاعل والمفعول وغیرھما بمفعول مطلق اوبہ اوفیہ. اولہ. اومعہ. ونحوہ. من الحال والتمیز والاستثناء فلیترتب الفائدہ لان الحکم کلمازاد خصوصا زادغرابۃ وکلمازادغرابۃ زاد افادۃ. کما یظھر بالنظر الی قولنا شیء ماموجود و فلان بن فلان حفظ التوراۃ سنۃ کذافی بلدۃ کذا۔ اس حیات سے تو حضرت عیسیٰ کی وفات مثل دیگر انبیاء کے ہی اچھی ہوتی۔ اگر حالت حیات و نیز ممات ان کی میں سب اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا مطلوب الٰہی ہوتا اور اب تو بعد ان کی موت کے ان پر ایمان لانا اس جگہ مطلوب الٰہی نہیں رہا۔ ان ھذا لشیء عجاب بل ھو عین الفساد.

بحث ترکیب نحوی

الا لیؤمننّ بہ ترکیب نحوی میں کیا واقع ہوا ہے۔ اگر اَحَدٌ مقدر کی صفت ہے اور اَحَدٌ مبتدا مقدم الخبر ہے یعنی من الکتاب اس کی خبر واقع ہوئی ہے تو یہ معنے بھی بہ بداہت فاسد ہیں۔ کیونکہ حاصل معنے یہ ہوئے کہ جو شخص ایسا ہو کہ ایمان لاوے عیسیٰؑ پر قبل ان کی موت کے وہ شخص اہل کتاب میں سے نہیں ہے حالانکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ اس شخص مومن کا موافق جناب کی مسلک کے اہل کتاب میں سے ہونا کچھ ضرور نہیں۔ سواء اہل کتاب کے دیگر کفار بھی مسیح ابن مریم کے وقت میں اسلام میں داخل ہوں گے اور اگر الا لیومنن محل خبر میں ہے اور من اھل الکتاب صفت ہے اَحدٌ مقدر کی اور اَحَدٌ معہ اپنی صفت کے مبتدا ہے تو بھی معنے فاسد ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں بھی تخصیص و تقیید اہل کتاب کی موہم اس کی ہے کہ سوائے اہل کتاب کے اور ملت والے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان نہ لاویں اور اسلام میں داخل نہ ہوں و ھذا خلاف دعواکم۔

﴿۱۱۵﴾

مرجع ضمیر قبل موتہٖ

مرجع ضمیر قبل موتہ میں ازروئے نحو کے یہ بحث ہے کہ آیت مذکورہ مدعائے مولوی صاحب میں حسب فہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بطور شک کے بھی تب دلالت کرے گی کہ ضمیر قبل موتہ کا مرجع صرف حضرت عیسیٰؑ کا ہونا ازروئے قواعد نحو کے واجب ولازم ہو اور کتابی ما اَحَدٌ کا مرجع ہونا ازروئے نحو کے بطور قطعی کے محض باطل اور ممتنع ثابت کیا جاوے حالانکہ وہ وجوب اور یہ امتناع ازروئے قواعد نحو کے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ عام مفسرین نحویین نے راجح اور اولیٰ قول بموجب قواعد نحو کے یہی اختیار کیا ہے۔ کہ ضمیر قبل موتہ کی راجع ہے طرف کتابی کے جو لفظ اہل کتاب سے سمجھا گیا یا اَحَدٌ مقدر ہے جس کا مقدر ماننا بسبب استثناء کے ضروریات سے ہے۔ اور اگر جناب والا یہ وجوب اور امتناع ثابت کریں گے تو تمام مفسرین کا اجماع ایک امر ممتنع نحوی پر لازم آتا ہے والــلازم بـاطـل فـالـملزوم مثله فهذا الدعوی تقول علی الله و فاسد بالقطع و لايقول به الا من رضی بتاسيس بنائه عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ۔

بحث سیاق وسباق آیہ ازروئے نحو

نحو میں سیاق اور سباق کلام کی رعایت بھی بہت کیا کرتے ہیں لہٰذا اگر آیت مذکورہ سے یہ پیشگوئی جو مدعا مولوی صاحب ہے مراد الٰہی ہو تو سباق کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اوپر ہی عنقریب اس آیہ کے یہ پیشگوئی موجود ہے فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا[1] اور اس کے جملہ خبریہ ہونے میں کوئی کلام اور بحث نحوی بھی نہیں ہے بخلاف آیت پیش کردہ مولوی صاحب کے کہ بموجب ہوامش شرح جامی وغیرہ کے اس کے جملہ خبریہ ہونے میں بموجب مسلک مولوی صاحب کے کلام گذر چکا پس ایسا اختلاف سیاق وسباق جس کو کوئی نحوی پسند نہ کرے گا کلام الٰہی میں کیونکر ہوسکتا ہے۔ صدق الله تعالی وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا[2] ۵/۸

سیاق

بیان سیاق یہ ہے کہ آیت وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا[3] ۶/۲ بھی اس معنے کے مخالف پڑتی ہے مجملاً بیان اس کا یہ ہے کہ یہ مسئلہ بکتاب اللہ وسنت صحیحہ ثابت ہو چکا ہے کہ پچھلی تمام امم ماضیہ پر یہ امت مرحومہ شہید و گواہ ہوگی اور اس امت مرحومہ پر رسول مقبول صلی اللہ

---

[1] النساء : ۴۷ [2] النساء : ۸۳ [3] النساء : ۱۶۰

﴿۱۱۶﴾ علیہ وسلم (روحی فداہ) شہید و گواہ ہوں گے۔ قال اللّٰہ تعالٰی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا [1] پ۲ واخرج احمد والبخاری والترمذی والنسائی وغیرھم عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یدعی نوح یوم القیامۃ فیقال لہ ھل بلغت فیقول نعم فیدعی قومہ فیقال لھم ھل بلغکم فیقولون ما اتانا من نذیر و ما اتانا من احد فیقال لنوح من یشھد لک فیقول محمد و امتہ ذٰلک قولہ یعنی ھٰذہِ الایۃ فیشھدون لہ بالبلاغ واشھد علیکم پس اب دریافت کیا جاتا ہے کہ ضمیر علیھم کا مرجع بھی اہل کتاب جو ایمان لے آویں گے اور اسلام میں داخل ہوکر ہمارے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہوجاویں گے تو بالضرور ان کے شہید و گواہ بجز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عیسیٰؑ کیونکر ہو سکتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کا غایت درجہ تو یہ ہے کہ اپنی امت کے شہید ہوں فرمایا اللہ تعالیٰ نے كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ [2] پ۷ اور اگر کہو کہ یہ منصب جو ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وہ بعد نزول حضرت عیسیٰؑ کے حضرت عیسیٰؑ کو مل جاوے گا۔ تو نعوذ باللہ لازم آتا ہے کہ ختم نبوت نہیں ہوا واللازم باطل فالملزوم مثلہ اور اگر کہو کہ مرجع ضمیر علیھم کا وہ اہل کتاب ہیں جن کا ذکر یہاں سے ایک کوس بھر کے فاصلہ پر ہوا ہے تو یہ استفسار ہے کہ اس قدر بعید مرجع کا ماننا کس کا مذہب ہے فرّا کا یا سیبویہ کا۔ بیّنوا توجروا۔

بحث نحوی بابت زمانہ حال

یہ جو بعض کتب نحو میں لکھا گیا ہے کہ زمانہ حال کا ایسا نہیں ہے کہ اس میں کوئی فعل واقع ہو سکے اور اسی بنا پر مولوی صاحب نے زمانہ استقبال کی دو قسمیں فرمائیں اول استقبال قریب و دوم استقبال بعید۔ اگرچہ مطلب ہمارا اسی سے حاصل ہوگیا کہ مولوی صاحب جس کو استقبال قریب کہتے ہیں ہم اس کو حال کہیں گے صرف ایک نزاع لفظی رہ گئی مگر علاوہ اس کے یہ گذارش ہے کہ یہ ایک تدقیق متکلمین کی ہے۔ ہم کو کیا ضرورت ہے کہ ایسی تدقیق جو بالکل خلاف عرف اہل عربیت کے ہے اس پر اڑ جاویں دیکھو مطول اور اس کے ہوامش میں لکھا ہے وھٰذا یعنی الزمان الحال امر عرفی کما

[1] البقرۃ: ۱۴۴ [2] المائدۃ: ۱۱۸

يقال زيد يصلّى والحال ان بعض صلٰوته ماض وبعضها باق فجعلوا الصلٰوة الواقعة فى الاٰنات الكثيرة المتعاقبة واقعة فى الحال و تعيين مقدار الحال مفوض الى العرف بحسب الا فعال ولايتعين له مقدار مخصوص فانه يقال زيد ياكل ويمشى ويحج ويكتب القرآن ويعد كل ذٰلك حالا ولا شك فى اختلاف مقادير ازمنتها ۔ اور السید السند ایسی ہی تدقیقات کی نسبت حواشی مطول میں تحریر فرماتے ہیں۔ والحق انها مناقشات واهية لان هذه التعريفات بيّنات يفهم اهل اللّغة منها ومن تلك العبارات ماهو المقصود بها ولايخطر ببالهم شیء مما ذكروا أما التدقيق فيها فيستفاد من علوم اخر يلاحظ فيها جانب المعنى دون القواعد اللفظية المبنية على الظواهر انتهٰى موضع الحاجة ۔ ﴿۱۱۷﴾

بحث بطرز دیگر بابت مرجع ضمیر قبل موتہٖ

اگر ضمیر قبل موتہٖ کی حضرت عیسٰیؑ کی طرف رجوع کر کر وہ معنے لئے جاویں جو مولوی صاحب لیتے ہیں تو ایک اور فساد لازم آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بالاتفاق حضرت عیسٰیؑ نبوت سے معزول و عاری اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہو کر آویں گے اور سب کو یہ دعوت کریں گے کہ اسلام لا کر حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہو جاؤ۔ مگر یہاں پر عکس القضیہ ہوا جاتا ہے۔ حضرت خاتم النبین پر ایمان لانے کا تو کچھ ذکر نہ ہوا اور ایک شخص امتی پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا گیا۔ لیکن کسی امتی پر ایمان لانے کے کوئی عمدہ معنے قابل التفات نہیں معلوم ہوتے۔ اور اگر کہو کہ حضرت عیسٰیؑ پر ایمان لانا مستلزم ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے واسطے تو یہ گذارش ہے کہ سلمنا۔ لیکن یہ ایمان ضمن میں ایمان بعیسٰی کے بالتبع حاصل ہوا نہ بالاصل جو مقصود اصلی اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پس مقصود اصلی کو ترک کرنا اور غیر مقصود کو اختیار کرنا جس سے طرح طرح کے توہمات ختم نبوت میں پیدا ہوتے ہیں کیا ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وہ مرتبہ ہے کہ تمام انبیاء کو بہ تاکید تمام حکم ہوا ہے۔ اور ان سے اقرار و میثاق لیا گیا ہے کہ وہ سب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

﴿۱۱۸﴾ لاویں۔قال اللّٰہ تعالٰی وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۔ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1] ۔ مولانا صاحب یہی گُر تھا کہ حضرت میاں صاحب مدّ ظلہٗ اور محمد حسین نے جناب والا کو بہت فہمایش کی کہ یہ آیت مطلوب میں قطعی الدلالت نہیں اس آیت کو آپ بمقابل مرزا صاحب ہرگز پیش نہ کریں کیونکہ یہ دونوں صاحب اس آیہ کے نشیب و فراز سے واقف تھے مگر جناب نے ان کی فہمایش کو قبول نہ فرمایا اور تفسیر ابن کثیر پر تکیہ کرلیا۔آپ کے شان محققی سے یہ امر نہایت بعید ہے۔

بحث لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ

ازہری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ لام تاکید کا حال کے واسطے آتا ہے۔اب تسلیم کیا کہ فقط نون تاکید صرف استقبال کے واسطے ہے لیکن جب کہ کسی صیغہ میں لام تاکید بھی ہو۔جو حال کے واسطے آتا ہے اور نون تاکید بھی ہو۔چنانچہ ما نحن فیہ میں ہے تو وہاں پر خالص استقبال بالضرور ہونے کی کیا وجہ۔اس کی کوئی دلیل مولوی صاحب نے نحو سے ارشاد نہیں فرمائی۔اور تقریب دلیل محض ناتمام رہی ہے۔یہ مانا کہ صرف نون تاکید استقبال کے واسطے نحو میں لکھا ہے۔امر۔نہی۔استفہام۔تمنی۔عرض وغیرہ ان میں صرف نون تاکید ہوتا ہے۔بغیر لام تاکید کے۔پس ان صیغوں میں صرف استقبال ضرور مراد ہوسکتا ہے۔لیکن جس صیغہ میں لام تاکید بھی ہو اور نون تاکید بھی اس میں خالص ہونے استقبال کی کیا دلیل ہے۔شاید مولوی صاحب نے ازہری کی اس عبارت سے یہ بات سمجھی ہے کہ لانھما تخلصان مدخولھما للاستقبال۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں پر استقبال سے صرف صیغہ استقبال مراد ہے جس کی نسبت السنہ اطفال پر جاری ہے کہ صیغہ حال ہمچو صیغہ استقبال است اور یہ بات خود ازہری کی عبارت سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ ذٰلک ینافی الماضی اگر مراد ازہری کی خالص زمانہ استقبال ہوتی تو کہتا کہ و ذٰلک ینافی الماضی و الحال اور اسی واسطے قسم کے جواب مثبت میں کوئی شرط زمانہ استقبال کی نہیں رہتی صرف صلاحیت تامہ فعلی کے واسطے دخول نون کی تمام کتب نحو میں لکھی ہے

[1] آل عمران: ۸۲۔۸۳

﴿۱۱۹﴾ اوراسی وجہ سے اکثر نحویین نے لفظ مستقبل مثبت کی جگہ لفظ مضارع مثبت کا اختیار کیا ہے اور اکثر نے صرف لفظ فعل مثبت کا کما لا یخفی علی من دارس کتب النحو ۔شرح ملا اور ہوامش اسکے میں لکھا ہے ولزمت ای نون التاکید فی مثبت القسم ای فی جوابه المثبت لان القسم محل التاکید فکرھوا ان یؤکدوا الفعل بامر منفصل عنه و ھو القسم من غیر ان یؤکدوه بما اتصل به و ھو النون بعد صلاحیته له ای صلاحا تاما و احترز عما لایصلح اصلاکالجملة الاسمیة والفعل الماضی المثبت ومافیه مانع کما سیجیء و عما لا یصلح صلاحا تاما کالمستقبل المنفی الی اٰخر العبارة۔

تفصیل حال جواب قسم فعل مثبت

تفصیل حال جواب قسم فعل مثبت کی تفصیل مقام یہ ہے کہ جب قسم کا جواب مثبت جملہ فعلیہ واقع ہوتو باعتبار زمانہ کے اُس کی پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو خالص ماضی مراد متکلم کی ہو۔اس صورت میں لام اورقد کے ساتھ اکثر جواب قسم آتا ہے جیسا کہ واللّٰہ لقد قام زید۔ یا جواب قسم میں مراد متکلم کی صرف حال ہوتو اندریں صورت جواب قسم میں صرف لام آویگا جیسا کہ

؎ یمینا لأ بغض کل امرأ یزخرف قولا و لا یفعل

اور یا صرف استقبال مراد متکلم کے ہو اس صورت میں لام تاکید نون تاکید کے ساتھ جواب قسم کا آنا لازم ہے جیسا کہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ [1] ۱۷/۵ ان صورتوں کی تصریح تو جملہ کتب نحوصغیر وکبیر میں لکھی ہے مولانا عبدالحکیم تکملہ میں لکھتے ہیں۔ **قوله** فالام آه هذه اللام لام الابتداء المفیدة للتاکید لا فرق بینها و بین الا من حیث العمل و تفصیل الکلام فی ھذاالمقام ان القسم الذی لغیر السوال جوابه اما جملة اسمیة مثبتة فیلزمها انّ واللام و قد یجمع بینهما و حینئذٍ یدخل اللّام علی الخبر فلا یستغنی الاسمیة عنهما من دون استطالة الا نادرًا و امّا جملة اسمیة منفیة فیلزمها ما او لا او ان النافیة و اما جملة فعلیة فان کان فعلها ماضیا غیر منصرف او منصرفًا فی معنی التعجب او المدح یلزمها اللّام و ان کان ماضیا منصرفا لا فی التعجب او المدح یلزمها مع اللّام

[1] الانبیاء : ۵۸

﴿۱۲۰﴾ قدؔ اوماً فی معناہ مثل ربما و قد یقد ر قد یکتفی باللام باللفظ ولا یکتفی بقد الا اذا طال القسم او کان فی ضرورۃ الشعر نحو قوله تعالٰی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا[1] و ان کان مضارعا استقبالیا یلزمها للام مع نون التاکید ان دخلت اللام علی نفس المضارع الا نادرا اوّلا یکتفی عن الام بالنون الا فی ضرورۃ الشعر واذا لم یدخل اللام علی نفس المضارع یکتفی باللام نحو لَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ[2] وان کان مضارعا حالیا یکون باللام من غیر النون و اما جملة فعلیة منفیة فیلزمها فی الماضی ما اولا و الا یلزم تکرار لا ھٰھنا لان الماضی منقلب فی الجواب مع الاستقبال و فی المضارع استقبالیا کان او حالیا ما اولا مع النون او بدونها. الخ ۔اب اگر قسم کے جواب مثبت فعلی میں مراد متکلم کے دوام تجددی ہو یا حال و استقبال دونوں مراد ہوں جو چوتھی اور پانچویں صورت ہے تو اس کے واسطے بھی وہی صیغہ مضارع کا مؤکد بلام تاکید ونون تاکید بولیں گے اگر مولوی صاحب اس کو ناجائز فرماویں تو بحوالہ ائمہ کبار نحو کے جو سابق مذکور ہو چکے اس مراد کے واسطے کوئی صیغہ استخراج فرماویں ورنہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایسے مافی الضمیر کے لئے کوئی صیغہ اور پتہ نشان عرب میں موجود نہ ہو۔ بیّنوا توجروا.

حاصل یہ ہے کہ قسم کے جواب کے واسطے صرف استقبال کا ہونا کچھ واجب اور لازم نہیں ہے بلکہ جواب قسم کبھی ماضی ہوتا ہے کبھی حال کبھی استقبال کبھی استمرار اور دوام تجددی اور نیز سابق ازیں علم بلاغت سے ثابت ہو چکا کہ صیغہ مستقبل کا واسطے استمرار اور دوام تجددی کے مستعمل ہوتا ہے۔ پس اگر جواب قسم کا صیغہ مستقبل مؤکد بلام تاکید ونون تاکید ہووے تو اس کی امتناع دوام تجددی کے لئے ہونے میں یا حال و استقبال دونوں مراد ہونے میں کونسی دلیل نحوی قائم کی گئی ہے باوجودیکہ لام تاکید بھی جو حال کے واسطے آتا ہے اس میں موجود ہے اگر کوئی ایسی دلیل اکابر ائمہ نحویین سے بطور اجماع کے منقول ہوئی ہو تو بیان کی جاوے اُس میں نظر کی جاوے گی بلکہ جو آیات کہ جناب نے بطور شواہد کے اپنے مدعا کے واسطے لکھی ہیں۔ ان میں اکثر آیات واسطے استمرار اور دوام تجددی کے لئے اور حال و استقبال دونوں زمانوں کے واسطے ہوسکتی ہیں کوئی محذور

[1] الشمس: ۱۰ [2] ال عمران : ۱۵۹

نحوی لازم نہیں آتا۔ البتہ آیت اول میں چونکہ صرف نون تاکید ہے لام تاکید نہیں لہٰذا وہ صرف ﴿۱۲۱﴾
استقبال کے واسطے ہے۔ اور آیت دوم فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا [1] ۲/۱ میں لام تاکید
معہ نون تاکید موجود ہے۔ پس اسکے حال و استقبال ہونے میں کوئی محذور نہیں ہے علٰی ھٰذا
القیاس۔ آیت سوم وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ [2] ۲/۳ میں حال و استقبال
دونوں مراد ہوسکتے ہیں اور اگر کسی تفسیر میں ان آیات کو صرف استقبال پر حمل کیا ہوتو ہم کو کچھ
مضر نہیں اور آیت چہارم لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ [3] ۷/۲ میں حال واستقبال دونوں
مراد ہوسکتے ہیں اور ہم یہ کب کہتے ہیں کہ ہر جگہ حال ہی مراد ہوا کرے اور لَتَنْصُرُنَّهٗ میں صرف
استقبال ہی مراد ہونا ہم کو کچھ مضر نہیں۔ آیت پنجم لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ
وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ [4] ۱۰/۴ میں لام تاکید معہ نون تاکید موجود ہے حال و
استقبال دونوں مراد ہوسکتے ہیں اور اگر کسی تفسیر میں صرف استقبال کا مراد ہونا ان آیات میں
لکھا ہوتو ہم کو کچھ مضر نہیں۔ اور آیت نمبر۴ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ [5] اگر خبر بمعنے انشاء کے ہے
اور اس واسطے صرف استقبال مراد ہےتو ہم کو کچھ مضر نہیں۔ آیت ششم لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ [6]
میں دونوں زمانہ مراد ہوسکتے ہیں کوئی محذور لازم نہیں آتا آیت ہفتم وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ [7] میں لام
تاکید مع نون تاکید موجود ہے۔ حال و استقبال دونوں مراد ہیں۔ ورنہ اس کے کیا معنے کہ وہ
مہاجرین اللہ تعالیٰ کے راہ میں قتل تو کئے گئے اور اُس کی راہ میں تکلیفیں اُٹھا چکے اور ابھی تک
جنت میں داخل نہیں ہوئے اور ہزاروں برس کے بعد کہیں جنت میں داخل ہونگے بلکہ ہم تو یہ
کہتے ہیں کہ نزول آیت کے وقت میں بھی داخل ہوئے اور ہونگے اور داخل ہوتے چلے جاتے
ہیں یاد کرو القبر روضة من ریاض الجنّة الخ۔ آیت ہشتم وَلَاُضِلَّنَّهُمْ [8] کے بھی
مضارع ہونے میں کوئی محذور نہیں۔ ابلیس کا اضلال حضرت آدم کے وقت دخول جنت سے
متحقق ہے۔ آیت نہم لَتَجِدَنَّ [9] میں بھی دونوں زمانے مراد ہوسکتے ہیں۔ کونسا محذور لازم آتا
ہے بیان کیا جاوے اس میں نظر کی جاوے گی۔ آیت دہم۔ لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ [10] میں بھی خالص
استقبال کا بطور وجوب ولزوم کے مراد ہونا کچھ ضرور نہیں و من ادعی فعلیه البیان۔ آیت یازدہم۔
لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ [11] میں بھی دونوں زمانہ مراد ہوسکتے ہیں کیونکہ مرتے جاتے ہیں۔

[1] البقرة: ۱۴۵ [2] البقرة: ۱۵۶ [3] آل عمران: ۸۲ [4] آل عمران: ۱۸۷ [5] آل عمران: ۱۸۸
[6]-[7] آل عمران: ۱۹۶ [8] النساء: ۱۲۰ [9] المائدة: ۸۳ [10] المائدة ۹۵ [11] النساء: ۸۸

اور جمع ہوتے جاتے ہیں اور یہ جمع قیامت تک رہے گا۔ قیامت اُسکی انتہا ہے کیونکہ الٰی ﴿۱۲۲﴾
انتہا کے واسطے آتا ہے آیت فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ [1] میں صیغہ فلنسئلن مضارع ہوسکتا
ہے کیونکہ لام تاکید معہ نون تاکید کے اُس میں موجود ہے اور دوام تجددی بھی مراد ہوسکتا
ہے۔ شروع سوال وقت موت سے ہی برزخ میں بھی ہوتا ہے اور حشر ونشر اجساد میں بھی
رہے گا تا دخول جنت یا نار۔ شاہ عبدالقادر صاحب ترجمہ اسکا زمانہ حال کے ساتھ فرماتے
ہیں سو ہم کو پوچھنا ہے اُن سے جن پاس رسول بھیجے تھے اور ہم کو پوچھنا ہے رسُولوں سے۔
آیت لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ [2] میں حال و استقبال دونوں مراد ہوسکتے
ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ بلفظ مضارع کیا ہے۔ البتہ ببرم دستہائے شمارا و پاہائے
شمارا۔ آیت وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ [3] میں بھی دونوں زمانے
مراد ہوسکتے ہیں اور کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وقت نزول آیہ سے یعنی حضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے وقت سے یہود پر عذاب نازل ہونا شروع ہوگیا اور یہ عذاب اُن پر قیامت تک
نازل رہے گا۔ اسی واسطے ترجمہ اس آیہ کا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بلفظ مضارع کیا
ہے۔ و یاد کُن چوں آگاہ گردانید پروردگار تو کہ البتہ بفرستد برایشاں تا روز قیامت۔ آیت
وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا [4] میں حال واستقبال دونوں مراد ہیں کیونکہ اس کے کیا
معنے کہ کفار پیغمبروں کو اذیت تو دے چکے یا دیتے ہیں اور اُن پیغمبروں نے ابھی تک
صبر نہیں کیا کسی آئندہ زمانہ میں صبر کریں گے اور زمانہ حال میں بے صبر ہیں
اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ [5] آیت وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ
لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ [6] الآیۃ میں بھی حال واستقبال دونوں مراد ہوسکتے ہیں۔
کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ خصوصاً جبکہ لحاظ کی جاوے تعریف زمانہ حال کی جو اوپر گزر چکی کہ
زمانہ حال ایک امر عرفی ہے اور اُسکی مقدار بلحاظ افعال کے مختلف ہے اور وہ مفوض الی
العرف ہے۔ آیت وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ [7] میں تسلیم کیا
کہ صرف زمانہ استقبال مراد ہے مگر ہم کو یہ کچھ مضر نہیں۔ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ ایسے صیغ میں
زمانہ حال ضرور بالضرور مراد ہی ہوتا ہے اور آیت مذکورہ میں ایک صارف بھی موجود ہے۔

۱-۲-۳ الاعراف: ۷، ۱۲۵، ۱۶۸ ۴ ابراھیم: ۱۳ ۵ صٓ: ۶ ۶ ابراھیم: ۱۴ ۷ النحل: ۹۳

﴿۱۲۳﴾ کہ جسکے سبب سے زمانہ حال مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ لفظ **یوم القیامۃ** کا ہے مگر مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ اسکا بلفظ مضارع کیا ہے۔ والبتہ بیاں کند برائے شما روز قیامت آنچہ دراں اختلاف مے نمودید۔شاید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ بلفظ مضارع اسواسطے کیا ہے کہ **من مات فقد قامت قیامتہ** ،حدیث صحیح ہے پس یہ بیان بطور استمرار کے ہمیشہ جاری ہے قیامت تک یعنی حشر اجساد تک۔آیت **وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**[1] میں دونوں زمانے حال واستقبال مراد ہو سکتے ہیں۔کوئی محذور لازم نہیں آتا۔شاہ عبدالقادر صاحب نے ترجمہ آیت کا برعایت زمانہ حال کیا ہے۔یعنے اور تم سے پُوچھ ہونی ہے جو کام تم کرتے تھے۔یہاں تک جس قدر آیتیں مولوی صاحب نے لکھیں وہ سب مناقض اور منافی دعوے مولوی صاحب کے ہیں اور مؤید حضرت اقدس مرزا صاحب کے **وَلَنِعْمَ مَا قِيْلَ**

؎ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد خمیر مایۂ دوکان شیشہ گر سنگ است

اس مقام پر ہیچمدان کو وہ مثل یاد آئی جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی آیت کے رکوع میں بیان فرمایا ہے **قال اللّٰہ تعالیٰ** ۔ **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا**[2] ۱۴/۱۹ آیت **فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ**[3] میں حال واستقبال بلکہ استمرار مراد ہے کوئی محذور لازم نہیں آتا۔اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ترجمہ اسکا بلفظ مضارع کیا ہے۔ ہرآئینہ زندہ کنیمش بزندگانی پاک وبدہیم آنجماعہ را مزد ایشاں۔اور شاہ عبدالقادر صاحب فائدہ میں لکھتے ہیں اچھی زندگی قیامت کو جلا دینگے یا دنیا میں اللہ کی محبت اور لذت میں۔آیت **وَقَضَيْنَاۤ اِلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا**[4] ۱/۱۵ میں اگر زمانہ استقبال ہی مراد ہے تو حضرت مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں کیونکہ حضرت اقدس اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ کسی جگہ ان صیَغ میں خالص زمانہ استقبال مراد نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ بحسب مقامات ایسے صیغ میں کہیں تو دوام تجددی مراد ہوتا ہے جیسا کہ حواشی مطول سے صیغہ مستقبل کا ہونا دوام تجددی کے واسطے نقل ہو چکا اور کہیں حال واستقبال مراد ہوتا ہے اور کہیں خالص استقبال چونکہ یہاں پر سیاق آیہ میں چند قرائن صارفہ عن ارادۃ الحال موجود ہیں اسواسطے حال مراد نہیں خالص استقبال مراد ہے۔لیکن مولوی صاحب کا استقبال تو یہاں پر بھی موجود نہیں کیونکہ نزول آیت سے

[1] النحل :۹۴ [2] النحل :۹۳ [3] النحل:۹۸ [4] بنی اسرائیل :۵

﴿۱۲۴﴾ بہت پہلے دونوں مرتبہ فساد بھی اسرائیل کے زمانہ ماضی میں ہو چکے ہیں۔ اول فساد کی سزا میں جالوت غالب ہوا اور دوسرے فساد کی جزا میں بخت نصر غالب ہو چکا۔ آیت وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ [1] میں دونوں زمانہ حال واستقبال مراد ہیں اور کوئی محذور نہیں بلکہ یہاں پر مضارع ہونا ضروری ہے بلکہ دوام تجدد ہی کا مراد ہونا انسب ہے۔ کیونکہ جو شخص جس وقت سے ارادہ نصرت الٰہی کرتا ہے اُسی وقت سے نصرت الٰہی شامل حال اسکے ہونے لگتی ہے اگرچہ دوسروں کو محسوس نہ ہو۔ آیت:- لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ [2] میں دونوں زمانہ حال واستقبال مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ لفظ استخلاف کا عام ہے شامل ہے استخلاف روحانی اور جسمانی دونوں کو۔ پھر روحانی استخلاف تو وقت بعثت سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ سلّمنا کہ استخلاف جسمانی وظاہری ہی مراد ہے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ نہیں تھے بلکہ ان سب وعدوں مندرجہ آیت کا ایفا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے شروع ہو گیا تھا۔ پھر اگر آیت مذکورہ میں زمانہ حال بھی مراد ہو تو کونسا محذور نحوی لازم آتا ہے۔ خصوصاً اُس حالت میں کہ مطول وغیرہ سے تصریح ہو چکی کہ زمانہ حال کا ایک امر عرفی ہے اور اس کی مقادیر مختلف ہیں جو مفوض ہیں اہلِ عرف پر۔ آیت لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا [3] دونوں زمانہ حال واستقبال مراد ہو سکتے ہیں **مقدار زمان الحال مفوض الی العرف** ۔ اسی واسطے شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ اس آیت کا ساتھ لفظ مضارع کے کیا ہے۔ ہر آئینہ عقوبت کنم اُو را عقوبت سخت۔ اور اگر خالص استقبال ہی مراد ہو تو حضرت اقدس مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں ہے۔ وہ کب قائل ہیں کہ ایسے صِیَغ میں زمانہ حال التزاماً مراد ہوتا ہے۔ آیت لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [4] میں حال واستقبال بلکہ دوام تجددی اور استمرار مراد ہے اسمیں کونسا محذور نحوی لازم آتا ہے۔ خود وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا [5] اس کی دلیل ہے جو متضمن شرط کو ہے اگر یہ شرط زمانہ ماضی میں واقع ہو چکی تو جزا اُسکی بھی زمانہ ماضی میں واقع ہو چکی اور اگر یہ شرط زمانہ حال میں متحقق ہو تو جزا اس کی زمانہ حال میں متحقق ہوتی ہے اور اگر شرط زمانہ استقبال میں واقع ہو گی تو جزا اس کی بالضرور زمانہ استقبال میں متحقق ہو گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت بمنزلہ قضیہ شرطیہ فیصلہ لزومیہ کے ہے۔ مولوی صاحب اس بارہ میں جب کچھ مباحثہ منطقیہ بیان فرماویں گے تو ہیچمدان بھی انشاء اللہ تعالیٰ کلام کو بسط کر دے گا۔ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ [6] میں دونوں

[1] الحج : ۴۱ [2] النور : ۵۶ [3] النمل : ۲۲ [4]-[5] العنکبوت : ۷۰ [6] محمد : ۳۱

زمانہ حال و استقبال مراد الٰہی ہیں زمانہ استقبال کی کوئی تخصیص ضروری نہیں ہے اسی واسطے ﴿۱۲۵﴾
ترجمہ اسکا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بلفظ مضارع کیا ہے۔ و البتہ بشناسی ایشاں را دراسلوب سخن۔ آیت لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ [1] اگر صرف زمانہ استقبال ہی مراد مان لیا جائے تو حضرت اقدس مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں زمانہ حال کا ارادہ اُن کے نزدیک لازم اورواجب نہیں اوراس آیہ میں جو خالص زمانہ استقبال مراد ہوا تواس کا سبب یہ ہے کہ سیاق آیت میں قرائن صارفہ عن ارادۃ الحال موجود ہیں کیونکہ یہ آیت جواب ہے زعم کفار کا کہ بعث ہرگز نہ ہوگا لہٰذا جواب میں بھی صرف استقبال مراد ہوا۔ قال اللّٰہ تعالٰی ۔ زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ ؕ وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ [2] ۲۸/۱۵ ظاہر ہے کہ لن مضارع کو خالص استقبال کے واسطے کر دیتا ہے پس جبکہ زعم کفار صرف نفی بعث استقبال کے واسطے تھا تو جواب اوراُن کی رد میں بھی صرف استقبال ہی مراد لیا گیا۔ پس یہاں پر ایک قرینہ صارفہ عن ارادۃ زمان الحال موجود ہے۔اوراگر آغاز بعث کا وقت موت سے لیا جاوے اورانتہا اس کا یوم النشور اورحشر اجساد تک ہو بلحاظ حدیث صحیح کے کہ من مات فقد قامت قیامته وارد ہے تو زمانہ حال بھی مراد ہوسکتا ہے۔ آیت لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ [3] میں لام تاکید جو حال کے واسطے آتا ہے معہ نون تاکید ثقیلہ کے موجود حال و استقبال دونوں زمانہ مراد ہیں۔نہیں معلوم مولوی صاحب نے اکثر آیات گزشتہ جن میں بحسب مقامات کہیں حال و استقبال دونوں مراد ہیں اورکہیں دوام تجددی مراد ہے۔خصوصاً آیت ھٰذا کو خالص استقبال کے واسطے کیوں قرار دیا ہے۔ آیت ھٰذا کی تفسیر ملخصاً فتح البیان سے لکھی جاتی ہے تاکہ ناظرین کو ثابت ہو کہ خالص استقبال کا التزاماً مراد ہونا اس آیہ میں محض غلط اور باطل اور مخالف ہے تفسیر حضرت تتمہ محدثین حضرت نواب صاحب بہادر مغفور ومرحوم کے۔حضرت مرحوم نے تفسیر آیت مذکورہ میں جو لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے۔ حالًا بعد حالٍ قالی الشعبی و مجاهد لترکبنّ یا محمدٌ سماءً بعد سماءٍ قال الکلبی یعنی تصعد فیها و هذا علی القراء ة الاولی و قیل درجة بعد درجة و رتبة بعد رتبة فی القرب من اللّٰه و رفعة المنزلة و قیل المعنی لترکبن حالا بعد حال کل حالة منها مطابقة

[1] [2] التغابن:۸ [3] الانشقاق : ۲۰

﴿۱۲۶﴾ لَاٰختها فی الشدة و قیل المعنی لترکبن ایها الانسان حالًا بعد حال من کونک نطفة ثم علقة ثم مضغة ثم حیًّا و میتًا و غنیًا و فقیرًا ۔ قال مقاتل طبقا عن طبق یعنی الموت و الحیٰوة و قال عکرمة رضیع ثم فطیم ثم غلام ثم شاب ثم شیخ و عن ابن مسعود قال یعنی السّماء تنفطر ثم تنشق ثم تحمر و قیل یعنی الشدائد واھوال الموت ثم البعث ثم العرض و قیل لترکبن سنن من کان قبلکم کما ورد فی الحدیث الصحیح انتھٰی حاصله و ملخصه. بالآ خراب ناظرین کی خدمت میں ایک گذارش ضروری یہ ہے کہ جناب مولوی صاحب نے پرچہ نمبر دوم میں فرمایا ہے۔ ’’کہ بیضاوی میں لکھا ہے کتب اللّٰه لاغلبن انا و رسلی بالحجة ‘‘ظاہر ہے کہ لوح محفوظ میں جب لکھا تھا اس وقت اور اس سے پہلے غلبہ متصور نہ تھا کیونکہ غلبہ کے لیے غالب مغلوب ضروری ہیں اُس وقت نہ رسل تھے نہ اُن کی امت تھی یہ سب بعد اس کے ہوئے ہیں انتھٰی۔‘‘ یہ ہیچمدان مولوی صاحب کے قول کی اور تائید کرتا ہے کہ جناب نے بیضاوی کا حوالہ جس کی تفسیر کو آیت لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ میں آپ محض باطل اور غلط فرما چکے ہیں ناحق تحریر فرمایا۔ خود قرآن شریف میں موجود ہے بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ[۱] ظاہر ہے کہ کتابت لوح محفوظ کی سب سے سابق ہے زمانہ ماضی وحال واستقبال جملہ ازمنہ ثلاثہ کتابت لوح محفوظ سے زمانہ استقبال میں واقع ہیں فیصلہ شد۔ مولوی صاحب نے تمام نزاع استمرار و ماضی وحال حضرت اقدس مرزا صاحب کا ختم کر دیا۔ و للّٰہ الحمد۔

ہوئی ماضی و یا کہ حال ہوا چلو جھگڑا ہی انفصال ہوا

چونکہ مولوی صاحب کا اقرار پرچہ ثانی میں بدیں خلاصہ مضمون مندرج ہو چکا ہے کہ اصل اور عمدہ بحث کل ابحاث مندرجہ پرچہ ہائے ثلاثہ کی بحث نون تاکید کی ہے پس جبکہ نون تاکید کا نزاع ہی سب ختم ہو چکا۔ لہٰذا کل پرچہ ہائے ثلاثہ کا جواب بھی ختم ہو گیا۔ مگر بفرمائش بعض احباب بطور **قال و اقول** کے بھی جواب دیا جاتا ہے۔ **قال** اگر جناب مرزا صاحب الی قوله تو میں اپنے اس مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم کر لونگا۔ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب تفاسیر معتبرہ اور آیات بینات سے یہ بات ثابت فرما چکے کہ فان حقیقة الکلام للحال و لا

[۱] البروج: ۲۲۔۲۳

﴿۱۲۷﴾
وجہ لان یراد بہ فریق من اھل الکتٰب یوجدون حین نزول عیسٰی علیہ السلام۔وقال الزجاج ھٰذا القول بعید لعموم قولہ تعالٰی وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ [1] **والذین یبقون یومئذ یعنی عند نزولہ شرذمۃ قلیلۃ منھم ۔کذا فی فتح البیان ۔** اوراس ہیچمدان کے بیان سے بحوالہ مطول وہوامش وغیرہ اُس کے کے دوام تجددی اور حال و استقبال کا مراد ہونا بحسب مقامات مناسبہ ثابت ہو چکا۔ پس اب مولوی صاحب کولازم ہے کہ بہ تقاضائے اتقاو خشیۃ الٰھیہ کے حسب اقرار خود اس اپنے مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم فرماویں **قال** اور حاصل ترجمہ یہ ہے۔ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب آیات بینات سے یہ امر بخوبی ثابت فرما چکے کہ ایسا زمانہ قیامت تک کبھی نہیں آ سکتا کہ بسیط الارض پر کوئی فرقہ کفرہ فجرہ کا باقی نہ رہے۔ ہاں البتہ غلبہ اور ظہور اہل اسلام کا کبھی جسمانی طور پر اور کبھی روحانی طور پر اور کبھی براہین احمدیہ کے رُو سے بالضرور ہوگا ۔خود آیت هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ [2] ۱۱/۱۰ جو مفسرین نے زمانہ مسیح بن مریم کے واسطے لکھی ہے یہی مضمون بآواز بلند ندا کر رہی ہے اور **جمیع ما فی الارض** کی ہدایت تو مشیت الٰہیہ کے محض خلاف ہے۔**قال اللّٰہ تعالٰی** وَلَوۡ شِئۡنَا لَاٰتَيۡنَا كُلَّ نَفۡسٍ هُدٰٮهَا وَلٰـكِنۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ مِنِّىۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ [3] ۲۱/۱۵ **ایضا قال تعالٰی** وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِيۡنَ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ [4] ۱۲/۱۰ **و غیر ذٰلک من الاٰیات الکثیرۃ المصرحۃ بذالک. قولہ** تو اس معنے کے غلط ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صاحب القول الجمیل سلمہ اس مقام پر غلط فاحش کا مصدر ہوا ہے الٰی قولہ اس لئے یہ معنٰی غلط ہے۔ **اقول** مولانا صرف صاحب قول الجمیل سلمہ نے ہی اس جملہ کو جملہ انشائیہ نہیں قرار دیا بلکہ جملہ نحویین ایسے جملہ کو جو مصدر بقسم ہو خواہ وہ قسم مقدر ہو یا ملفوظ جملہ انشائیہ کہتے ہیں اور حصر جملہ انشائیہ کا صرف صیغہ امر میں یہ جناب والا کا ہی ایجاد ہے۔ جملہ انشائیہ کی اقسام تو سوا امر کے اور بہت ہیں جو ہر ایک کتاب صغیر و کبیر نحو میں مذکور ہیں ۔اس مسئلہ کو نحو میر خوان اطفال بھی جانتے ہیں۔صاحب القول الجمیل سلّمہٗ نے لیؤمننّ کو ہرگز ہرگز صیغہ امر کا نہیں سمجھا

[1] النساء: ۱۶۰ [2] التوبۃ: ۳۳ [3] السجدۃ: ۱۴ [4] ھود: ۱۱۹۔۱۲۰

﴿۱۴۸﴾ بلکہ تعریض سمجھی ہے۔ جو بیضاوی وغیرہ میں لکھی ہے اُسی تفسیر کے موافق معنے آیت کے صاحب القول الجمیل نے لکھے ہیں۔ پس یہ اعتراض جناب کا صاحب القول الجمیل سلمہ پر اپنے موقع پر نہیں ہے۔ اور یہ بات تو ثابت ہو چکی کہ خالص استقبال کا مراد ہونا اس مقام پر کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ زمانہ حال کا مراد ہونا بھی یہاں پر ضروری ہے۔ **قولہ** اُن میں سے ہیں ابو ہریرہ **الی قولہ. و ھٰذا القول ھو الحق کما سنبینہ بعد بالدلیل القاطع انشاء اللّٰہ تعالٰی** ۔**اقول** اِس قول میں جسقدر تابعین وغیرہ کا اس طرف جانا مولوی صاحب نے ذکر فرمایا کوئی قول انکا ایسا نقل نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ جس طرح مولوی صاحب اس آیہ کو قطعی الدلالت فرماتے ہیں اسی طرح یہ جماعت بھی اس آیہ کو قطعی الدلالت کہتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو خود بطور شک کے جس پر حرف اِنْ دلالت کرتا ہے یہ فہم اپنا مشکوک قرار دیتے ہیں پھر اور کسی تابعی وغیرہ کا ذکر ہی کیا ہے۔ پس تقریب مولوی صاحب کی محض ناتمام ہے۔ اور مستلزم مدعا کو نہیں اور پھر اس پر مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ ایک جماعت کثیر سلف میں سے اسی طرف گئی ہے کیسا اپنے محل اور موقعہ پر ہے ناظرین ذرا ملاحظہ فرماویں۔ اور صاحب تفسیر ابن کثیر جو فرماتے ہیں۔ کہ **و ھٰذا القول ھو الحق** الخ۔ تو اُن سے مطالبہ دلیل قاطع کا ہے۔ وہ دلیل قاطع بیان فرمائی جائے۔ نون ثقیلہ کی دلیل تو بہت ہی خفیفہ ہوگئی۔ **قولہ** اول یہ کہ آیت میں نون تاکید ثقیلہ موجود ہے **الی قولہ** غیر متصور ہے۔ **اقول** مقدمہ نون ثقیلہ کا بسبب لام تاکید مفتوحہ کے بالکل خفیفہ ہو گیا اور ایسی تعمیم کہ (جو اہل کتاب قبل چڑھائے جانے مسیح کے صلیب پر دنیا میں موجود تھے۔ آیت **لیؤمننّ بہ** ان کو بھی شامل ہو) کچھ ضروری نہیں۔ سباق آیہ میں اہل کتاب موجودین قبل واقع صلیب کے کب مراد ہیں جو یہاں پر بھی وہ مراد ہوں۔ دیکھو سب جملوں ماسبق آیت کو وَقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ[1] **و غیر ذٰلک من الجمل**۔ **قولہ** اور ایسا ہی آپ کے دوسرے معنے بھی باطل ہوئے جاتے ہیں الخ۔ **اقول** جبکہ مقدمہ نون ثقیلہ کا بسبب موجود ہونے لام تاکید مفتوحہ کے بالکل خفیفہ ہو گیا تو اب یہ معنے کیونکر باطل ہو سکتے ہیں اور اگر اَور وجوہ اُسکے ابطال کی آپ کے نزدیک موجود ہوں بیان فرمائی جاویں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان میں نظر کی جاوے گی۔ **قولہ** جواب اعتراض دوم بدو وجہ ہے اول یہ کہ **الی قولہ** بلکہ یقین مراد ہے۔ **اقول** جبکہ آیت میں کہیں تصریح اس امر کی نہیں تھی کہ مسیح کے آتے ہی سب اہل کتاب مسیح پر ایمان لے آویں گے تو جناب نے واسطے اثبات اپنے دعوے کے

[1] النساء : ۱۵۸

یہ قول ابو مالک کا کیوں نقل فرمایا ہے قال ابو مالک فی قولہ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[1] ﴿۱۲۹﴾
قال ذٰلک عند نزول عیسٰی بن مریم علیه السلام لا یبقٰی احد من اھل الکتٰب الا اٰمن به اور پھر اس پر علاوہ یہ ایک لطیفہ اَور ہے کہ قول حسن کا بھی واسطے استدلال اپنے مدعا کے نقل فرمایا ہے وقال الحسن البصری یعنی النجاشی و اصحابه۔ بھلا کہاں نجاشی اور کہاں اس کے اصحاب اور کہاں نزول عیسٰی بن مریم اور کجا وہ اہل کتاب جو عند نزول عیسےٰ بن مریم ایمان لاویں گے۔ ؎ **بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا**۔ اور پھر یہ قول بھی نقل فرمایا گیا ہے۔ وقال الضحاک عن ابن عباس و ان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بهٖ قبل موتهٖ یعنی الیهود خاصة ۔ یہ کیسا تناقض اور اختلاف ہے۔ صدق اللّٰہ تعالٰی وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا[2] اور پھر باب اعتقادیات میں بطور امکان کے یہ فرمانا آپ کا (پس ہوسکتا ہے کہ جن کفار کا علم الٰہی میں مسیحؑ کے دم سے کفر کی حالت میں مرنا مقدر ہو ان کے مرنے کے بعد سب اہل کتاب ایمان لے آویں) کیسا اپنے محل اور موقع پر ہے باب عقائد میں ایسے ہی ادلّہ قطعیۃ الدلالت ہونے چاہئیں اور پھر جبکہ ایمان سے مراد ایمان شرعی نہ ہوا بلکہ مراد اُس سے یقین ہوا تو کہاں گیا وہ مدعی کہ بعد نزول اور قبل موت عیسےٰ بن مریم کے ایک زمانہ ایسا آویگا کہ سب اہل کتاب اسلام میں داخل ہو جاوینگے۔ مولانا وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا[3] **قولہ** اعتراض سوم کا جواب بھی انہیں وجھوں سے ہے الخ۔ **اقول** ان دونوں وجھوں کا غیر موجود ہونا معلوم ہو چکا کوئی اور وجہ نون خفیفہ وغیرہ کی بیان فرمائی جاوے **قولہ** یہ اعتراض جناب مرزا صاحب کی شان سے نہایت مستبعد ہے۔ الٰی آخر العبارۃ ۔ **اقول** مولانا وہ کونسا زمانہ ہو چکا ہے جسمیں کوئی کافر نہ تھا۔ اگر فرماؤ حضرت آدم کے اوائل وقت میں تو گزارش یہ ہے کہ حضرت ابلیس علیہ اللعن سب سے بڑے کافر موجود تھے۔ اور بعد ہونے اولاد کے قابیؔل و ہابیؔل کا قصّہ خود قرآن مجید میں موجود ہے اور اگر کہو کہ قبل حضرت آدم کے۔ تو گزارش یہ ہے کہ اس زمانہ سے بحث ہی کب ہے اور اگر خواہ مخواہ آپ اس زمانہ کو ہی مصداق اس کا قرار دیویں اور فرماویں کُل ملائکہ مومنین ہی تھے۔ تو ہم کہیں گے کہ جنات کفار بھی موجود تھے پھر وہ کونسا زمانہ تھا جس میں کوئی کافر موجود نہ تھا۔ قال اللّٰہ تعالٰی حکایتًا

[1] النساء :۱۶۰ [2] النساء :۸۳ [3] النحل :۹۳

عن ابلیس قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۳۰﴾
اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۞ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۞ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
الْمُخْلَصِیْنَ ۞ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۞ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ
مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۞[1] مولانا صاحب صیغہ لاغوینّھم اجمعین میں آپ کا نون ثقیلہ بھی موجود ہے اور قرائن الٰی یوم یبعثون اور الٰی یوم الوقت المعلوم وغیرہ بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے یہاں پر خالص زمانہ استقبال مراد ہے۔ الحاصل خلاف مشیت الٰہیہ ایسا زمانہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جس میں سب لوگ ہدایت پر ہو جاویں اور کوئی گمراہ و کافر بسیط الارض پر موجود نہ رہے پس میری دانست ناقص میں ایسا کچھ فرمانا آپ کے شان سے نہایت مستبعد ہے نہ حضرت مرزا صاحب کا فرمانا۔ انصاف کو ہاتھ سے نہ دیجئے۔ مثل مشہور ہے الانصاف احسن الاوصاف **قولہ** دلیل دوسری الخ۔
اقول مولانا اوّل تو یہ گذارش ہے کہ کھلؔ کے معنے میں کسی لغت کی کتاب میں دو ہزار برس کا یا زیادہ کا زمانہ بھی لکھا ہے یا نہیں اگر کسی کتاب میں لکھا ہو تو نقل فرمایا جاوے اور اگر کہیں نہیں لکھا تو پھر دو ہزار برس یا زیادہ کا زمانہ اس کے مفہوم میں کیونکر معتبر ہوسکتا ہے۔ ثانیًا جس قدر کتب تفاسیر کی عبارات سے جناب نے استدلال کیا ہے کسی تفسیر میں رفع قبل التکھل بجسدہ العنصری علی السماء کا ثبوت کسی آیت یا حدیث صحیح مرفوع متصل سے نہیں دیا پھر جب تک کہ رفع کذائی قبل التکھل دلیل قطعی سے ثابت نہ ہولے تو دلیل آپ کی مستلزم مدعی کو کیونکر ہوسکتی ہے۔ فتح البیان میں لکھا ہے۔ واورد علٰی ھٰذا عبارۃ المواھب مع شرحھا للزرقانی وانما یکون الوصف بالنبوۃ بعد بلوغ الموصوف بھا اربعین سنۃ اذھو سن الکمال ولھا تبعث الرسل ومفاد ھٰذا الحصر الشامل لجمیع الانبیاء حتّٰی یحیٰ وعیسٰی ھو الصحیح ففی زاد المعاد للحافظ ابن القیم ...... ما یذکر ان عیسٰی رفع وھو ابن ثلٰث وثلٰثین سنۃ لا یعرف بہ اثر متصل یجب المصیر الیہ. قال الشّامی وھو کما قال فان ذٰلک انمایروی عن النصارٰی و المصرح بہٖ فی الاحادیث النبویّۃ انہ انما رفع وھو ابن مائۃ وعشرین سنۃ ثم قال الزّرقانی وقع للحافظ الجلال السیوطی فی تکملۃ تفسیر المحلّٰی وشرح النقایۃ وغیرھما من کتبہ الجزم بان عیسٰی رفع وھو ابن ثلٰث و ثلٰثین سنۃ و یمکث

[1] صٓ : ۸۰ تا ۸۶

بعدؔ نزوله سبع سنين ومازلت أتعجب منه مع مزيد حفظه واتقانه وجمعه ﴿۱۳۱﴾
للمعقول والمنقول حتّٰى رأيته فی مرقاه الصعود رجع عن ذٰلک انتهیٰ ۔
اور حسین ابن الفضل سے جو یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وفی هٰذه الاٰية نص فی انه عليه
الصلٰوة والسلام سينزل الی الارض ۔ اگر نص سے مراد وہی نص ہے جو مصطلح اہلِ اصول
ہے تو آپ ہی فرماویں کہ کلام فی الکہولت واسطے نزول من السماء بجسده العنصری
کے کیونکر نص ہو گیا۔ اور اگر نص سے کچھ اور مراد ہے تو بیان ہو اس میں نظر کی جاوے گی۔
اور پھر یہ گذارش ہے کہ جناب والا نے آغاز پرچہ اوّل میں یہ اقرار وعہد کیا ہے کہ اس مباحثہ
میں بحث صعود ونزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جاویگا۔ پھر یہاں پر اس اقرار وعہد کا نقض آپکی جانب
سے کیوں ہوا۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا [1] ثالثاً کیا ایسی پیشین گوئیوں کی حقیقت کما
ینبغی ایسے ہی اجتہادات اور اقوال علماء سے قبل از وقوع محقق طور پر اور قطعی ویقینی معلوم ہوسکتی
ہے۔ جیسے اقوال کہ جناب نے اس دلیل دوم میں بیان فرمائے ہیں۔ نہیں نہیں مجھ کو خوب یاد آیا
مولانا صاحب تو خود اس دلیل دوم کی نسبت فرما چکے ہیں کہ یہ دلیل فی نفسہٖ قطعية الدلالت
حیات مسیح پر نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہاں پر ایک استفسار باقی رہا وہ یہ ہے کہ جناب والا یہ بھی
فرماتے ہیں کہ (مگر بانضمام آیہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ [2] کے
قطعية الدلالت ہوجاتی ہے) اب استفسار یہ ہے کہ اصول حدیث کے رُو سے صحیح لذاته
و صحيح لغيره یا حسن لذاته و حسن لغيره ۔ تو بالضرور ایک اصطلاح مقررہ
اصول حدیث کی ہے۔ شائد اسی بناء پر جناب نے قطعی الدلالت کی دو قسمیں ارشاد فرمائیں
اوّل قطعية الدلالت فی نفسهٖ۔ دوم قطعية الدلالت لغيرهٖ ۔ یہ اصطلاح یا علم مناظرہ
کی ہوگی یا شائد علم اصول فقہ کی ہو۔ لہٰذا گذارش ہے کہ جس کتاب علم مناظرہ یا اصول فقہ میں
دلیل کی یہ دونوں قسمیں لکھی ہوں بہ تصحیح نقل ارشاد فرمائی جاویں۔ کیونکہ ہیچمدان کو یہ اصطلاح
نہیں معلوم۔ نظار نے تو تعریف دلیل کی یہ لکھی ہے۔ والدليل هو المركب من قضيتين
للتأدّی الی مجهول نظری ۔ اور بعض نے یہ لکھی ہے ما يلزم من العلم به العلم
بشیء اٰخر یا ما يلزم من التصديق بشیء اٰخر بطريق الا کتساب ۔ رشیدیہ میں
لکھا ہے فان حمل ذٰلک التعريف علی تعريف الدليل القطعی البين الانتاج

[1] بنی اسرائیل : ۳۵ [2] النساء : ۱۶۰

﴿۱۳۲﴾ ومعنی الاستلزام ظاهر وإن اريد بـه التعـميم كما هو الظاهر حمل الاستلزام علی المناسبة المصححة للانتقال لا علی امتناع الانفكاك اوراصولیین نے تعریف دلیل کی یہ لکھی ہے هـو ما يمكن التوصل لصحيح النظر فی احواله الیٰ مطلوب خبری كالعالم مثلًا فـانـه مـن تـامّل فی احواله لصحيح النظر بان يقول انه متغير و كل متغير حادث وصل الی مطلوب خبری وهو قولنا العالم حادث فعند الاصوليين العالم دليل وعند الحكماء مجموع العالم متغير و كل متغير حادث۔

واضح خاطر ناظرین ہو کہ مولوی صاحب نے اوّل دلیل کا نام تو قطعية الدلالت فی نفسه رکھا ہے اور بقیہ اربعہ کا نام ظنّی رکھ کر قطعية الدلالت لغيره فرمایا ہے اور غیر سے مراد وہی دلیل اوّل ہے۔ پس یہ دلائل اربعہ ظنّیہ دلیل اوّل کے انضمام سے قطعية الدلالت کیونکر ہوگئیں۔ اگر دلیل اوّل ان دلائل کے واسطے بمنزلہ مقدمہ دلیل کے گردانی گئی ہے کہ المقدمة ما يتوقف عليه صحة الدليل اعم من ان يكون جزءا من الدليل اولا۔ تو اس صورت میں دلیل اوّل دلیل نہ رہی بلکہ مقدمہ دلائل اربعہ ہوگئی۔ ہاں اسکا ترتیب کرنا جناب پر باقی رہا اور خواہ جناب اس کو مرتب فرماویں یا نہ فرماویں ہم تو اُس پر نقض تفصیلی کر چکے۔ اور اگر وہ خود فی نفسہٖ ایک دلیل جُدا گانہ ہے تو یہ دلائل نہ رہے بلکہ حسب اصطلاح نظار کے امارت ہوگئے۔ لانه يقال لملزوم الظن امارة لا دليل اور یہ اصطلاح جناب کی حسب اصطلاح اصول فقہ کے بھی درست نہیں معلوم ہوتی۔ اگر درست ہوتی تو مثلاً خفی کو جو ظاہر کے مقابل ہے ظاهر لغيره اور مشکل کو جو نص کے مقابل ہے نص لغيره اور مجمل کو جو مفسر کے مقابل ہے مفسر لغيره اور متشابہ کو جو محکم کے مقابل ہے محكم لغيره بھی کہہ دیا کرتے اور تمام اقسام نظم قرآن مجید کے جو اصولیین نے لکھے ہیں انکا رجوع کسی جگہ پر ایک قسم کی طرف ہو جایا کرتا۔ اگر اس قسم کا مسئلہ اصول فقہ میں مندرج ہو تو از راہ عنایت ذرہ وضاحت سے بیان فرما دیا جاوے تا کہ ہیچمدان کی سمجھ میں آجاوے اور جو حُسن کہ جناب نے اپنے معنے کے بموجب کلام فی الکہولت میں ارشاد فرمایا ہے وہ حُسن تو سب کچھ سہی مگر اُس حُسن کا ثبوت ایسے مقام پر کتاب وسنت صحیحہ سے بھی تو ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ایک خیالی حُسن ہوگا جیسے شعراء کو اپنے خیالات اور مضامین شاعری کا حُسن معلوم ہوا کرتا ہے اور اس کلام فی الکہولت کی نسبت

﴿۱۳۳﴾ جو حسن حضرت اقدس مرزا صاحب نے بدلیل بیان فرمایا ہے وہ کیا تھوڑا حسن ہے جو اس خیالی حسن کو واقعی خیال کرلیا جاوے۔**قولہ** دلیل سوم الٰی آخرہ الدلیل۔ **اقول** مولانا صاحب مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ[۱] کی ضمیر کا مرجع جو جناب نے روح مع الجسد کو قرار دیا۔ یہ مرجع ضمیر تو آپ ہی کے مافی الضمیر میں ہے۔ ہیچمدان نے تو ماقبل اس آیہ کے تمام رکوع میں تفحص کیا مگر کسی جگہ روح مع الجسد مذکور نہیں۔ یہ کیا معما جناب نے ارشاد فرمایا۔ البتہ مسیح عیسیٰؑ بن مریم تو مذکور ہے اور وہی مرجع مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کی ضمیر کا ہے اور وہی مرجع بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[۲] کا۔ظاہر ہے کہ اعلام و اسماء کا اطلاق جیسا کہ روح مع الجسد پر ہوتا ہے ویسا ہی صرف روح بلا جسد پر بھی ہوتا ہے بلکہ حقیقت انسانیہ کا مصداق تو وہی روح انسانی ہے۔ **ولنعم ما قال المولوی**

آں توئی کہ بے بدن داری بدن　　　پس مترس از جسم جاں بیرون شدن

معنے آیت کے یہ ہوئے کہ اُٹھا لیا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اپنی طرف یعنی اس کی روح کو اُٹھا لیا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا تھا کہ یٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ[۳] پس اس آیت کو خواہ آیت اوّل کے ساتھ انضمام کیجئے یا نہ کیجئے مدعا کو ہرگز مستلزم نہیں اور تقریب دلیل کی محض نا تمام ہے بلکہ اس آیہ سے تو عکس مُدّعا جناب کا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہٗ نے مفصلاً بیان فرمایا ہے۔**قولہ** دلیل چہارم الیٰ آخرالدلیل۔ **اقول** مولانا صاحب جناب کا اقرار پرچہ اوّل میں مندرج ہے کہ اس مباحثہ میں بحث صعود ونزول عیسیٰؑ وغیرہ کا خلط نہ کیا جاویگا پھر یہاں پر مناط استدلال خود نزول کو کیوں قرار دیا گیا۔ اور یہ کیوں فرمایا گیا کہ (پس متعین ہوا کہ مراد نزول ہے) **سلمنا** کہ نزول ہی مراد ہے لیکن نزول بار ثانی مراد ہونے کی وجہ وجیہ نہیں ہے وہی نزول بار اوّل کیوں نہ مراد ہو جس کو جناب نے حدوث سے تعبیر کیا ہے اور اس احتمال حدوث کو جن وجوہ سے جناب نے باطل کیا ہے ان وجوہ کو حضرت اقدس مرزا صاحب نے بدلائل باطل کر دیا مطالعہ فرمائی جاویں تحریرات۔ان کی حاجت اعادہ ذکر کی نہیں اور تمام قرآن مجید میں لفظ نزول سے نزول بار اوّل یعنے حدوث مراد لیا گیا ہے ملاحظہ فرماؤ۔ازالہ اوہام اور اعلام الناس کو۔ **قولہ** معنے حقیقی ابن مریم کے عیسیٰؑ بن مریم کے ہیں اور صارف یہاں پر کوئی موجود نہیں۔ **اقول** جناب مولانا صاحب ایک صارف کا کیا ذکر ہے متعدد صارف موجود ہیں۔یاد کرو **فامّکم منکم و امامکم منکم** وغیرہ جو سابق میں

[۱] النساء:۱۵۸　[۲] النساء:۱۵۹　[۳] آل عمران:۵۶

﴿۱۳۴﴾ یہ ہیچمدان شرح اس کی مفصل لکھ چکا اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں اور نیز ان پرچوں میں بکثرت مذکور فرمائے ہیں وہ ملاحظہ فرمائے جاویں پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ باوجود موجود ہونے صوارف کثیرہ کے حقیقی ہی معنے مراد لئے جاویں اور حدیث مرسل جو یہ لکھی گئی کہ **قال الحسن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم للیہود ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ**۔ اسکی نسبت یہ گذارش ہے کہ **اوّلًا** تو اس حدیث کی تخریج فرمادی جاوے کہ یہ حدیث کس کتاب حدیث میں لکھی ہے۔ **ثانیًا** تعدیل وتوثیق اسماء الرجال سب رواۃ اسناد کی کی جاوے۔ **ثالثًا** بعد طے کرنے ان مراتب کے یہ حدیث مرسل ٹھہرے گی جو بمقابل احادیث صحاح متصل مرفوع کے جو ازالہ وغیرہ میں لکھی ہیں ساقط الاعتبار رہے گی۔ **رابعًا** اگر کوئی حدیث صحیح متصل مرفوع اسکی معارض بھی نہ ہو تو بھی بعد طے کرنے ان مدارج اربعہ کے حدیث مرسل کے خود حجت ہونے میں کلام ہے۔ سب اصول کی کتابوں میں لکھا ہے **فذھب الجمھور الی ضعفہ وعدم قیام الحجۃ** یہ نہیں معلوم مولانا صاحب نے اس حدیث کو ایسے مقام میں جہاں دلیل **قطعیۃ الدلالت** مطلوب ہے اور اسی کی بحث ہو رہی ہے کیوں مذکور فرمایا ہے۔ ایسے اقوال یا احادیث ضعیفہ جو بعض تفاسیر وغیرہ میں لکھے ہیں تو اُن کو باب اعتقادیات میں کیا دخل ہے۔ ہیچمدان کے ایک محبّ مکرم اخونا المعظم جناب حکیم **نورالدین** صاحب ایک خط موسومہ احقر میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شعرانی نے طبقات کبریٰ جلد دوم صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے۔ **وکان یقول ان علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ رفع کما رفع عیسیٰ علیہ السلام وسینزل کما ینزل عیسٰی علیہ السلام ثم قال الشعرانی ھٰکذا کان یقول سیّدی علی الخواص**ؓ پس جو معنے نزول علی بن ابی طالب کے ہیں وہی معنے نزول عیسیٰؑ بن مریم کے ہیں **وعلٰی ھٰذا القیاس** رفع کو سمجھنا چاہیے۔ **قولہ** تو اب یہ آیت صارف ہوگئی آیات مذکورہ کے معنے حقیقی سے۔ **اقول** یہ امر ثابت ہو چکا کہ آیات **اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** وغیرہ وفات مسیح بن مریم میں نص صریح اور محکم ہیں اور آیت **لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ** بسبب چند در چند ذوالوجوہ ہونے کے متشابہ ہے اور متشابہ کسی طرح پر محکم کے صارف عن الاحکام نہیں ہو سکتے اور اشارۃ النص بھی بمقابل عبارۃ النص کے وقت تعارض کے ساقط ہو جاتی ہے اور کتب لغت سے **تَوَفّٰی** کے

معنے جو لکھے گئے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل معنے توفی کے پُورا حق لے لینے کے ہیں۔ تو اس سے ﴿۱۳۵﴾
مدعا جناب کا کب ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کونسا حق اپنا حضرت عیسیٰؑ سے پورا لیا تھا۔ جس کی نسبت فرمایا گیا کہ یا عیسٰی انّی متوفّیک یعنے اے عیسیٰؑ مَیں تجھ سے اپنا حق پورا لینے والا ہوں۔ یا حضرت عیسیٰؑ نے جو یہ فرمایا کہ فلمّا توفّیتنی یعنی جبکہ تو نے اپنا حق پُورا لے لیا۔ یہ معنے ہیچمدان کی سمجھ میں بالکل نہیں آتے اور ایک تحریف سی معلوم ہوتی ہے اور اگر کہا جاوے کہ توفی کے معنے میں جو لفظ حق کا لکھا ہے اُس سے تجرید کر لی گئی ہے اور قبض تام کے معنے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قسطلانی سے ہم نے نقل کیا کہ اخذ الشیٔ وافیًا تو یہاں پر یہ معنے ہوئے کہ حضرت عیسیٰؑ کو روح مع الجسد سے پورا لے لیا تو یہ گزارش ہے کہ نص میں اس تاویل رکیکہ کی ضرورت ہی کیا ہے علاوہ یہ کہ قسطلانی نے بھی خود اقرار کر لیا کہ والموت نوع منہ اس اقرار سے تو صاف وصریح ثابت ہو گیا کہ موت میں بھی قبض تام ہوتا ہے وھٰذا یخالف دعواکم پس قسطلانی سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہو چکی روح مع الجسد کا اُٹھایا جانا تو کسی لغت سے بھی ثابت نہ ہوا اور سلّمنا کہ توفی بمعنے اِنامت یعنے سُلا دینے کے قرآن مجید سے ثابت ہے مگر اس معنی کے اثبات سے ما نحن فیہ میں جناب کا کیا مطلب ہے بلکہ جو آیات کہ جناب نے واسطے اثبات اس اپنے مطلب کے ذکر فرمائی ہیں وہ بھی مدعا جناب کے مخالف ہیں کیونکہ بموجب ان آیات کے معنے توفّی کے اگر انامت کے ما نحن فیہ میں تسلیم بھی کئے جاویں تو پھر بھی آیات مدعا جناب کو نفی بھی کرتی ہیں کیونکہ اگر حضرت عیسیٰؑ کی توفی بطور انامت کے واقع ہوئی ہوتی تو ضرور تھا کہ پہر دو پہر میں حد درجہ ایک دو دن میں جاگ اُٹھتے اور وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ [1] کا مضمون پیدا ہو جاتا یہ کیسی اِنَامت ہوئی کہ قریب دو ہزار برس کے ہو گئے ابھی تک وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ [2] کا مضمون واقع نہیں ہوا۔ اس سے تو صریح یہی معلوم ہوا کہ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ [3] کا ہی مضمون واقع ہو چکا ہے۔ آیت میں دو صورتیں مذکور ہیں ایک ارسال دوسری امساک درصورت انامت کے ارسال واقع ہوتا ہے اور درصورت موت کے امساک جب ہم دیکھتے ہیں کہ قریب دو ہزار برس سے امساک ہی امساک ہے اور ارسال نہیں ہے تو بالضرور ماننا پڑے گا اسی صورت کو جس میں امساک ہوتا ہے اور وہ موت ہے نہ انامت اور سورہ انعام کی آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اُس میں

۱-۲ الزمر : ۴۳ ۳ الزمر : ۴۳

﴿۱۳۶﴾ بھی توفی بطور انامت کے جو مذکور ہے وہ رات بھر تک ہوتی ہے نہ دو ہزار برس تک بلکہ اُسمیں تو تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ رات میں سُلا دیتا ہے اور دن میں اُٹھا دیتا ہے وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى[1] پ۱۳

اور اگر بطور حکماء کے بھی اس بارہ میں نظر کی جاوے تو بھی یہی مطلب جو ہم نے تفسیر آیات مذکورہ میں لکھا ثابت ہوتا ہے چنانچہ حواشی بیضاوی میں لکھا ہے۔ **قال الزعفرانی ناقلا عن الامام النفس الانسانية جوهر مشرق رو حانی اذا تعلق بالبدن حصل ضوء ه فی جمیع الاعضاء وهو الحیٰوة ففی وقت الوفاة ینقطع ضوءُهٗ عن ظاهر البدن وباطنه وذٰلک هو الموت و اما فی وقت النوم فینقطع ضوءُهٗ عن ظاهر البدن من بعض الوجوه ولا ینقطع عن باطنه فثبت ان النوم والموت من جنس واحد لکن الموت انقطاع تام والنوم انقطاع ناقص انتهٰی** ۔پس اگر انقطاع ناقص ہوتا تو ضرور بحکم وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى کے حضرت عیسیٰؑ جاگ اُٹھتے۔ جبکہ دو ہزار برس سے ابھی تک نہیں جاگے تو معلوم ہوا۔ کہ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ[2] کے مصداق ہو گئے ہیں اور انقطاع تام ہو چکا ہے۔ **قولہ** اور قسم دوم کا جواب الیٰ قولہ ان آیات کی مخصص واقع ہوئی ہے۔ **اقول** اس آیت کا حال تو معلوم ہو چکا غایت الامر یہ ہے کہ حیاتِ مسیح میں متشابہ ہے پھر کیونکر مخصص ہو سکتی ہے۔ علاوہ یہ کہ جب وفات عیسیٰؑ بن مریم بطور اخبار کے ثابت ہو چکی تو اب اس آیت یا کسی اور آیت سے حیات کیونکر ثابت ہو گی یہ تو اخبار ماضیہ کا نسخ ہوا جاتا ہے اور بموجب قواعد اصول کے اخبار میں نسخ ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے نسخ سے کلام باری تعالیٰ میں کذب صریح لازم آتا ہے۔ **واللّازم باطل فالملزوم مثله۔ قولہ** صحیح معانی ان آیات کے وہ ہیں جو تفاسیر معتبرہ میں مذکور ہیں۔ الخ **اقول** جو معانی ان آیات کے حضرت اقدس مرزا صاحب نے تحریر فرمائے ہیں وہ تفاسیر معتبرہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ معہذا علوم رسمیہ جو خادم کتاب ہیں اُن کے بھی موافق ہیں۔ جب جناب جواب تفصیلی ازالۃ الاوہام کا تحریر فرماوینگے اور اُن معانی حقہ کا ابطال کرینگے تو انشاء اللہ تعالیٰ مفصلاً و مشرحًا احقاق حق کیا جاوے گا۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

[1] الانعام: ۶۱ [2] الزمر: ۴۳

﴿۱۳۷﴾

مولوی محمد بشیر صاحب کے

پرچہ ثانی پر سرسری نظر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لولیّہ و الصّلٰوۃ علٰی نبیّہ۔ امابعد واضح خاطر عاطر ناظرین ہو کہ پرچہائے ثلاثہ محررہ مولوی صاحب کا جواب جو حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہ نے اپنے پرچوں میں دیا ہے وہ ایسا کافی وشافی ووافی ہے کہ ہوتے اسکے اب کسی کے جواب کی حاجت نہیں رہی۔ ناظرین جب انصاف سے ملاحظہ فرماویں گے تو یہ امر ان پر خود بخود واضح ہو جاوے گا۔ کسی کے جتلانے اور بتلانے کی کیا حاجت ہے۔ مثل مشہور ہے مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔ لیکن چونکہ مولوی صاحب نے بھوپال میں واپس تشریف لاکر اپنی فتح یابی کا اعلان کیا اور اس پر طرّہ یہ ہوا کہ مکرر سہ کرر اس ہیچمدان سے درخواست مباحثہ فرمائی گئی اور مجالس وعظ میں **ھل من مبارز** کا ڈنکا بجایا گیا اور اس عاجز ہیچمدان کا نام لے لے کر طلب مباحثہ کیا گیا تو اس عاجز پر بھی واجب ہو گیا کہ مولانا صاحب کے امر واجب الاذعان کی اطاعت کرے اور مولوی صاحب کی فتح یابی پر کچھ نظر کرے کہ فی الحقیقت وہ فتح یابی ہے یا محض آب سرابی ہی ہے اس میں دونوں امر مذکورہ حاصل ہوتے ہیں ؎ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ لہٰذا مولوی صاحب کے پرچہ ثانی پر کچھ اندک نظر کرتا ہوں۔ **قولہ** واضح ہو کہ جناب مرزا صاحب نے بہت امور کا جواب اپنے پرچہ میں نہیں دیا الخ۔ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب نے آپ کے مضمون کا جواب ایسا کافی وشافی دیا ہے کہ اس سے بڑھ کر بجز طوالت پُر ملامت کے اور کچھ متصور نہیں۔ ناظرین صورت الحال کو دیکھ کر خود بخود انصاف فرمالیویں گے۔ مثل مشہور ہے کہ **اصدق المقال ما نطقت بہ صورۃ الحال** اور آپ کی ابحاث ثلاثہ میں جو اصل اور عمدہ بحث تھی یعنے

نونِ تاکید۔ اس کو تو حضرت اقدس نے ایسا توڑا ہے کہ اس سے زیادہ ہرگز متصور نہیں کیونکہ اس بات کو ﴿۱۳۸﴾
سب علماء وطلبہ جانتے ہیں کہ تمام اصول علوم رسمیہ کے اور جملہ قواعد اور فنون درسیہ کے جو کتب فن میں ممہد اور مشید کئے جاتے ہیں ان کے اثبات اور استحکام کے واسطے شواہد قرآن مجید سے بڑھ کر اور کوئی شاہد نہیں ہے نہ امثال واشعار جاہلیت کا وہ مرتبہ ہے اور نہ اقوال عرب عرباء کا وہ رتبہ مثل مشہور ہے کہ **اذاجاء نهر الله بطل نهر معقل** جس قاعدہ کے واسطے کوئی آیت قرآن مجید کی شاہد مل جاوے تو پھر اس میں نہ سیبویہ کی حاجت ہے نہ اخفش کی نہ فرّا کی ضرورت ہے نہ زجّاج کی اس جگہ سب **فَرَّ یَفِرُّ** ہوجاتے ہیں اور اسکے مقابل میں زجاجِ زجّاج بھی ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور قول مبرد بھی محض بارد ہوجاتا ہے **الصباح یغنی عن المصباح** کا مضمون صادق آتا ہے۔ قرآن مجید میں جب کہ بقراءت متواترہ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ [۱] بجائے **والمقیمون الصلٰوۃ** وارد ہوگیا اور اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ [۲] بجائے **ان ھذین لساحرین** اور وَالصّٰبِئُوْنَ [۳] بجائے **والصابئین** قراءت متواترہ میں آ گیا۔ تو نہ فرّا کی چلی نہ اخفش کی۔ سب کے سب تاویلات رکیکہ بنارہے ہیں اور کچھ نہیں ہوسکتا اور اصل وہی ہے جو حکیم امت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ مخالف روزمرہ مشہورہ ہم روزمرہ است الحاصل یہ جناب والا کا بھی اقرار ہے جو پرچہ ثالث میں مندرج ہے کہ اصول فقہ اور اصول حدیث جملہ علوم خادم کتاب وسنت کے ہیں اور کتاب اللہ سب کی مخدوم ہے۔ اب یہ گذارش ہے کہ باوجودیکہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے متعدد آیات قرآن مجید اور عبارت تفاسیر معتبرہ سے واسطے جرح کرنے آپ کے نون تاکید کے تحریر فرمائی ہیں۔ پھر آپ یہ کیا معمے فرماتے ہیں کہ جناب مرزا صاحب نے نہ تو کوئی عبارت کسی کتاب نحو کی نقل کی اور نہ ان عبارات میں جو خاکسار نے نقل کی تھیں کچھ جرح کی۔ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ [۴] **قولہ** اور یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ میری اصل دلیل الٰی **قولہ** دوسری آیات محض تائید کیلئے لکھی گئی ہیں الخ۔ **اقول** جب کہ آیت لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ [۵] جناب کے نزدیک قطعی الدلالت ہے تو دیگر مؤیدات کے پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے اسی سے ثابت ہوا کہ آیت مذکور جناب کے نزدیک قطعی الدلالت نہیں ہے ورنہ تائید کی کیا ضرورت ہوتی ہذا خلف۔ خلاصہ یہ کہ اگر آیت مذکورہ کو **قطعیۃ الدلالت** کہتے ہو تو دیگر مؤیدات کی ضرورت نہیں اور اگر تائید اس کی دوسری آیات سے کرتے ہو تو خود وہ آیت

[۱] النساء: ۱۶۳ [۲] طٰہٰ: ۶۴ [۳] المائدۃ: ۷۰ [۴] صٓ: ۶ [۵] النساء: ۱۶۰

قطعیۃ الدلالت فی نفسہ نہیں رہتی لیکن اب گذارش یہ ہے کہ ہر چہار آیات کو تو ﴿۱۳۹﴾
چارونا چار خود جناب نے ادلّہ ہونے سے خارج کیا اور آیت اولیٰ کو دنیا بھر کے مفسرین متشابہ اور
ذوالوجوہ کہہ رہے ہیں وہ تو کسی طرح پر بھی حیات مسیح میں **قطعیۃ الدلالت** ہو ہی نہیں سکتی **کما
مرشرحہ**۔ پس اب جناب کے پاس حیات مسیح پر کونسی دلیل باقی رہی۔ اگر موجود ہو تو پیش
کیجئے۔ ورنہ چونکہ حیات وممات میں کوئی واسطہ نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے خوف کر کر اب تو
حیات مسیح کے دعوے سے رجوع فرمائیے۔ **قولہ** اس میں کلام ہے بچند وجوہ الی **قولہٖ** تو یہ کام
عبث آپ نے کیوں کیا۔ **اقول انا للہ و انا الیہ راجعون**۔ جب کہ مولانا جیسے فاضل اجل
قواعد علم مناظرہ کو قلم انداز فرماویں گے اور ملحوظ نظر نہ رکھیں گے تو اب اس ہیچمدان کو کس سے امید
ہے کہ اس مباحثہ میں حسب اصول مناظرہ گفتگو کرے ؎ **چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی**۔
ایھا الناظرین ظاہر ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اس مباحثہ میں سائل اور مانع کا منصب
رکھتے ہیں خصوصاً مولوی صاحب جیسے مدعی کے مقابلہ میں کہ دعویٰ بھی ان کا خلاف سنت اللہ اور
فطرت اللہ کے واقع ہوا ہے پس اگر حضرت اقدس نے توضیح مرام وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح
بسبب فوت ہو جانے کے دنیا میں نہ آویں گے اور اس منع پر کچھ سند وغیرہ بیان کی ہے تو کیا اس منع
وغیرہ سے حضرت اقدس بموجب اصول مناظرہ کے مدعی حقیقی بن گئے۔ سائل اور مانع کا تو کام ہی
یہی ہے کہ منع وغیرہ کا ایراد ادلہ مدعی پر کرے خواہ مناقضہ اور نقض تفصیلی کے طور پر ہو بلا سند یا مع السند
کے یا معارضہ کے طور پر ہو یا نقض اجمالی کی طرز پر وغیرہ وغیرہ جس کی تفصیل رسائل صغیر وکبیر علم
مناظرہ میں لکھی ہے پس اگر سائل ان طرق مناظرہ اور آداب مباحثہ سے بحث کرے تو کیا وہ
فی الحقیقت مدعی ہو جاوے گا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ رشیدیہ وغیرہ میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ
ہے۔ **السائل من نصب نفسہ لنفی الحکم الذی ادعاہ المدعی بلانصب دلیل
علیہ وقد یطلق علی ماھو اعم وھو کل من تکلم علی ماتکلم بہ المدعی اعم من
ان یکون مانعا اوناقضا اومعارضا**۔ اور اسی میں لکھا ہے **المنع طلب الدلیل علی
مقدمۃ معینۃ ویسمی ذلک مناقضۃ و نقضا تفصیلیا. والسند مایذکر لتقویۃ
المنع ویسمی مستندا**۔ اور اسی میں لکھا ہے۔ **النقض ابطال الدلیل بعد تمامہ**

﴿۱۴۰﴾ متمسکا بشاھدیدل علی عدم استحقاقه لاستدلال به وھو استلزامه فسادا اما اعم من ان یکون تخلف المدلول عن الدلیل اوفسادًا اٰخر مثل لزوم المحال وغیرہ ......الٰی آخرہ پس اگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے جو منصب سائل کا رکھتے ہیں یہ ابحاث اپنے رسائل میں درج فرمائی ہیں تو ان کے درج کرنے سے وہ مدعی کیونکر ہو گئے اور جو فرض منصب سائل کا ہے اگر اس کو حضرت اقدس بموجب آداب مناظرہ کے بجالائیں تو یہ سب کام ان کا عبث کس اصل مناظرہ کے رو سے ہو گیا۔ اور اگر کہو کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے مقابل ان رسائل میں مدعی کون ہے جو مرزا صاحب سائل اور مانع ہو گئے تو جواب اس کا یہ ہے کہ وہ تمام مخالفین حضرت اقدس کے جو دعویٰ حیات مسیح کا کرتے ہیں وہی مدعی ہیں جن کے خلاف میں حضرت اقدس نے ان رسائل میں کلام کیا ہے اور یہی تعریف ہے سائل کی کہ السائل من تکلم علی ماتکلم به المدعی اعم من ان یکون مانعا اوناقضا اومعارضا ۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ بالجملہ بار ثبوت وفات مسیح دو حیثیت سے آپ کے ذمہ ہے الخ یہ ایک التباس حق کا ساتھ غیر حق کے یا تو قصداً کیا گیا ہے یا بسبب عدم امعان نظر کے اصول مناظرہ میں پیدا ہوا ہے اگر اصول مناظرہ میں امعان نظر فرمایا جاوے تو یہ التباس رفع ہو جاوے گا۔ مولانا صاحب گذارش یہ ہے کہ جب مانع اور سائل کسی مدعی کی دلیل کا نقض و منع کرے گا۔ اگر وہ منع بلا سند ہے تو صرف لا نسلم کہے گا اور اگر اس منع اور نقض کے ساتھ کوئی سند یا شاہد مذکور ہو تو وہ سند وغیرہ بالضرور مشتمل مقدمات پر بھی ہو گی لیکن وہ مانع یا ناقض و معارض اس اشتمال مقدمات سے حقیقتاً مدعی اس بحث متنازعہ فیہ میں نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ دعویٰ مدعی اول کا مخالف سنت اللہ کے ہو اور منع خصم کے موافق سنت اللہ کے جیسا کہ مانحن فیہ میں ہے پس وفات مسیح کو جو آپ اصل دعویٰ حضرت اقدس کا فرماتے ہیں بموجب آداب مناظرہ کے یہ بات درست نہیں ہے۔ یہ اصل دعویٰ نہیں یہ تو اصل فطرۃ اللہ ہے جس کے قائل اور تمام جگہ آپ بھی ہیں اور نہ وفات مسیح کی حضرت اقدس کی دلیل کا کوئی ایسا مقدمہ ہے جس کے اثبات کی ان کو ضرورت ہو کیونکہ جو امر فطرت اللہ اور سنت اللہ کے موافق ہوتا ہے وہ ظاہر بمنزلہ بدیہی کے ہوتا ہے اس کے اثبات کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی لیکن جب کہ آپ اس سنت اللہ کے ایک خاص مقام میں منکر ہو گئے ہیں تو بحیثیت انکار جناب کے وہ وفات مسیح ایک مقدمہ اعتباری

ہو گیا ہے۔ پس صرف اس لحاظ سے حضرت اقدس نے **بحکم آنکہ خصم را تا بخانہ باید رسانید**۔ دلائل ﴿۱۴۱﴾
وفات مسیح کے اپنے رسائل میں مذکور فرما دیئے ہیں اور وہ بھی بطور نقض و معارضہ و تخلف وغیرہ کے جو
سائل کا ہی فرض منصب ہے آپ اصول مناظرہ میں غور فرمائیے اور خلط مبحث نہ کیجئے۔ غرض کہ حسب
آداب مناظرہ حضرت اقدس کسی طرح پر مدعی حقیقی اس مسئلہ متنازعہ فیہ میں نہیں ہو سکتے ہاں البتہ مسیح موعود
ہونے کا دعویٰ ان کا ہے اور وہ اسکے مدعی ہیں اور بارِ ثبوت اس دعوے کا ان کے ذمہ ضرور ہے۔ جس کو
ازالۃ الاوہام وغیرہ میں مفصلاً اور مشرحاً بہ براہین بیان فرمایا ہے۔ مگر جب بحث حیات و ممات مسیح ختم
ہو چکے گی تب آپ ثبوت اس دعوے کا ان سے طلب فرما سکتے ہیں مگر اس وقت اس بحث کا
چھیڑنا خلط مبحث کرنا ہے وہ بعد اس بحث حیات و وفات مسیح کے ان سے ہو سکتی ہے وبس۔ **قولہ** اس
قاعدہ کو جدید قاعدہ کہنا نہایت محل استبعاد ہے۔ الخ۔ **اقول** مولانا حضرت اقدس مرزا صاحب نے تو
آپ کے اس قاعدہ کو جدید ہی فرمایا تھا مگر ہیچمدان نے اس کا اجدّ ہونا ثابت کر دیا اور کوئی محل
استبعاد کا بھی نہیں رہا۔ میزان خوان اطفال بھی جانتے ہیں کہ صرف نون تاکید البتہ مضارع کو
خالص مستقبل کر دیتا ہے لیکن جب لام تاکید بھی موجود ہو جو واسطے حال کے آتا ہے اور نون
تاکید بھی تو ایسے صیغے میں نہ کوئی شیخ زادہ اس بات کا قائل ہے کہ خالص استقبال کا ہونا ضروری
ہے اور نہ کوئی سید زادہ یہ کہتا ہے۔ ازہری جو لکھتا ہے کہ **لانھما تخلصان مدخولھما
للاستقبال** تو یہاں پر استقبال سے مراد صیغہ استقبال ہے نہ زمانہ استقبال۔ اور یہ بات تو
زبان اطفال میزان خوان پر بھی جاری ہے کہ صیغہ حال ہمچو صیغہ استقبال است۔ اور ازہری نے
جو اس مسئلہ کی دلیل بیان کی ہے اس سے بھی مطلب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر مراد اس کی زمانہ
استقبال ہوتی تو کہتا کہ **ذلک ینافی المضی والحال** آگے ازہری نے جو یہ لکھا کہ
ولا یجوز تاکیدہ بھما اذا کان منفیا او کان المضارع حالا ۔ الخ۔ تو اس کا صریح
مطلب یہ ہے کہ اگر مضارع سے خالص حال مراد ہو اور استقبال مراد نہ ہو تو اس صورت میں
صرف لام تاکید بغیر نون کے مضارع پر آوے گا اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اگر حال و استقبال
دونوں مراد ہوں تو بھی لام تاکید اور نون تاکید سے اس مضارع کو موکد نہ کریں گے۔ خود فوائد
ضیائیہ کے حواشی تکملہ عبد الحکیم وغیرہ میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ مراد فعل مستقبل

﴿۱۴۲﴾ سے یہاں پر فعل مستقبل اصطلاحی ہے ملاحظہ فرماؤ ہوامش شرح جامی کی۔علیٰ ھٰذا التباس☆ جس قدر عبارات کتب نحو کی جناب نے نقل فرمائی ہیں ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس صیغہ میں لام تاکید معہ نون تاکید کے ہوتو وہ بالضرور خالص استقبال کے واسطے ہی آئے گا۔ہاں البتہ اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ صرف نون تاکید کے داخل ہونے سے صیغہ مضارع کا خالص استقبال کے لئے اکثر جگہ ہوجاتا ہے پس جب تک کہ اجماع اکابر ائمہ نحویین کا درصورت اجتماع لام تاکید معہ نون تاکید کے اس بات پر آپ ثابت نہ کریں گے کہ سوائے زمانہ استقبال کے زمانہ حال کا مراد ہونا ممتنع ہے تب تک تقریب دلیل جناب کی محض ناتمام رہے گی و این ھذا یثبت من تلک **العبارات المنقولة** اور بعد اس اثبات کے بھی یہ گذارش کیا جاوے گا کہ صیغہ مستقبل کا مستعمل ہونا واسطے دوام تجددی یا استمرار کے علم بلاغت سے ثابت ہو چکا ہے **وھذا یناقض دعواکم** پھر یہ قاعدہ جناب کا اجد نہیں تو کیا قدیم ہے۔ **قولہ** خاکسار کی اصل دلیل اتفاق ائمہ نحاۃ کا ہے اس قاعدہ پر الخ **اقول** اتفاق اور اجماع کا تو ذکر ہی کیا ہے کسی ایک امام نحو کا قول بھی آپ نے ایسا نقل نہیں فرمایا جس سے تقریب دلیل جناب کی تمام ہوتی۔ **کما مر شرحه**. اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے آیات قرآن مجید کی جو ماخذ تمام علوم کا ہے اس بارہ میں تحریر فرمادیں اور تفاسیر معتبرہ مثل مظہری وغیرہ سے ثابت کردیا کہ **فان حقیقة الکلام للحال**۔ **قولہ**۔ہاں آیات اس قاعدہ کی تائید کیلئے لکھی ہیں۔الخ۔ **اقول**۔ ایھاالناظرین آیات سے بڑھ کر اور کس کا قول ہوگا **اذاجاء نھر اللہ بطل نھر معقل**۔**قولہ**۔مخفی نہ رہے الخ۔ **اقول** مولانا یہ ایک اور دوسرا قاعدہ علم نحو میں اس پہلے قاعدہ سے بھی زیادہ اجد آپ نے ایجاد کیا۔ بھلا کون سے قاعدہ نحو سے **الا یؤمن** صیغہ تحریض کا بغیر حرف تخصیص کے لائے ہوئے ہوسکتا ہے اور قسم کے جواب مثبت میں جو باتفاق نحویین کے نون تاکید کا آنا بطور وجوب ولزوم کے لکھا ہے اس کو بھی آپ نے توڑ دیا۔خود فوائد ضیائیہ میں لکھا ہے۔**ولزمت ای نون التاکید فی مثبت القسم ای فی جوابه المثبت لان القسم محل التاکید فکرھوا ان یوکدوا الفعل بامر منفصل عنه وھو القسم من غیر ان یوکدوہ بمایتصل به وھو النون بعد صلاحیة له انتھی موضع الحاجت** اور پھر باوجود توڑ دینے

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ”القیاس“ ہونا چاہیے۔(ناشر)

﴿۱۴۳﴾ اسؔ وجوب ولزوم نحوی کے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ عبارت اِلَّا یُـؤْمِنُ نہایت ہی عمدہ ہے ایسی عمدہ عبارت کو چھوڑ کر بجائے اِلَّا لَیُـؤْمِـنَـنَّ اختیار کرنا ہرگز نہیں چاہئے تھا۔ان ھـذا لشیءٌ عجاب اور اگر کوئی کہے۔کہ لیؤمنن میں بھی حرف تخصیص موجود نہیں ہے۔پھر اس کو بیضاوی وغیرہ نے صیغہ تخصیص کا کیوں قرار دیا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو بیضاوی نے لیـؤمـنـن کو صیغہ تحریض کا نہیں کہا صرف کالوعید والتحریض کہا ہے۔ثانیاً وجہ اس کی یہ ہے کہ مضارع مصدّر بحرف تخصیص میں جو تخصیص ہوتی ہے اس میں طلب ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ فوائد ضیائیہ میں لکھا ہے۔ومعناھا فی المضارع الحض علی الفعل و الطلب له فھی فی المضارع بمعنی الامر ۔اور نون تاکید بھی امر مطلوب کی ہی تاکید کرتا ہے تکملہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ نون التاکید لایوکد الا مطلوبا۔ پس اس مناسبت سے بیضاوی نے صیغہ لیومنن کو کالوعید و التحریض قرار دیا ہے بخلاف صرف یؤمن کے کہ وہ کسی طرح پر صیغہ تحریض کا نہیں ہوسکتا ہے یہ مولانا صاحب کا بڑا تحکم ہے کہ ایک قاعدہ اپنی طرف سے ایجاد فرما کر پھر اسکے بموجب قرآن مجید میں اصطلاح لگائی جاتی ہے۔ باقی اس اقول کا مقولہ آخر تک جو بیان فرمایا گیا ہے وہ محض بناء فاسد علی الفاسد ہے جس کا جواب اظہارًا للصواب مکرر سہ کرر گذر چکا ہے۔اب ضرورت اعادہ جواب کی نہیں ہے **قوله** اس میں کلام ہے بچند وجوہ اول یہ کہ الخ۔**اقول** جناب والا بار بار وہی ایک بات فرمائے جاتے ہیں جس کا ابطال حضرت اقدس مرزا صاحب بدلائل بیّنہ فرما چکے ہیں ۔**قوله** دوم یہ کہ یہ قراءت ہمارے معنے کے مخالف نہیں ہے۔الخ۔ **اقول** اول تو زمانہ نزول کا مراد لینا آپ کے اقرار مندرجہ اول پرچہ کے خلاف ہے اقرار یہ ہے کہ اس بحث میں صعود ونزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جاوے گا۔ثانیاً آپ کی طرز استدلال کے بموجب صرف اسی آیت لَیُـؤْمِـنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَـوْتِـهٖ کے قطعی الدلالت ہونے کی کیا وجہ ہے۔تمام قرآن شریف کے وہ صیغے مندرجہ آیات جن میں ایمان لانے کا ذکر یا کسی اور امر معروف کی پیشین گوئی زمانہ آئندہ میں ہے وہ سب آیات حیات مسیح پر قطعی الدلالت ہوگئیں۔تقریر اس کی بموجب استدلال جناب کے یوں ہوسکتی ہے۔کہ یہ معنے ہمارے معنے کے مخالف نہیں ہیں کیونکہ اس صورت میں یہ معنے ہیں کہ ہر ایک شخص اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں ایمان لے آوے گا اور یہ معنے اول کے ساتھ

﴿۱۴۴﴾ جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد لیا جاوے سبحان اللہ کیا عمدہ استدلال ہے۔ اے مخالفین حضرت مرزا صاحب! مولوی محمد حسین وغیرہ تم کو مبارک ہو کہ ہمارے حضرت مولوی صاحب نے کیا عمدہ طرز استدلال کا بموجب اصول موضوعہ جدیدہ علم مناظرہ کے ایجاد کر دیا ہے کہ تمام قرآن مجید کے ایسے صیغے جن میں ایمان لانے کا ذکر یا کسی اور امر معروف کی پیشین گوئی زمانہ استقبال میں ہو حیات مسیح کے لئے دلائل **قطعیۃ الدلالت** ہو گئیں اب تم کو متعدد ایسے صیغے قرآن مجید میں مل جاویں گے جو مولوی صاحب کی طرز استدلال کی طرح پر وہ سب کے سب حیات مسیح پر **قطعیۃ الدلالت** ہو جاویں گے۔ اب جو مشکلات مولوی محمد حسین وغیرہ کو بمقابل حضرت اقدس کے اس بحث میں پیش آ رہی تھیں ہمارے مولانا صاحب نے وہ سب حل فرما دیں۔ سبحان اللہ استدلال ہو تو ایسا ہو۔ یہ فتح عظیم تم کو مبارک مبارک مبارک ؎ **ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند**۔ اب میں دو تین آیتیں اور مولوی صاحب کی طرف سے دلیل قطعی حیات مسیح پر لکھے دیتا ہوں جو بموجب طرز استدلال مولوی صاحب کے قطعی الدلالت ہیں مثلاً آیت فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ [1] پ۱۴ ع۱۹ جو مولوی صاحب نے خالص استقبال کے واسطے اول پرچہ میں لکھی ہے وہ حیات مسیح میں قطعی الدلالت ہے۔ کیوں **قطعیۃ الدلالت** ہے۔ یوں ہے کہ جو شخص مرد ہو یا عورت نیک عمل کرے در حالیکہ وہ مومن بھی ہو تو ہم زمانہ آئندہ میں البتہ زندہ رکھیں گے اس کو ساتھ زندگی پاکیزہ کے اور البتہ بدلا دیں گے ہم ان کو ثواب ان کا یہ معنے مولوی صاحب کے معنوں کے کچھ مخالف نہیں اور مولوی صاحب کے معنوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول عیسیٰ علیہ السلام مراد لیا جاوے۔ پس یہاں تک دلیل قطعی الدلالت کی تقریب تمام ہو چکی اور مثلاً آیت وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [2] پ۱۷ ع۱۳ بھی حیات مسیح پر قطعی الدلالت ہے۔ کیوں قطعی الدلالت ہے۔ یوں ہے کہ نون ثقیلہ تو اس میں موجود ہی ہے جو خالص زمانہ استقبال کے واسطے آتا ہے۔ پس یہ نصرت الٰہیہ مومنین صالحین اور مومنات صالحات کو زمانہ آئندہ میں ہوگی اور یہ معنے مولوی صاحب کے معنوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد لیا جاوے۔ وہ تقریب دلیل کی تمام ہو گئی علیٰ ھٰذا القیاس۔ آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [3] جس کو مولوی صاحب نے واسطے اثبات قاعدہ نون ثقیلہ کے پرچہ اول میں لکھی ہے وہ بھی حیات مسیح پر بموجب طرز استدلال مولوی صاحب کے قطعی الدلالت ہو سکتی ہے۔

[1] النحل : ۹۸ [2] الحج : ۴۱ [3] العنکبوت : ۷۰

﴿۱۴۵﴾ ہیچمدان نے یہ دو تین آیتیں واسطے توضیح قاعدہ استدلال مولوی صاحب کے بطور مثال کے لکھ دیں تا کہ ہر ایک ادنیٰ طالب علم جو ترجمہ خوان قرآن مجید ہو حیات مسیح پر قرآن شریف سے بہت سی آیات قطعی الدلالت استخراج کر سکے۔ **قولہ** سوم یہ کہ یہ قراءت غیر متواترہ ہے الخ **اقول** قراءت غیر متواترہ سے احتجاج نہیں کیا گیا بلکہ قراءت غیر متواترہ صرف واسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے حسب اصول مفسرین لائی گئی ہے چنانچہ تمام مفسرین محققین اس قراءت غیر متواترہ کو واسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے اپنی تفاسیر میں لائے ہیں اسی طرح پر حضرت اقدس مرزا صاحب اس قراءت غیر متواترہ کو واسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے لائے ہیں اور جناب والا نے جو روایات اس کل اپنے مباحثہ میں بیان ونقل فرمائی ہیں ان کی رجال اسانید کی کچھ بھی توثیق وتعدیل بیان نہیں فرمائی۔ کیا یہ وجوب حضرت مرزا صاحب پر ہی ہے آپ پر واجب نہیں کہ اس مقام تحقیق میں ان رجال اسانید کی توثیق وتعدیل حسب اصول علم اسماء الرجال بیان فرماتے و دونہ خرط القتاد۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ[1] **قولہ**۔ چہارم یہ کہ مرزا صاحب الخ **اقول** آیت مذکورہ چونکہ ذوالوجوہ ہے اس واسطے حضرت اقدس نے اس کو دوسری وجہ سے بھی تفسیر فرمایا ہے یعنی قبل موتہ کی ضمیر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی راجع کر کر وہ تفسیر کی ہے اور وہ معنے بیان کئے ہیں کہ جن پر کسی طرح کا اعتراض وارد نہیں ہوتا ایسی آیات ذوالوجوہ کی تفسیر مختلف وجوہ سے کرنا ایک فقہ محمود ہے **قال ابوالدرداء لایفقہ الرجل حتّٰی یجعل للقراٰن وجوھا**۔ اور جناب کی طرح حضرت اقدس نے ایسی آیت ذوالوجوہ کو ایک وجہ میں محصور کر کر قطعی الدلالت ایک وجہ پر نہیں فرمایا۔ اور در صورت ارجاع ضمیر کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو معنے آیت کے آپ کرتے ہیں اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پس کیا یہی مقتضائے دیانت وانصاف ہے کہ جو معنے انواع انواع اعتراضات کے مورد ہوں ان پر تو اصرار کیا جاوے اور جو معنے خالی از فساد ہوں ان کو تسلیم نہ کیا جاوے۔ الحاصل درصورت ارجاع ضمیر کی طرف حضرت عیسیٰ کے اگر آپ وہ معنے جو حضرت اقدس نے ازالہ میں تحریر فرمائے ہیں تسلیم وقبول فرماتے ہیں تو **فنعم الوفاق** سب نزاع طے ہو گیا اور اگر ان معنے خالی از فساد کو آپ تسلیم نہیں فرماتے تو اس وجہ سے کہ آپ کے معنے مورد اعتراضات کثیرہ ہیں ارجاع ضمیر حضرت عیسیٰؑ کی طرف بسبب ان فسادات کے نہیں ہو سکتا **کتابی یا احدٌ** مقدر کی طرف ضمیر رجوع ہووے گی

[1] البقرۃ : ۴۵

﴿۱۴۶﴾ جس کی تائید قراءت غیر متواترہ کرتی ہے۔ **بعد اللتیا و التی** حضرت اقدس نے ارجاع ضمیر کو طرف کتابی یا احد مقدر کی کسی جگہ اپنی تحریر میں غیر صحیح نہیں فرمایا اگر آپ نے کسی تحریر میں دیکھا ہو تو بہ تصحیح نقل بیان فرمایا جاوے۔ آگے رہی یہ بات کہ موت مسیح پر استدلال حضرت اقدس نے اس آیہ سے کیا ہے اس کی نسبت یہ گذارش ہے کہ کسی جگہ اس استدلال کو قطعی الدلالت نہیں فرمایا۔ جب کہ آیت ذوالوجوہ ہے تو نہ حیات مسیح پر قطعی الدلالت ہوسکتی ہے اور نہ وفات مسیح پر۔ ادلہ وفات مسیح بطور تعین وقطع کے اور بہت ہیں جو اوپر سابق میں گذر چکیں اور ازالہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ مگر ایسی آیت ذوالوجوہ کو حیات مسیح پر قطعی الدلالت ٹھہرانا یہی تو مجادلہ ہے کہ جس میں مناظرہ کا رائحہ بھی موجود نہیں ہے۔ **قولہ** یہاں ارادہ حال غلط محض ہے بلکہ خالص مستقبل مراد ہے بچند وجوہ **اقول** یہاں پر تو مولانا صاحب نے کمال ہی کیا ہے کہ نون ثقیلہ کے غلبہ وثقل خیال میں ترتیب آیات جو درایتاً و روایتاً مراد الٰہی ہے اس کو بھی غلط محض فرما دیا۔ درایتاً بیان اس کا یہ ہے کہ آیت قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ [۱] میں مولوی صاحب کا نون ثقیلہ تو موجود ہے ہی نہیں جو خالص استقبال ہی مراد ہو اور حال مراد نہ ہو سکے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ قد نرٰی میں زمانہ حال مراد ہے اور فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا [۲] میں حرف فا داخل ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ قد نرٰی پر مترتب بلامہلت ہووے۔ مسئلہ نحو مجمع علیہ ہے کہ الفاء للترتیب ای للجمع مع الترتیب بلامھلۃ پس فَلَنُوَلِّیَنَّکَ کا بھی حال ہی ہوا۔ اور فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ [۳] میں بھی وہی حرف فا موجود ہے جو باتفاق نحاۃ ترتیب بلامہلت کے واسطے آتی ہے پس نظم ونسق آیات سے معلوم ہوا کہ قَدْ نَرٰی الآیہ پر فَلَنُوَلِّیَنَّکَ الآیہ بلامہلت مترتب ہوا اور فَلَنُوَلِّیَنَّکَ الآیہ پر فول وجھک الآیہ بلامہلۃ مترتب اور متسبب ہوا کوئی فاصلہ زمانہ دراز یا کوتاہ کا درمیان ان آیات کے واقع نہیں ہے جو فَلَنُوَلِّیَنَّکَ کو خالص زمانہ استقبال دراز یا کوتاہ کیلئے ہی قرار دیا جاوے۔ پس درایتاً ثابت ہوا کہ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ میں زمانہ حال مراد ہے جس کی مقدار مختلف اور مفوض الی العرف ہے اور روایتاً بیان اس کا یہ ہے حواشی بخاری شریف میں لکھا ہے۔ ثم اعلم ان الروایات اختلفت فی ان التحویل ھل کان خارج الصلٰوۃ بین الظھر والعصر او فی اثناء صلٰوۃ العصر فالظاھر من حدیث البراء الذی سبق فی کتاب الایمان فی صفحہ ۱۰ انہ کان خارج الصلٰوۃ حیث قال انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اوّل صلٰوۃ صلاھا الی الکعبۃ صلٰوۃ العصر الحدیث قال مجاھد وغیرہ نزلت

[۱] تا [۳] البقرۃ : ۱۴۵

هٰذه الاية و رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مسجد بنى سلمة و قدصلى ﴿۱۴۷﴾
باصحابه ركعتين من صلٰوة الظهر فتحول فى الصلٰوة واستقبل الميزاب
وحوّل الرجال مكان النساء والنساء مكان الرجال فسمّى ذٰلك المسجد
مسجد القبلتين كذاذكره البغوى ثم قال وقيل كان التحويل خارج الصلٰوة
بين الصلٰوتين ورجح الواقدى الاول وقال هٰذا عندنا اثبت ذكره فى
المظهرى وقال فيه ايضا فحديث البراء محمول على ان البراء لم يعلم
صلٰوته صلى الله عليه وسلم فى مسجد بنى سلمة الظهر،او المراد انه اول
صلٰوة صلاها كاملا الى الكعبة انتهٰى ۔والله اعلم ۔اور اگر مولوی صاحب اسی
بیضاوی کی طرف جس سے یہاں پر کچھ تھوڑا سا نقل عبارت کیا آخر عبارت تفسیر آیت تک
رجوع فرماتے تو یہ مطلب اسی سے واضح ہو جاتا۔ قال البيضاوى روى انه عليه السلام
قدم المدينة فصلى نحو البيت المقدس ستة عشر شهرا ثم وجهه الى الكعبة
فى رجب بعد الزوال قبل قتال بدر بشهرين و قد صلى باصحابه فى مسجد
بنى سلمة ركعتين من الظهر فتحول فى الصلٰوة واستقبل الميزاب و تبادل
الرجال والنساء صفو فهم فسمى المسجد مسجد القبلتين ۔اور ایسا ہی فتح البیان
وغیرہ میں لکھا ہے۔اور محشی عبدالحکیم نے جو فَوَلِّ وجهک کو انجاز وعد لکھا تو اس نے یہ کب کہا
ہے کہ اس انجاز وعد میں فاصلہ قصیر یا طویل زمانہ کا واقع ہوا ہے ایفائے وعد کو زمانہ حال جس کی
مقدار مفوض الی العرف ہے کچھ منافی نہیں اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ اس تقدیر پر فَوَلِّ وَجْهَكَ
زاید ولا طائل ہو جاوے گا تو گذارش یہ ہے کہ آیت فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ متعدد جگہ موجود ہے آپ کے مسلک پر وہ بھی زاید ولا طائل ہوئی جاتی ہے۔فماهو
جوابكم فهو وفكذاجوابنا اور شاہ ولی اللہ صاحب کے ترجمہ میں جو متوجہ گردانیم لفظ
مضارع کیا گیا ہے وہ زمانہ حال واستقبال دونوں کو شامل ہے یہ جناب والا کا کمال فہم ہے
کہ لفظ مضارع کو خالص استقبال کے واسطے فرماتے ہیں اور تراجم اردو میں جو ترجمہ بلفظ
استقبال کیا گیا اس سے استقبال قریب مراد ہے جس کے آپ بھی قائل ہیں ہم اسی کو حال
کہتے ہیں۔کتب علم بلاغت سے ثابت ہو چکا کہ مقدار زمان الحال مختلف

بحسب الافعال و مفوض الی العرف ۔ **قولہ** ارادہ حال اس آیہ میں بھی غلط ہے الخ ﴿۱۴۸﴾
اقول درحالیکہ استقبال قریب کے آپ بھی قائل ہیں اور کتب علم بلاغت مطول وغیرہ سے ثابت ہو چکا کہ زمانہ حال ایک امر عرفی ہے اور اس کی مقدار باعتبار افعال کے مختلف ہے اور اسی وجہ سے مفوض الی العرف ہے تو یہ بحث جناب کی ایک نزاع لفظی ہوگئی ہے جس کا بار بار تکرار کیا جاتا ہے جو آپ کی شان سے نہایت بعید ہے اور میں حیران ہوں کہ ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب کو جو بلفظ مضارع ہے آپ کیوں اس کو خالص استقبال قرار دیتے ہیں اور ذرہ متنبہ نہیں ہوتے اور اس پر طُرّہ یہ ہے کہ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کو جو ابھی جلاویں گے ہم اس کو ہے خالص استقبال کس طرح فرماتے ہیں ۔ لفظ ابھی تو خالص حال کے واسطے آتا ہے ۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ[۱] لان هذا الفهم بعيد عن الصبى فضلا عن الفاضل الذى هو نائب النبى **قولہ** واضح ہو الخ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب ان معنوں کے لینے میں ہرگز منفرد نہیں تمام سلف وخلف امت بعض ان آیات کو حال پر اور بعض کو استمرار پر محمول کرتے چلے آتے ہیں کما مرّ تفصیلہ **قولہ** اول یہ کہ الخ **اقول** جزاکم اللّٰہ فی الدّارین خیرا ۔ کہ جناب نے اس امر کو تو تسلیم فرما لیا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں مدام دکھلایا کرتا ہے فقط ۔ اور یہ مسئلہ کتب علم بلاغت سے ثابت ہو چکا ہے کہ صیغہ مستقبل کا بحسب مقامات مناسبہ کے دوام تجددی اور استمرار کے واسطے مستعمل ہوا کرتا ہے ۔ پس اب گذارش یہ ہے کہ کیا وجہ کہ اس آیت کے ایسے ناقص اور ادھورے معنے کئے جاویں جو اس عادت مستمرہ کو شامل نہ ہوویں حالانکہ کتاب اللہ بلاغت میں طرف اعلیٰ حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے اور حضرت نبی علیہ السلام فرماتے ہیں اوتیت جوامع الکلم اور سلّمنا کہ آیت وعدہ ہے لیکن وعدہ کو زمانہ حال یا استمرار سے کچھ منافات نہیں ہے کیونکہ وعدہ زمانہ حال کے واسطے بھی کیا جاتا ہے اور بطور استمرار کے بھی وعدہ ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت اقدس نے مشرحاً بیان فرمایا ہے ۔ اور حضرت اقدس نے جو معنے دوم کی تائید میں تصحیح خالص استقبال کی کی ہے وہ صرف جناب کی خاطر سے کی ہے ۔ بقول شخصے کہ خصم را تا بخانہ باید رسانید ۔ چنانچہ الفاظ حضرت اقدس کے اس پر دال ہیں جو جناب نے بھی نقل فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ کیا استقبال کے طور پر یہ دوسرے معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا ۔ **قولہ** ۔ دوم یہ کہ الخ ۔ **اقول** مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ مضارع

[۱] صٓ : ۶

کو خالص استقبال کے واسطے ٹھہرانا زبان فرس میں ایک جدید قاعدہ کی تجدید کرنی ہے۔ باقی الفاظ ﴿۱۴۹﴾
ترجمتین کے جو بصیغہ مستقبل ہیں ان کی نسبت وہی گذارش ہے کہ صیغہ مستقبل کا دوام تجددی کے واسطے
مستعمل ہونا کتب علم بلاغت سے ثابت ہو چکا ہے۔ **قولہ** یہاں ارادہ حال واستمرار قطعاً باطل ہے الخ۔
اقول مولانا صاحب صرف آیت لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ [1] کا لوح محفوظ میں مکتوب ہونا جو جناب
نے بحوالہ بیضاوی تحریر فرمایا اس کی کچھ ضرورت نہیں تھی کیونکہ بیضاوی وغیرہ کی تفسیر کو تو آپ آیت
لیؤمنن به قبل موته میں محض غلط اور باطل فرما چکے ہیں یہ ہیچمدان جناب کی تائید کے واسطے یہ عرض
کرتا ہے کہ کل قرآن مجید لوح محفوظ میں مکتوب ہے۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ** بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ
فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ [2] مگر گذارش یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو ازمنہ ثلاثہ کا اعتبار کیا گیا ہے وہ وقت نزول
سے کیا گیا ہے ورنہ اگر وقت کتابت لوح محفوظ کا لحاظ کیا جاوے تو تمام ازمنہ ثلاثہ ماضی وحال واستقبال
بلکہ استمرار سب استقبال ہی میں داخل ہیں پھر جناب والا کی تمام بحث عمدہ اور اصل جونون ثقیلہ کی نسبت
ہے محض بیکار ہوئی جاتی ہے۔ پس اندریں صورت جو آیات کہ حضرت اقدس نے تحریر فرمائی ہیں ان کا تو
ذکر ہی کیا ہے اس بنا پر تو تمام صیغے ماضی وحال واستمرار مندرجہ قرآن مجید سب استقبال میں داخل ہیں اور
یہ نزاع حال واستمرار کا محض بے سود۔ اگر آیت **لیؤمنن به قبل موته** میں حضرت اقدس نے استمرار مراد
لیا تو کتابت لوح محفوظ سے وہ بھی استقبال میں داخل رہا اور اس آیت لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ [3] میں بھی
اگر حال یا استمرار مراد لیا تو وہ بھی کتابت لوح محفوظ سے استقبال میں ہی ہوا پھر یہ جو آپ ارشاد فرماتے
ہیں کہ ارادہ استمرار قطعاً باطل ہے اسکے کیا معنے ہیں۔ استمرار بھی تو اس بنا پر استقبال ہی میں داخل ہے یہ تو
ایسا استقبال ہے کہ کوئی زمانہ اس سے باہر رہ ہی نہیں سکتا اور ترجمہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کو جو بلفظ
مضارع ہے خالص استقبال کہنا جناب کا ہی کام ہے یہ ہیچمدان تو اس مسئلہ کو کہتے کہتے تھک گیا ؎

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو ‌ ‌ ‌ ‌ ازشما یک تن نہ شد اسرار جو

ناظرین کو اب بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا بعد تین پرچوں کے بحث کا ختم
کر دینا نہایت ہی ضروری تھا ورنہ اپنی اوقات کو مکرر سہ کرر صرف کرنا محض تضیع اوقات تھی کیونکہ مولوی
صاحب کی اس بحث میں سوا اعادہ ان امور کے جن کا جواب شافی وکافی اول ہی پرچہ میں ہو چکا اور
رہا سہا بلکہ مکرر دوسرے پرچہ میں بھی اتمام حجت کیا گیا اور پھر پرچہ ثالث میں بھی بپاس خاطر مولانا
صاحب کے سہ کرر جوابہائے شافی وکافی دیئے گئے معہذا اگر اب بھی بحث ختم نہ کی جاتی تو اس ہیچمدان کو
یہ بتلایا جاوے کہ وہ کون سا امر جدید جواب طلب پیش کیا گیا ہے جس کا جواب مکرر سہ کرر نہ ہو چکا ہو

[1]،[3] المجادلة:۲۲ [2] البروج:۲۲-۲۳

﴿۱۵۰﴾ مِن حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ کا مضمون بھی تو پیش نظر حضرت اقدس کے رہتا ہے اور اس پر بھی آخر پرچہ سوم میں یہ بھی تحریر فرما دیا گیا کہ اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جب پبلک کی طرف سے منصفانہ رائیں شائع ہوں گی اور ثالثوں کے ذریعہ سے صحیح رائے جو حق کی موید ہو پیدا ہو جائے گی تو اس تصفیہ کے بعد آپ تحریری طور پر دوسرے امور میں بھی بحث کر سکتے ہیں لیکن اس تحریری بحث کیلئے میرا اور آپ کا دہلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں جب کہ تحریری بحث ہے تو دور رہ کر بھی ہو سکتی ہے میں مسافر ہوں اب مجھے زیادہ اقامت کی گنجائش نہیں فقط۔ ایہا الناظرین باوجود اس کے مولوی صاحب کا بھوپال میں واپس تشریف لاکر برملا مجالس وعظ وغیرہ میں ہر کہ ومہ کے سامنے یہ اشتہار دینا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب مقام دہلی سے میرے مقابل نہ ٹھہر سکے اور گریز کر گئے کیسا اپنے موقع اور محل پر ہے فاعتبروا یا اولی الابصار باقی ترجمتین کے الفاظ جو بلفظ استقبال ترجمہ کئے گئے ہیں ان سے مراد دوام تجدّدی ہوسکتا ہے کما مر غیر مرۃ **قولہ** اول یہ کہ الخ۔ **اقول** آیت میں حرف فاء جو واسطے ترتیب بلا مہلت کے آتا ہے موجود ہے۔ پس جس وقت کوئی شخص مرد ہو یا عورت عمل نیک کرے درحالیکہ وہ مومن ہو تو اسکے واسطے بلا مہلت حیٰوۃ طیّبۃ متحقق ہو جاتی ہے ورنہ حرف فاء لغو ہو جاوے گا۔ تفسیر ابن کثیر سے جو آپ نے معنے نقل فرمائے وہ بھی اسی مطلب کو ثابت کر رہے ہیں دیکھو اس میں صاف لکھا ہے کہ بان یحیی اللّٰہ حیٰوۃ طیبۃ فی الدنیا ہاں البتہ لَنَجْزِیَنَّھُمْ کو صاحب تفسیر ابن کثیر نے واسطے حاصل ہونے تاسیس کے آخرۃ کے واسطے لکھا کیونکہ یہ ایک مسئلہ علم بلاغت کا ہے کہ التّاسیس خیر من التاکید ہم بھی یہاں استقبال ہی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ حضرت مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کے قاعدہ نون ثقیلہ کے نقض کے واسطے تو صرف ایک صیغہ قرآن مجید کا جو واسطے حال یا استقبال یا استمرار کے آیا ہو کافی ہے کیونکہ آپ التزاماً ہر جگہ ایسے صیغے میں استقبال مراد لیتے ہیں پس موجبہ کلیہ کا نقیض سالبہ جزئیہ ہی آتا ہے جو یہاں صادق ہے پس موجبہ کلیہ غیر صادق ہوگا۔ اور حضرت مرزا صاحب ایسے صیغے میں صرف زمانہ حال یا خالص استقبال یا فقط استمرار التزاماً ہر جگہ مراد نہیں لیتے بلکہ بحسب مقتضائے مقامات مناسبہ کہیں حال مراد ہوتا ہے اور کہیں استقبال اور کسی جگہ دوام تجدّدی مراد ہوتا ہے پس اس مسلک کے نقض کے واسطے کتنے ہی صیغے آپ ایسے نقل فرمائیں جن میں خالص استقبال مراد ہو تو حضرت اقدس کے صراط مستقیم کو کچھ مضر نہیں کیونکہ وہ التزاماً کوئی خاص ایک زمانہ ایسے صیغے میں ہر جگہ مراد نہیں لیتے۔ **قولہ** یہاں استقبال مراد ہے بچند وجوہ اول یہ کہ الخ۔ **اقول** لا نسلم اما اولاً آنکہ العبرۃ

لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔ قاعدہ مسلّمہ اہل اصول کا ہے پس کیا ضرورت ہے کہ اس آیت سے سوائے مہاجرین وانصار کے اور کوئی ناصر مراد نہ ہو سکے۔ ثانیاً آنکہ سلّمنا کہ مہاجرین و انصار ہی مراد ہیں لیکن جس وقت سے کہ مہاجرین وانصار نے اللہ اور اسکے رسول کی نصرت کرنی شروع کی اسی وقت سے نصرت الٰہیہ شامل حال ان کے ہوگئی تھی اگرچہ نصرت تامہ وکاملہ الٰہیہ کا ظہور تامہ کسی قدر زمانہ کے بعد عوام پر ظاہر ہوا ہو۔ ثانیًا آنکہ یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ چیز بعد زمانہ وعدہ کے پائی جاتی ہے۔ سلّمنا لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ بعدیّت منفصلہ ہی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ بعدیّت متصلہ ہو۔ تقدم ذاتی اور تاخر ذاتی کا مسئلہ جو بین المنطقین مشہور و معروف ہے۔ بنظر و لحاظ فضل ورحم ارحم الراحمین کے یہاں پر کیوں نہیں مراد ہوسکتا۔ حرکتِ مفتاح اگرچہ حرکتِ ید کے بعد متحقق ہوتی ہے لیکن ان دونوں حرکتوں میں کوئی فاصلہ زمانہ دراز کا نہیں ہوتا مع ہٰذا کہتے ہیں کہ حرکت ید مقدم ہے اور حرکت مفتاح متاخر اگر ایسی ہی قبلیة و بعدیة آپ کی مراد ہے تو پھر یہ سب ایک نزاع لفظی ہوا جو حضرت اقدس مرزا صاحب کو کچھ بھی مضر نہیں ہے اور تراجم ثلاثہ کی کیفیت ناظرین کو پہلے معلوم ہو چکی۔ **قولہ** یہاں بھی مستقبل مراد ہے الخ۔ **اقول** وعد اور موعود میں جو قبلیة اور بعدیة ہے اس کا حال معلوم ہو چکا اور تراجم ثلاثہ کا حال بھی مکرر سہ کرر لکھا جا چکا حاجت اعادہ کی نہیں ہے اور یہاں عادت مستمرہ ہونے میں کون سا محذور لازم آتا ہے بیان فرمایا جاوے۔ **قولہ** بالا معلوم ہو چکا۔ **اقول** نہ کچھ بالا معلوم ہوا اور نہ کچھ زیر معلوم ہوا بلکہ قاعدہ نون ثقیلہ کا بالکل تہ و بالا ہو چکا۔ **قولہ** ان لوگوں کی کلام میں کہیں تصریح حال کی نہیں الخ **اقول** آپ تمام قرآن مجید میں سے ایک ہی صیغہ ایسا بتلاویں جس میں اللہ تعالیٰ نے یا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کر دی ہو کہ اس صیغہ میں سوائے استقبال کے اور کوئی زمانہ مراد نہیں تو پھر ہم بھی ایسی تصریح کہیں تلاش کریں گے مولانا صاحب اہل لسان جو صیغے مضارع وغیرہ کو اپنی کلام میں استعمال کرتے ہیں اس کلام میں کہیں یہ تصریح نہیں ہوتی ہے کہ یہاں پر ہماری مراد حال ہے یا استقبال یہ فہم تو اہل لِسان اپنے اپنے محاورات کے بموجب سمجھ لیتے ہیں اور غیر اہل لسان حسب قواعد صرف ونحو وعلم بلاغت وغیرہ سمجھتے ہیں اور ہم نے اوپر ان سب علوم سے ثابت کر دیا کہ ان صیغوں میں حال بھی مراد ہوسکتا ہے اور استمرار بھی مظہری وغیرہ سے مصرحاً گذر چکا کہ فان حقیقة الکلام للحال اور حضرت اقدس نے جو اس آیہ میں معنی استقبال بطور امکان کے تجویز فرمائے ہیں تو صرف الزاماً افحام مخالفین کیلئے تجویز کئے ہیں **قولہ** تو جواب یہ ہے کہ بے شک اس صورت میں قاعدہ مقرر کی بنا پر الخ **اقول** یہاں پر یہ تو جناب نے اقرار فرما لیا کہ بے شک اس صورت میں قاعدہ مقرر کی بنا پر البتہ ردّ نہ ہو سکے گا ﴿۱۵۱﴾

﴿۱۵۲﴾ مگر ثانیاً آپ جو فرماتے ہیں کہ اس کا ردّ منوط ہوگا۔ **قولہ** امر آخر پر جس کا ذکر اوپر ہو چکا الخ۔ **اقول** اس رد کا جواب ہیچمدان کی تقریر سے اوپر ہو چکا پس فیصلہ شد۔ **قولہ** میرا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے ہیں الخ۔ **اقول** آپ کی خاطر سے ہم نے یہ بھی تسلیم کیا کہ آپ کا مطلب صرف اس قدر ہی ہے کہ یہ معنی جو میں نے اختیار کئے ہیں اس طرف ایک جماعت سلف میں سے گئی ہے مگر یہ تو ارشاد ہو کہ جب آپ کے معنے کی طرف صرف ایک ہی جماعت گئی ہے اور دیگر جماعات صحابہ و تابعین اور ہزار ہا مفسرین محققین دوسرے معنوں کی طرف گئے ہیں اور ان معنوں کو بہ براہین مبرہن کیا ہے اور آپ کے معنوں کو مرجوح طور پر بیان کرتے ہیں تو کیا آپ کے اختیار کر لینے سے ایک معنے مرجوح کو وہ معنے قطعی الدلالت ہو سکتے ہیں جو آپ کے غیر پر حجت قطعی ہو سکیں ایسے معنی مرجوح کو اختیار کر کر اپنے غیر پر حجت قطعی گردانانا یہ تو صریح ایک تحکم ہے۔ **قولہ**۔ میری ادلہ کا قوی ہونا الخ۔ **اقول** ان ادلّہ کا اَوۡهَنُ مِنۡ بَيۡتِ الۡعَنۡكَبُوۡت ہونا ثابت ہو چکا۔ پس یہ آپ کا فرمانا بجائے خود نہیں ہے۔ **قولہ** آپ نے نون ثقیلہ کے بارہ الخ۔ **اقول** آیات محکمات جو نون ثقیلہ کے بارہ میں لکھی گئی ہیں معہ حوالہ تفاسیر کے وہ قیامت تک قائم رہیں گی اور جو کوئی ان کا مقابلہ کرے گا وہ هَبَاءً مَّنۡثُوۡرًا ہو جاوے گا۔ قال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ [1] **قولہ** جب یہ امر ثابت ہو گیا الخ **اقول** یہ امر ثابت نہیں ہوا کہ نون تاکید جو معہ لام تاکید کے مضارع میں داخل ہوا لتزاماً وہ خالص زمانہ استقبال کیلئے کر دیتا ہے تو پھر تعمیم کیونکر قائم نہ رہے گی۔ **قولہ** آپ نے ان معنے کی تقریر میں جو میرے نزدیک متعین ہیں تھوڑی سی خطا کی ہے الخ **اقول** یہ معنی غیر صحیح ہیں کیونکہ اس صورت میں ایک ایسے لفظ کی تخصیص جس میں عموم درعموم ہے بلا وجود مخصص کے کرنی پڑتی ہے اوّل تو لفظ اہل کتاب کا ایک ایسا عام لفظ ہے جو ہر زمانہ کے اہل کتاب کو شامل ہے جو اہل کتاب کہ اس بات کے قائل تھے کہ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ [2] اور جو مصداق ہیں اِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ [3] ان سے لے کر آنحضرت صلعم کے وقت کے اہل کتاب اور جو قیامت تک موجود ہوں گے سب کو شامل ہے ایک عموم تو یہ ہوا اور دوسرا عموم یہ ہے کہ من اهل الكتاب ترکیب نحوی میں صفت واقع ہوا ہے اَحَدٌ مقرر کی پھر اَحَدٌ جو نکرہ محضہ ہے خبر نفی میں واقع ہوا ہے جو مفید استغراق ہے ارشاد الفحول میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ **النكرة فی النفی تعم سواء دخل حرف النفی علی فعل نحو ما رأیت رجلا او علی الاسم نحو لا رجل فی الدار ولو لم یکن لنفی العموم لما کان قولنا لا الٰه الّا اللّٰه نفیا لجمیع الآلهة سوی اللّٰه سبحنه فتقرر ان المنفية**

[1] الحجر: ۱۰ [2]–[3] النساء: ۱۵۸

بمّا اولن اولم اولیس اولا مفیدۃ للعموم ۔ والنکرۃ المنفیۃ ادلّ علی العموم منھا ﴿۱۵۳﴾
اذا کانت فی سباق النفی ۔ والصفی الھندی قدم النکرۃ علی الکل یعنی **علی کل**
صیغۃ العام اورطرق قصر سے طریق نفی واستثناء بھی اس میں موجود ہے جو ایک مسئلہ علم بلاغت کا
ہے۔ پس ایسے لفظ عام کو جس میں اس قدر عموم در عموم مراد الٰہی ہے ایک شرذمہ قلیلہ اہل کتاب کے
ساتھ بلا وجود مخصص کے مخصوص کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا اگر یہ عموم مراد الٰہی نہ ہوتا تو کلام مجید جو بلاغت
میں حد اعلیٰ اعجاز کو پہنچ گیا ہے ایسے خاص معنے و مراد کو ایسے الفاظ عامہ سے بیان نہ فرماتا اور ابو مالک
کے قول کی توجیہ جو جناب فرماتے ہیں وہ مصداق ہے **توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ**
کے۔ کیونکہ الفاظ قول ابو مالک کے یہ ہیں **ذلک عند نزول عیسٰی بن مریم علیہ السلام**
لایبقی احد من اھل الکتب الا امن بہ ۔ اس قول میں تو تصریح ہے۔ عند نزول کی یعنے
نزدیک وقت نزول کے جملہ اہل کتاب ایمان لے آویں گے۔ جناب ذرہ غور سے ملاحظہ
فرماویں۔ **قولہ** حاصل میری کلام کا یہ ہے الخ **اقول** جب کہ آیت سے جناب کے نزدیک یہ نہیں
ثابت ہوتا کہ مسیح کے نزول کے بعد فوراً سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے تو پھر یہ قول ابو مالک
کا آپ نے واسطے احتجاج اپنے مدعا کے کیوں نقل فرمایا ہے۔ کہ **ذٰلک عند نزول عیسی بن**
مریم علیہ السلام اور ایسے زمانہ کا آنا جس میں بسیط الارض پر کوئی کافر نہ رہے آیات بیّنات
قرآن مجید کی جو سابق مذکور ہوئیں اس کو رد کر رہی ہیں **قولہ** دوم یہ کہ الخ **اقول** جب کہ ایمان سے
مراد ایمان شرعی نہیں بلکہ یقین مراد ہے تو پھر کہاں گیا وہ دعویٰ کہ جملہ اہل ملل و نحل عیسیٰ بن مریم کے
وقت میں اسلام میں داخل ہو جاویں گے اور دفع تعارض جو کیا کرتے ہیں تو ایسی وجوہ سے کہ مناقض
مدعا نہ ہوں وہ کیا دفع تعارض ہوا کہ جس سے اور مفاسد دیگر پیدا ہو جاویں دفع تعارض کے واسطے
آپ کہاں سے کہاں چلے جاتے ہیں ذرہ غور کر کر دفع تعارض فرمایا کیجئے **قولہ** جس زمانہ کے لئے
یہ حصر کیا گیا ہے الخ ۔ **اقول** مولانا بحث تو اس میں ہے کہ جو لفظ ایسا عام ہو کہ جس کا عموم کئی وجوہ
سے بیان کیا گیا ہو۔ **کما مر بیانہ** وہ عام تمام اپنے افراد کو شامل ہوتا ہے جب تک کہ کوئی
مخصص اس کا پیدا نہ ہو یہاں پر صرف ایک نون ثقیلہ پیدا ہوا تھا اگر وہ خفیفہ نہ ہو جاتا تو شاید کسی وجہ
سے کسی قدر تخصیص حاصل ہو سکتی مگر اس نون ثقیلہ کی کیفیت خفت معلوم ہو چکی تو اب کوئی بھی
مخصص باقی نہ رہا۔ پس اندریں صورت تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ مراد تو ہوں ایک زمانہ نامعلوم کے
اہل کتاب اور ان کو ایسے صیغہ عام در عام سے بیان فرمایا جاوے۔ حصول المامول میں لکھا ہے **ولاشک**
ان الاصل عدم التخصیص پس ایسی تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ مخاطب تخصیص کرتے کرتے بھی

﴿۱۵۴﴾ تھک جاوے اور پھر مع ھٰذا اس تخصیص در تخصیص کا نام پورا حصر رکھا جاوے پورے حصر کے معنے تو استغراق جمیع افراد سے حاصل ہوتے ہیں نہ تخصیص در تخصیص سے یہ بھی ایک اصطلاح جدید علم اصول فقہ کی جناب نے پیدا کی ہے اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ[1] **قولہ** بلکہ یہ تو مقتضی نون ثقیلہ ولفظ **بعد موتہ** کا ہے جو کلام الٰہی میں واقع ہوا ہے الخ۔ **اقول** مولانا اب تو سرے سے مقتضی ہی نہ رہا۔ پھر مقتضی کہاں ہوسکتا ہے اور پھر یہ کیونکر ہو سکے گا کہ اِدھر تو الفاظ عموم درعموم کے بیان کئے جاویں اور اُدھر خصوص درخصوص مراد ہو یہ تو تناقض ہوا جاتا ہے **وتعالٰی کلام اللّٰہ عن ذٰلک علوًّا کبیرًا**۔ واضح ہو کہ مولوی صاحب کی عبارت میں لفظ **بعد موتہٖ** غلط لکھا گیا ہے قرآن مجید میں **قبل موتہٖ** ہے اور چونکہ لفظ **احد** کامل درجہ کا نکرہ ہے لہٰذا اس کی نفی حسب قواعد نحو و علم بلاغت کے بحرف اِنْ کامل استغراق کو ہوگی جو جناب کے مدعا کے مخالف ہے **قولہ** اور ایسا ہی ان کا یہ فرمانا الخ۔ **اقول** مولانا صاحب ظاہر ہے کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ[2] واسطے حیات مسیح کے مسوق نہیں ہے جو حیات میں نص ہو بلکہ حیات کا تو اس میں ذکر بھی نہیں موت کا ہی ذکر ہے پس جناب کا استدلال کرنا اس آیہ سے بطور اشارۃ النص وغیرہ کے ہوگا۔ پس جملہ اہل کتاب کا ایمان لانا قبل موت مسیح بن مریم کے آپ کے استدلال کا ایک مقدمہ ہوا اور اس مقدمہ کی نسبت اب آپ ایسا کچھ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس مقام پر نہ میں مدعی ان کے ایمان کا ہوں اور نہ مدعی اس امر کا کہ مراد ایمان سے یقین ہے مقصود اس مقام پر صرف رفع تناقض ہے جو آپ نے درمیان آیت و احادیث کے سمجھا ہے۔ فقط **اقول** مولانا یہ تو سب آپ کی دلیل کے مقدمات تھے جب کہ اثبات مقدمات اپنی دلیل سے دست بردار ہوگئے تو پھر دلیل دلیل کب قائم رہ سکتی ہے کیونکہ دلیل موقوف اثبات مقدمات پر ہوتی ہے مثل **ثبت العرش ثم انقش**۔ اور رفع تناقض اگر منظور تھا تو ایسی وجوہ سے رفع فرمایا جاتا جس میں اور مفاسد پیدا نہ ہوتے۔ یہاں پر تو آپ کی رفع تناقض سے اور مفاسد پیدا ہوگئے حتّٰی کہ بسبب انہیں مفاسد کے آپ خود اثبات مقدمات دلیل اپنی سے دست بردار ہوگئے پھر دلیل کیونکر دلیل باقی رہی کہ **المقدمة ما یتوقف علیه صحة الدلیل اعم من ان یکون جزءًا من الدلیل ام لا**۔ اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ آپ جو اس جگہ ہیچمدان اور حکیم نورالدین صاحب کو حَکَمْ تسلیم کرتے ہیں تو اب یہ ہیچمدان اور حکیم نورالدین کیا فیصلہ کریں گے بجز اس کے کہ جو آپ نے خود ارشاد فرما دیا اور اپنے مقدمہ دلیل سے دستبردار ہوگئے۔ پس دلیل بھی دلیل نہ رہی۔ **قولہ** اول یہ کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ میں صاف وعدہ ہے الخ **اقول** مولوی صاحب نے مسئلہ نسخ اور تخصیص میں خلط ملط کر دیا لہٰذا اولاً یہ ہیچمدان تعریف عام و خاص کی اور جو تخصیص و نسخ میں فرق ہے علم اصول سے لکھتا ہے تاکہ ناظرین کی سمجھ میں بخوبی

[1] ص:۶ [2] النساء: ۱۶۰

آجاوے کہ یہاں پر تخصیص مطلوب مولوی صاحب کی جاری نہیں ہوسکتی۔ ارشاد الفحول میں لکھا ہے۔ وفی الاصطلاح العام ھو اللفظ المستغرق لجمیع مایصلح له بحسب وضع واحد دفعة والخاص ھو اللفظ الدال علی مسمی واحداعم من ان یکون فردًا اونوعًا اوصنفا و قیل ما دل علی کثرة مخصوصة ومن الفروق بین النسخ والتخصیص ان التخصیص لا یکون الا لبعض الافراد و النسخ یکون لکلھا۔اب گذارش یہ ہے کہ آیات بینات سے بطور اخبار کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں قیامت تک کچھ نہ کچھ کافر بھی موجود رہیں گے۔قال اللّٰہ تعالی وَمَآ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ [1] ایضًا قال۔ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِيۡنَ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ [2] اب باوجود اس اخبار اللہ تعالیٰ کے آپ یہ فرماتے ہیں کہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ میں صاف وعدہ ہے کہ قبل موت حضرت عیسٰیؑ کے سب اہل کتاب مومن ہوجاویں گے اور یہ آیت مخصص واقع ہوئی ہے ان آیات بینات کی۔مولانا صاحب اگر آپ ان دونوں آیتوں میں واسطے توفیق مفاہیم مختلفہ کے تخصیص کے قائل ہیں تو ظاہر یہ ہے کہ جناب کے معنے عام ہیں العام ھو اللفظ المستغرق لجمیع ما یصلح له الخ اور مفہوم آیت لَا يَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِيۡنَ الآیه کا خاص ہے کہ الخاص مادل علی کثرة مخصوصة او کما قیل پس بموجب فروق مذکورہ بالا کے مفہوم آیت لَا يَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِيۡنَ الآیه کا جو خاص ہے آپ کے معنے عام کا مخصص ہوسکتا ہے نہ برعکس لان التخصیص لایکون الالبعض الا فراد لیکن اندریں صورت اس تخصیص سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا کیونکہ اس تخصیص کا مطلب یہ ہوا کہ آئندہ ایک خاص زمانہ میں بعض اہل کتاب ایمان لے آویں گے حالانکہ بعض اہل کتاب تو ہر زمانہ میں ایمان لائے ہوئے ہیں۔علاوہ یہ کہ اگر اسکے برعکس تخصیص مانی جاوے تو وہ نسخ ہوا جاتا ہے تخصیص نہیں رہتی اور نسخ اخبار میں عند الاصولیین درست نہیں ہے۔ایہا الناظرین مولوی صاحب نے اس مسئلہ میں غور نہیں فرمایا اس واسطے اشتباہ والتباس واقع ہوگیا کہ جو آیت خاص تھی اور مخصص ہوسکتی تھی اس کو عام قرار دے دیا اور جو آیت کہ عام تھی اس کو خاص یا مخصوص فرما دیا۔ فتأملوا و انظروا و اعتبروا یااولی الابصار. **قوله** دوم احادیث صحیح سے ثابت ہے الخ۔ **اقول**۔مولوی صاحب آیت کا تو یہ مفہوم ہے کہ مومنین متبعین قیامت تک فائق رہیں گے اور کافر قیامت تک مغلوب رہیں گے اور مضمون احادیث کا یہ ہے کہ وقت قیام قیامت کے سب شریر رہ جاویں گے ان دونوں مفہوموں میں کسی طرح کا تعارض نہیں معلوم ہوتا جو تخصیص یا نسخ کے طور پر ان دونوں مفہوموں میں توفیق کی جاوے۔کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دفعةً واحدة جملہ مومنین متبعین کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھالے اور بقیہ ﴿۱۵۵﴾

[1] یوسف :۱۰۴ [2] ھود : ۱۱۹،۱۲۰

﴿۱۵۶﴾ شرار الناس پر اس وقت سے قیامت قائم ہو جاوے چنانچہ اس درایت کی روایت صحیح بھی مؤید ہے۔ ثم یبعث اللّٰہ ریحاطیبةً فتوفی کل من فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان فیبقی من لاخیر فیه فیرجعون الی دین ابآئهم. رواه مسلم پس آیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ مومنین متبعین کا وجود جب تک دنیا میں رہے گا قیامت تک ساتھ غلبہ کے رہے گا اور کافر مغلوب رہیں گے اور جب کہ مومنین متبعین کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھا لے گا تب اس وقت سے بقیہ شر ذمہ کفار پر قیامت قائم ہوگی۔ پس ثابت ہو گیا کہ وجود کفار بھی اِلٰی یوم القیامہ رہے گا۔ جن پر قیامت قائم ہوگی اور وجود مومنین متبعین بھی جو کفار پر وقت قیام قیامت غالب رہیں گے رہے گا اور نزدیک قیام قیامت کے کچھ قبل اسکے ریح طیّبہ سے مومنین اٹھائے جاویں گے اس میں کوئی تناقض نہیں۔ ثانیاً یہ گذارش ہے کہ سلّمنا کہ آیت عام مخصوص البعض ہے اور احادیث صحیحہ مثل لا تقوم الساعة الاعلی شرار الخلق وغیرہ اس کی مخصص ہیں لیکن چونکہ آیت مستغرق تھی کل افراد زمانوں کے واسطے اور حدیث خاص ہے واسطے وقت قیام ساعت کے پس یہ احادیث خاص اس آیت عام کی مخصص ہو گئیں لیکن اس تخصیص سے مدعا کو کیا فائدہ ہوا مانا کہ آیت مخصوص البعض ہے لیکن بعد اس تخصیص کے بقیہ افراد ازمنہ کو جس میں مسیح بن مریم کا زمانہ بھی داخل ہے شامل رہے گی اور شمول و عموم اس کا زمانہ مسیح بن مریم کے واسطے حجت رہے گا کتب اصول میں یہ مسئلہ مصرح کیا گیا ہے حصول المأمول مؤلفہ حضرت نواب صاحب بہادر مرحوم و مغفور کی عبارت یہاں پر نقل کی جاتی ہے۔ و اما اذا کان التخصیص بمبین فقد اختلفوا فی ذلک علی اقوال ثمانیة منها انه حجة فی الباقی و الیه ذهب الجمهور و اختاره الآمدی و ابن الحاجب و غیرهما من محققی المتأخرین و هو الحق الذی لا شک فیه و لا شبهة لان اللفظ العام کان متناولا للکل فیکون حجة علٰی کل واحد من اقسام ذالک الکل و نحن نعلم بالضرورة ان نسبة اللفظ اِلٰی کل الاقسام علی السویة فاخراج البعض منها بمخصص لا یقتضی اهمال دلالة اللفظ علی مابقی و لا یرفع التعبد به و قد ثبت عن سلف هذه الامة و من بعدهم الاستدلال بالعمومات المخصوصة و شاع ذٰلک و ذاع و قد قیل انه مامن عموم الا و قد خص و انه لا یوجد عام غیر مخصص فلو قلنا انه غیر حجة فی مابقی للزم ابطال کل عموم و نحن نعلم ان غالب هذه الشریعة المطهرة انما تثبت بعمومات۔ پس اس تخصیص سے کہاں ثابت ہوتا ہے وہ دعویٰ کہ مسیح بن مریم کے وقت میں سب اہل ملل و نحل اسلام میں داخل ہو جاویں گے **قولہ** یہ آیت بھی عام مخصوص البعض ہے الخ **اقول** حسب قواعد علم اصول فقہ کے جو عام و خاص میں بظاہر ایک قسم کا

﴿۱۵۷﴾ تعارض ہوا کرتا ہے لہٰذا واسطے توفیق کے عام کو عام مخصوص البعض کر لیا کرتے ہیں۔ اور واضح ہو کہ تعارض کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ ہر دو اَدِلّہ بہمہ وجوہ درجہ مساوی پر ہوں یہ مسئلہ بھی کتب اصول میں مبین ہے۔ پس اب گذارش یہ ہے کہ آیت لیؤمنن به قبل موته بچند وجوہ ذوالوجوہ ٹھہر چکی ہے تو اندریں صورت کیونکر مخصص ہو سکتی ہے اُس آیہ کے جو ذوالوجوہ نہیں یعنے مثلاً یہ آیت فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ [1] اور اگر تخصیص بھی مابین ان دونوں آیتوں کے تسلیم کی جاوے تو چونکہ آیت وان من اهل الكتب عام تھی اور آپ بھی اسکے عموم کے واسطے ایک زمانہ کے قائل ہیں اور آیت فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وغیرہ کا مخصوص خاص ہے کہ الخاص مادل علٰی کثرة مخصوصة. تو اندریں صورت خاص یعنی آیت ثانی عام یعنے آیت اوّل کی مخصص ہووے گی نہ برعکس کہ عکس القضیہ ہوا جاتا ہے کما مرّ۔ **قوله** اسی واسطے اس آیہ کو قطعی الدلالة لذاتها نہیں کہا گیا۔ **اقول** جب کہ جناب والا بسبب ذوالوجوہ ہونے کے آیت تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا [2] کو قطعی الدلالت لذاتها نہیں کہتے تو پھر آیت لیؤمننّ به قبل موته کو کیوں قطعی الدلالت فرماتے ہو کیونکہ آیت لیومنن به قبل موته بہ نسبت لفظ کہل کے زیادہ تر ذوالوجوہ ہے اول تو ضمیر بہٖ میں روایتاً و درایتاً بہت سا کچھ اختلاف ہے پھر ضمیر قبل موته میں اختلاف کثیر ہے پھر لفظ اہل کتاب میں بھی بہت اختلاف ہے پھر یہ آیت کیونکر قطعی الدلالت ہوگئی اور وہ نہ ہوئی لان هذا ترجيح بلا مرجح۔ اور دلیل کی دو قسمیں جو باعتبار دلالت کے آپ کرتے ہیں۔ ایک قطعی الدلالت فی نفسها اور دوسری قطعی الدلالت لغیرها یہ ایک اصطلاح جدید ہے جو دوسرے پر حجت نہیں کما مرّ غير مرّة۔ **قوله** مسلّم ہے کہ آیت اِنِّی مُتَوَفِّيْكَ الخ **اقول** آپ خود قسطلانی سے نقل فرما چکے ہیں کہ التوفّی اخذ الشیء وافیا والموت نوع منه اس سے معلوم ہوا کہ موت میں بھی اخذ شیء وافیا ہوا کرتا ہے کیونکہ والموت نوع منه۔ **قوله** آپ کو نزول عین عیسیٰ بن مریم سے الخ **اقول** مولانا مجھ کو یہ افسوس آتا ہے کہ آپ ہمیشہ وعدہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اگر مباحثہ کروں گا۔ تو بعد دیکھنے تمام ازالہ اوہام کے لیکن افسوس یہ ہے کہ آپ نے ازالہ اوہام کو اول سے آخر تک مطالعہ نہ فرمایا۔ سرسری طور پر دو ایک مقام دیکھ لئے اور مباحثہ قائم کر لیا جسکا انجام یہ ہوا کہ بہت سے امور کی بحث آپکی جانب سے ایک تکرار بے سود رہی۔ ازالہ اوہام اگر آپ مطالعہ فرماویں تو جناب کو صدہا صوارف ایسے قوی مل جاویں کہ معنے حقیقی ابن مریم کے ان صوارف کی وجہ سے ہرگز نہیں لے سکتے۔ مثلاً ایک صارف یہ ہیچمدان سابق لکھ چکا کہ خود صحیحین کی حدیث میں اس مسیح بن مریم کی صفت وامامكم منكم واقع ہے اور صحیح مسلم میں باسانید صحیحہ

[1] المائدة: ۱۵ [2] المائدة: ۱۱۱

﴿۱۵۸﴾ **فامکم منکم** بھی ہے جو سب احتمالات کو قطع کرتا ہے **کمامرّ سابقا قولہ** اس حدیث کو قطعی الدلالت نہیں کہا گیا صرف تائید کے لئے لائی گئی ہے **اقول** جب کہ اس حدیث کی معارض احادیث متفق علیہ موجود ہیں تو پھر یہ حدیث بمقابلہ احادیث متفق علیہ کے ساقط رہے گی پھر تائید کے کیا معنے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ درصورت عدم مخالفت وتعارض احادیث متفق علیہ کے بھی فی نفسہ وہ حجت نہیں ہوسکتی ہے۔ **کمامرّ قولہ** آپ وہ حدیث صحیح مرفوع متصل الخ۔ **اقول**۔ آپ ملاحظہ فرمائیے ازالہ اوہام اور نیز جو اس میں افادات البخاری لکھے ہیں ان کو مطالعہ فرمائیے تاکہ مخالفت تعلیم قرآن بھی ثابت ہوجاوے۔ **وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ۔**

تمّت

====================

مولوی محمد بشیر صاحب کے پرچہ ثالث پر سرسری نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا محمّد واٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اجْمَعِیْنَ وَ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ۔ امابعد واضح خاطر عاطر ناظرین منصفین ہو کہ پرچہائے ثلاثہ مولوی صاحب کے جوابات حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف سے ایسے شافی وکافی دیئے گئے ہیں کہ اب حاجت جواب دینے کی باقی نہیں رہی کیونکہ مولانا صاحب نے اس پرچہ ثالث میں بھی اعادہ انہیں ابحاث کا کیا ہے جن کا جواب حضرت اقدس کی طرف سے مکرر ہوچکا لیکن چونکہ مولوی صاحب کی طرف سے مکرر سہ کرر درخواست مباحثہ از ہیچمدان اس اقرار سے واقع ہوئی کہ اگر مجھ کو اس مسئلہ متنازعہ فیہا کا حق ہونا اب بھی ثابت ہوجاوے گا تو میں بالضرور قبول کرلوں گا۔ لہٰذا ادھر سے بھی اظہاراً للحق والصواب جوابہائے شافی وکافی بامید مضمون **اذا تکرر تقرر** کرکے مکرر سہ کرر دیئے جاتے ہیں شائد کہ مولانا صاحب حسب اقرار خود اس حق کو قبول فرمالیں۔ اول میں ان تمام احادیث کا فیصلہ قطعی مجملاً چند سطور میں کرنا چاہتا ہوں جو اس وقت بعض سائلین نے پیش کی ہیں بعدہٗ جواب بطور قولہ واقول کے اس پرچہ ثالث کا لکھا جاوے گا۔ **فیصلہ** بعض احادیث متفق علیہ دربارہ نزول مسیح بن مریم ساتھ قید **منکم** کے وارد ہیں چنانچہ **و امامکم منکم** اور صحیح مسلم میں **فامّکم منکم** یعنی **امّکم بکتاب اللّٰہ و سنۃ رسولہ**۔ اب جس قدر احادیث کہ اس قید سے مطلق آئی ہیں خواہ ہزاروں ہی ہوں وہ سب احادیث

مطلقہ اس مقید پر محمول کی جاویں گی کیونکہ قاعدہ مجمع علیہ علم اصول کا ہے کہ مطلق مقید پر محمول ہوا کرتا ہے ﴿۱۵۹﴾
ارشاد الفحول میں لکھا ہے جس کی تلخیص حضرت نواب صاحب بہادر مرحوم ومغفور نے ان الفاظ سے کی ہے۔ الثانی ان یتفقا فی السبب و الحکم فیحمل احدھما علی الأخر اتفاقا و بہ قال ابوحنیفۃ و رجح ابن الحاجب و غیرہ ان ھذا الحمل ھو بیان للمطلق ای دال علٰی ان المراد بالمطلق ھو المقید وقیل انہ یکون نسخا و الاول اولٰی و ظاھر اطلاقھم عدم الفرق بین ان یکون المطلق متقدما او متأخرا او جھل السابق فانہ یتعین الحمل۔ اور اگر کوئی کہے کہ مسیح بن مریم پر تعریف مطلق کی کب صادق آتی ہے جو اس میں تقید جاری ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت اقدس نے ازالہ میں اور نیز اخیر پرچہ ثالث میں اس بات کو بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ احادیث میں جو مسیح بن مریم مذکور ہے اس سے مراد مثیل مسیح ہے نہ عین عیسٰی بن مریم۔ چنانچہ آخر پرچہ ثالث میں تحریر فرماتے ہیں کہ اطلاق اسم الشیء علٰی مایشابھہ فی اکثر خواصہ و صفاتہ جائز حسن تفسیر کبیر صفحہ ۶۸۹۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ مثیل مسیح کے مطلق ہونے میں کچھ شک نہیں جس کی تقیید ساتھ منکم کے احادیث متفق علیہ سے ثابت ہو چکی اور جس قدر احادیث مطلقہ واقع ہیں وہ سب محمول اس مقید پر ہو گئیں فیصلہ شد + اب ایک خواب جو مولانا صاحب نے دیکھا ہے اور وہ بشری ہے واسطے اطلاع و آگہی ناظرین کے لکھا جاتا ہے تا کہ مولانا صاحب اس مباحثہ میں اس خواب کی تعبیر کو بھی ملحوظ نظر رکھیں۔

خواب مولانا محمد بشیر صاحب

بتاریخ ۱۶۔ ربیع الثانی مولوی عبدالکریم صاحب ساکن پاترہ نے ہیچمدان سے بیان کیا کہ مولانا محمدؐ بشیر صاحب نے خواب ذیل کو مجھ سے بیان کیا۔ کہ اندر مکان کے میں کھانا کھا رہا ہوں اور جسم پر لباس کسی قدر نہیں ہے اس اثناء میں معلوم ہوا کہ ڈپٹی امداد علی صاحب مرحوم آئے ہیں میں نے چاہا کہ ان کا استقبال مکان کے باہر سے ہی کروں۔ استقبال کے واسطے باہر کو آیا تو دیکھا کہ ڈپٹی صاحب ممدوح دروازہ صدر سے اندر آ گئے ہیں میں نے معانقہ کرنے کا قصد کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم سے کیا معانقہ کریں تمہاری حالت و ہیئت تو جنوں کی سی ہو رہی ہے۔ میں نے چاہا کہ کچھ جواب اس کا دوں لیکن ان کے لحاظ سے کچھ جواب نہیں دیا اور صرف یہ کہا کہ ہم سے قصور ہوا معاف کیجئے پھر ڈپٹی صاحب سے معانقہ ہو گیا فقط تعبیر اس خواب کی یہ احقر کچھ نہیں دیتا مولوی صاحب اس خواب کے مضمون پر خود غور فرماویں وبس۔ وَ الْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ۔

﴿۱۶۰﴾ **قولہ** اول یہ کہ آپ قبل ادعائے مسیحیت براہین احمدیہ میں اقرار حیات مسیح کا کر چکے ہیں الخ۔**اقول**۔ ادعائے مسیحیت بطور روحانی براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے اور ازالہ اوہام وغیرہ میں بھی وہی دعویٰ ہے کوئی دعویٰ جدید نہیں۔ آگے رہا اقرار حیات مسیح سو وہ بطور منطوق کے براہین میں نہیں لکھا گیا۔ ہاں البتہ مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا لکھا ہے جس سے حیات مسیح بطور مفہوم کے لازم آتی ہے اور یہ مسئلہ مقررہ علم اصول کا ہے کہ لازم القول یا لازم المذہب کا مذہب ہونا ضروری نہیں۔ معہذا اس سے جناب کو کیا فائدہ ہوا کیونکہ مانا کہ حضرت مرزا صاحب کو حیات مسیح کا اقرار تھا لیکن جب کہ بسبب عدم وجدان دلیل کے حیات مسیح پر حضرت مرزا صاحب حیات مسیح سے دستبردار ہوگئے اور دعویٰ حیات ثابت نہ ہوا تو وفات مسیح خودبخود ثابت ہوگئی کیونکہ حیات و وفات میں کوئی واسطہ نہیں ہے مگر اس صورت میں بار ثبوت حضرت کے ذمہ کہاں رہا۔**قولہ**۔ خاکسار ایک سوال کرتا ہے الیٰ آخرہ۔ **اقول**۔ مولانا صاحب نے اس جگہ پر بہت سی شقوق بطور منطقین کے جاری فرمائیں۔ مگر دانست ناقص میں طول عبث کیا ہے۔ لہٰذا جواب اس کا مختصر لکھا جاتا ہے۔ اوّل ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ خیال وفات مسیح بعد اس الہام کے پیدا ہوا ہے اور تسلیم کیا کہ الہام سے پہلے اس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا مگر اس جدت سے حضرت مرزا صاحب ایسے مدعی نہیں ہوسکتے جس کے ذمہ بار ثبوت ہو تقریر اس کی وہی ہے کہ حضرت نے حیات پر کوئی دلیل اور ثبوت نہ پایا تو اس دعوے یا اقرار سے دستبردار ہوئے اور جب کہ اقرار حیات سے دستبردار ہوئے تو بجز وفات کے اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اجتماع الضدین و ارتفاع الضدین محالات سے ہے پس اس تقریر سے کسی طرح پر بار ثبوت حضرت اقدس کے ذمہ نہیں ہوا اور وفات خودبخود ثابت ہوگئی۔ اب ہم اس شق کو بھی اختیار کرتے ہیں کہ قبل الہام سے بھی یہ خیال وفات تھا مگر اس کا یقین نہیں تھا اور بعد الہام کے یقین وفات ہوگیا اور یہ بھی تسلیم کرلیا کہ مفید یقین اس وقت میں الہام ہوا جس کی تائید نصوص نے بھی کی اور اس وجہ سے کہ اکثر لوگوں کو ملہم ہونا حضرت اقدس کا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا اور ان کے لئے الہام حجت بھی نہیں تھا لہٰذا حضرت اقدس نے سنت اللہ و آیات قرآن مجید سے اس یقین کو ثابت کر دکھایا تاکہ مخالفین اور منکرین الہام پر بھی حجت ہو جاوے اب مخالفین کو لازم ہے کہ یا تو ان نصوص و آیات کا جواب شافی دیویں ورنہ وفات مسیح کو تسلیم کریں پھر بعد تسلیم وفات مسیح کے مسیح موعود ہونے کی بحث ہوسکتی ہے **قولہ** سوم اس مقام پر نصوص قرآنیہ قطعی طور پر الخ۔ **اقول** یہاں پر بھی دو شقیں منطقین کے طور پر جاری فرمائی گئی ہیں لیکن حاصل ان کا کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ نصوص

قرآنیہ قطعی طور سے وفات مسیح پر دلالت کرتی ہیں۔اور جو فساد اس شق پر بیان کیا گیا ہے اسکی نسبت ہم ﴿۱۶۱﴾
بھی مولوی صاحب سے یہاں پر صرف ایک سوال کرتے ہیں تا کہ طول لازم نہ آوے جو اس سوال کا
جواب مولوی صاحب دیویں وہی جواب حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف سے تصور فرماویں۔
سوال یہ ہے کہ قرآنیّت ہر دو سورتوں معوّذتین کی قطعی طور پر آپ کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں بر تقدیر
ثانی آپ اس کا اشتہار دیں کہ میرے نزدیک یعنی مولوی صاحب کے نزدیک معوّذتین قطعی قرآن
نہیں ہیں اور بصورت شِق اول لازم آتا ہے کہ آپ کے نزدیک وہ صحابہ جنہوں نے ان ہر دو
سورتوں کے قرآن ہونے کا انکار کیا تھا نعوذ باللہ کافر ہوں۔ کیونکہ منکر قرآن متواتر کا جو قطعی اور یقینی
ہے کافر ہوتا ہے **فماهو جوابكم عنه فهو جوابنا۔ قوله** چہارم آپ نے جو تعریف مدعی کی
بیان کی ہے الخ **اقول** تعریف مدعی کی حضرت مرزا صاحب نے محض اپنی رائے سے نہیں بیان کی بلکہ
فقہاء اور محدثین اور نظار جو تعریف مدعی کی بموجب اپنی اپنی اصطلاح کے کرتے ہیں اس کی
تشریح اور توضیح بطور سِرّ اور گُر کے بیان کی ہے اور قرآن مجید سے بھی مستنبط ہے **و کیف لا**۔
وكل العلم فى القرآن لكن تقاصر عنه افهام الرجال اس مقام پر مولانا صاحب نے
کتاب الاقضیہ والشہادات کتب حدیث کو اور کتاب الدعویٰ کتب فقہ کو اور تمام آیات مخاصمہ وآیت
مداینہ قرآن مجید کو غور و امعان سے نظر نہیں فرمایا جو ایسا کچھ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سہی کوئی قول کسی صحابی
یا تابعی یا کسی مجتہد یا کسی محدث یا فقیہ کا اسکے ثبوت کیلئے پیش کیجئے **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ** اگر
مولوی صاحب کا اس فرمانے سے یہ مطلب ہے کہ جس عبارت اردو میں حضرت اقدس نے تعریف
مدعی کی بیان کی ہے وہ کہیں مذکور نہیں تو البتہ یہ فرمانا مولانا صاحب کا کسی قدر درست اور راست
ہے فی الحقیقت یہ عبارت اردو کی جو حضرت اقدسؑ نے تعریف مدعی میں بیان کی نہ قرآن مجید میں
مذکور ہے اور نہ کسی حدیث میں اور نہ کتب فقہ عربیہ میں کہیں لکھی ہے کیونکہ وہ عربی زبان میں ہیں اور
بعینہا یہ الفاظ تو شائد کسی کتاب فقہ اردو میں بھی نہ نکلیں گے۔لیکن اس بنا پر تو جناب مولوی صاحب کا
سب وعظ و پند جو اردو میں ہوا کرتا ہے وہ بھی کہیں مذکور نہیں اندریں صورت وہ سب وعظ و پند محض
رائے جناب کی ہوئی جاتی ہے **ماهو جوابكم فهو جوابنا** اور اگر یہ مطلب نہیں صرف مطلب سے
مطلب ہے تو لیجئے زیادہ طوالت تو اس تحریر مختصر میں کیا کی جاوے صرف بحوالہ حجت اللہ مولانا شاہ ولی اللہ
صاحب ایک حدیث کی شرح لکھے دیتا ہوں۔ **قال صلعم لويعطى الناس بدعواهم لادعى الناس
دماء رجال واموالهم ولكن البينة للمدعى واليمين على المدعى عليه فالمدعى**

﴿۱۶۲﴾ ھو الذی یدعی خلاف الظاھر ویثبت الزیادۃ والمدعی علیہ ھو مستصحب الاصل والمتمسک بالظاھر ولا عدل من ان یعتبر فیمن یدعی بینۃ فیمن یتمسک بالظاھر و یدرأ عن نفسہ الیمین اذالم تقم حجۃ الاٰخرو قد اشار النبی صلعم الٰی سبب مشروعیۃ ھذا الاصل حیث قال لویعطی الناس الخ یعنی کان سببا للتظالم فلا بدمن حجۃ انتھٰی ۔ ایہاالناظرین اب ملاحظہ فرماؤ کہ جوتعریف اورفلاسفی مدعی ہونے کی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حکیم امت نے عربی عبارت میں بیان فرمائی اس کا مطلب وہی ہے جوحضرت اقدس نے اردو میں بیان فرمایا یا کچھ اور ہے۔ بَیِّنُوا تُوجروا **قولہ** پنجم یہ تعریف مدعی کی الخ۔ **اقول** ہم پہلے ثابت کر چکے کہ رشیدیہ میں قید من حیث انہ اثبات بالدلیل او التنبیہ اسی بیان کا مجمل ہے جس کو حضرت اقدس نے شرح فرمایا ہے۔ فتذکروا۔ اور عصام الملۃ والدین کی مراد بھی وہی ہے جو رشیدیہ سے ثابت ہو چکی۔ پس جو تعریف مدعی کی حضرت اقدس نے لکھی ہے بالکل مطابق ہے اس تعریف کے جو علم مناظرہ میں لکھی ہے- علاوہ بریں یہ کہ اس مباحثہ میں جناب والا مدعی ہو چکے ہیں۔ مع ھٰذا اندریں صورت حضرت اقدس اس مباحثہ حیات وممات میں مدعی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ **قولہ** آپ نے توضیح المرام اور ازالہ اوہام میں اس امر کا اقرار کیا ہے الخ۔ **اقول**۔ اگر حضرت اقدس نے بموجب قول ابوالدرداء کے لایفقہ الرجل حتّٰی یجعل للقراٰن وجوھا ضمیر قبل موتہٖ کی طرف حضرت عیسٰیؑ کے راجع کی ہے تو اس صورت میں آیت کی تفسیر وہ ہوگی جو ازالۃ الاوھام میں لکھی ہے اُس کو ملاحظہ فرمایئے پھر آپ کا مدعا ہر طرح پر کیونکر ثابت ہوگا۔ یہ کیا ضرور ہے کہ درصورت ارجاع ضمیر موتہٖ کی طرف حضرت عیسٰیؑ کے وہی معنے ہوں جو آپ کے نزدیک ہیں۔ غایۃ الامر یہ ہے کہ اس صورت میں جو معنے مورد اعتراض آپ کرتے ہیں وہ بھی ایک احتمال ضعیف کے طور پر ہو سکتے ہیں اندریں صورت آپ کے معنے قطعی کیونکر ہو جاویں گے اذاجاء الاحتمال بَطَلَ الاستدلال مثل مشہور ومقبول ہے۔ باقی جناب کے کل قول کا جواب شافی وکافی حضرت اقدس نے ایسا دیا ہے کہ خوبی اُس کی انصاف ناظرین منصفین پر موقوف ہے مگر اس کا کیا علاج ہے کہ نہ آپ اس کو قبول کریں اور نہ جواب شافی دیں۔ **قولہ** ۔ خود آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ۔ الخ۔ **اقول** ہرگز ہرگز صریح نہیں بلکہ ذوالوجوہ ہے کما مرّ بیانہ. **قولہ** رہی یہ بات کہ بعض مفسرین نے الخ۔ **اقول** یہ التباس حق کا ساتھ غیر حق کے کیا گیا ہے کیونکہ جب ضمیر قبل موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع

﴿۱۶۳﴾ ہوگی تو سوائے معنے مضارع کے جو دونوں زمانوں حال و استقبال کو شامل ہے۔ اور کیا معنے ہوں گے اور جملہ تفاسیر میں ضمیر قبل موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع کی ہے حتیٰ کہ جلالین جو اخصر التفاسیر ہے اس میں بھی اول قول یہی لکھا ہے کہ ضمیر قبل موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع ہے پھر اور تفاسیر کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ پھر کوئی اہل علم ایسی بات منہ سے نکال سکتا ہے کہ حال و استمرار کے معنے یہاں پر غلط محض ہیں۔ اور اگر حضرت اقدس نے اس تقدیر پر بھی معنے استقبال کا مراد ہونا ممکن فرمایا ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ حال و استمرار کا مراد ہونا باطل ہے ایک وجہ کی امکان صحت سے دوسری وجوہ کا ابطال کیونکر لازم آ گیا۔ **قولہ** بلکہ یہ خروج بقول آپ کے آپ پر لازم آ گیا الخ **اقول** مولانا آپ نے ضرور اس شرط کا خیال و لحاظ نہیں کیا اور حضرت اقدس نے اس شرط کو پورا کر دیا کیونکہ نون ثقیلہ کا جو استعمال صحیح صحیح تھا اس کو بھی قرآن مجید سے ہی ثابت کر دیا اور جناب نے بمقابلہ قرآن مجید کے غیر کتاب اللہ وسنت رسول کی طرف رجوع کیا اور اقوال اور فہم رجال سے جو خود بموجب آپ کے اقرار کے حجت نہیں استدلال کیا۔ اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۶ سے جو جناب نے حضرت اقدس کو الزام دیا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے بچند وجوہ۔ اما اولاً آنکہ ازالہ اوہام کی تقریر کے وقت آپ کب مخاطب تھے اور **فیمابین** جناب اور مرزا صاحب کے ازالہ اوہام کی تحریر کے وقت یہ شرط کب ہوئی تھی کہ **قال اللّٰہ** اور **قال الرسول** سے باہر نہ جاویں گے۔ یہ شرط تو آپ سے اس مباحثہ میں ہوئی ہے۔ اور ازالہ اوہام جواب ہے سب مخالفین مختلف طبائع کا ہر شخص کو اس کے فہم کے بموجب الزام اور جواب دیا گیا ہے پھر اس مباحثہ میں یہ نقض و اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔ اما ثانیاً آنکہ حضرت اقدس نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۲ میں کس نحوی کے قول سے استناد کیا ہے وہاں پر بھی محاورہ قرآن مجید سے یہ بات ثابت کی ہے کہ قَالَ صیغہ ماضی کا ہے اور اسکے اول میں اِذْ موجود ہے جو تمام محاورات قرآن مجید میں واسطے ماضی کے آتا ہے۔ پس عبارت مندرجہ صفحہ ۶۰۲۔ ازالہ میں غیر اللہ کے کلام سے کب استدلال کیا ہے **بیّنوا توجروا**۔ مولانا یہی تو حضرت اقدس کا کمال ہے جو دوسرے میں نہیں پایا جاتا کہ ہر ایک مطلب کو قرآن مجید سے ہی استخراج و استنباط فرماتے ہیں **صدق اللّٰہ تعالیٰ** لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ[1] **قولہ** آپ ایسی باتیں کرتے ہیں الخ۔ **اقول** یہ تو آپ کا ہی مغالطہ ہے نہ حضرت اقدس کا ورنہ آپ پر لازم ہے کہ جن آیات میں آپ نے معنے استقبال کے لئے ہیں۔ اس استقبال کی تصریح یا تو قرآن مجید سے

[1] الانعام:۶۰

یا حدیث صحیح سے یا قول صحابی سے ثابت کریں اور اس آیہ کو آپ بھی تو پیش نظر رکھیں کہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ[1] **قولہ** یہ بات بھی آپ کی سراسر مغالطہ دہی پر مبنی ہے الخ۔ **اقول** جناب نے بغیر سوچے اور تامل کئے اس مغالطہ کو جس کے مسند الیہ آپ ہی ہیں۔ حضرت اقدس کی طرف نسبت کیا ہے بیان اس کا یہ ہے کہ جو علماء عارف باللہ اور مؤید من اللہ ہوتے ہیں وہ بتائید روح القدس جملہ علوم کا استخراج قرآن مجید سے کر سکتے ہیں۔ **قال اللّٰہ تعالٰی:** لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ[2] **وایضاً قال اللّٰہ تعالٰی** وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[3] **وایضًا قال اللّٰہ تعالٰی :** وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[4] اور علماء ظاہر کو یہ بات نصیب نہیں ہو سکتی ان کو البتہ اشد احتیاج طرف علوم رسمیہ اور فنون درسیہ کی ہوتی ہے یہ مسئلہ اپنے محل پر ثابت کیا گیا ہے اور کافی و کامل طور پر آیت کے معنے کا کھل جانا اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت مل جانا ثابت ہو گیا اب اس کا کوئی اہل علم انکار نہیں کر سکتا اور کوئی قاعدہ نحو یہ اجماعیہ آپ نے ایسا بیان نہیں فرمایا جس کا ادھر سے انکار کیا گیا ہو۔ اور نون ثقیلہ کا حال تو آپ کو معلوم ہو چکا اور اب یہ بھی سنا جاتا ہے کہ سابق میں جس قدر رشدّ و مدّ سے نون ثقیلہ کی بحث طلبہ کے روبرو بیان فرمایا کرتے تھے اب اس نون ثقیلہ کا نام تک نہیں لیا جاتا۔ مثل مشہور ہے **جولة غير الحق ساعةً وجولة الحق الى الساعة** اور حضرت اقدس نے کسی علم میں آپ سے الزام نہیں کھایا۔ تمام علوم رسمیہ اور فنون درسیہ کے رو سے جناب پر ہی الزام عائد ہو گیا ہے۔ **کما مرّ** ۔ اور ایسی باتیں کرنے سے جو آپکی یہ غرض ہے کہ حضرت اقدس کی ناواقفی علوم درسیہ سے لوگوں پر ثابت کریں یہ غرض ہرگز حاصل نہیں ہو گی۔ کیونکہ علاقہ پنجاب میں سب کو معلوم ہے کہ اوائل عمر میں سب مراحل اور جملہ منازل علوم درسیہ کے بھی آپ طے فرما چکے ہیں اور فی الحقیقت یہ سچ ہے کہ علماء ظاہر کو ان علوم سے چارہ نہیں پھر مع ھٰذا آپ نے جو علماء ظاہر میں سے ہیں ان علوم کو کیوں ترک فرما رکھا ہے۔ پس اگر جناب کو حضرت اقدس سے مباحثہ کرنا ہے تو پہلے ان دو کاموں میں سے ایک کام کیجئے اور اگر ایک بھی آپ قبول نہ کریں گے تو یہ امر اس بات پر محمول ہو گا جس کو آپ حضرت اقدس کی طرف منسوب فرماتے ہیں یا تو ان علوم درسیہ کی اجماعی باتوں کے تسلیم کرنے کا اقرار کیجئے یا بالفعل مناظرہ موقوف کر کے ایک ایک کتاب ایسے قاعدوں کی رائج و شائع کیجئے جیسا نون ثقیلہ کا قاعدہ جناب نے ایجاد فرمایا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہو کہ ان قواعد نو ایجاد کو سب علمائے اسلام ﴿۱۶۴﴾

[1] البقرة:۴۵ [2] الانعام:۶۰ [3] العنکبوت:۷۰ [4] الکھف :٦٦

قبول بھی کر لیں اور اگر سب علمائے اسلام نے قبول نہ کیا تو پھر ایسی ایجادوں سے کیا فائدہ ہوا۔ پس بموجب اس طریقہ کے جو جناب نے دربارہ نون ثقیلہ ایجاد کیا ہے کوئی عاقل کسی عاقل کو الزام نہیں دے سکتا جب آپ کسی علم میں ترمیم فرماویں گے تو دوسرا بھی ترمیم کر سکتا ہے **قولہ** اس کا جواب عامہ تفاسیر میں الخ۔**اقول** یہ کون کہتا ہے کہ عامہ تفاسیر میں اس کا جواب بطور تاویلات رکیکہ اور توجیہات ضعیفہ کے نہیں لکھا مطلب تو یہ ہے کہ قواعد نحو جو کتب درسیہ نحو یہ میں لکھی ہیں۔قراءت متواترہ اِنَّ ھٰذَانِ اس کے خلاف ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قواعد علوم تابع و خادم قرآن مجید ہیں۔اور قرآن مجید سب کا متبوع اور مخدوم پس جملہ علوم کو تابع قرآن مجید کا کرنا ضرور ہے نہ برعکس۔پس بمقابلہ و تعارض قرآن مجید کے کوئی قاعدہ ہو ساقط الاعتبار رہے گا۔**کما مر بیانہ۔ قولہ** یہ خطا فاحش ہے۔**اقول** یہ خطا فاش ہے کیونکہ اِنَّ ھٰذَانِ قراءت متواترہ کب ہے جو یوں لکھا جاتا کہ بجائے اِنَّ ھٰذَیْنِ کے اِنَّ ھٰذَانِ لکھا ہو اور لفظ فاش کو مولوی صاحب نے خلاف محاورہ فرس کے فاحش لکھا ہے یہ خطا فاش محاورہ فرس و نیز محاورہ اردو کے ہے۔**قولہ** یہ بات اگر قواعد اختلافیہ کی نسبت الخ **اقول** جو مضارع موکد بہ لام تاکید معہ نون تاکید کے ہووے اس کا استعمال التزاماً خالص استقبال کیلئے ہونا کسی ایک امام نحو نے بھی نہیں لکھا۔چہ جائیکہ اس پر اجماع ہو گیا ہو۔**ومن ادعی الان فعلیہ البیان** اور میزان الصرف وغیرہ کے حاشیہ میں لکھی ہونے سے اجماع ائمہ نحات کا ثابت نہیں ہو سکتا۔لہٰذا آپ کو ضرور ہے کہ جلد اشتہار اس بات کا دیویں کہ خالص استقبال کا مراد ہونا اور وہ بھی التزاماً ہر ایک صیغہ مضارع موکد بلام تاکید و نون تاکید میں جو ہم نے لکھا تھا اور اس کو منسوب باجماع ائمہ نحات کیا تھا وہ خلاف نفس الامر کے اور غیر صحیح تھا ہم نے اس سے رجوع کیا تاکہ کوئی آپ کا معتقد دروازہ الحاد کا نہ کھولنے پاوے۔**قولہ** سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ[1] **اقول**۔**التفاسیر المعتبرۃ تشھد بھا واللّٰہ الکریم**۔ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ[2] **قولہ** آپ ان اکابر کا مطلب الخ۔**اقول**۔آپ ہی ان اکابر مفسرین کا مطلب بالکل نہیں سمجھے **فافھم**۔**قولہ**۔توضیح المرام سے معلوم ہوتا ہے الخ **اقول**۔**ایّھا الناظرین** ذرا انصاف کرو اور برائے خدا، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر توضیح المرام کو بھی دیکھو اور ازالۃ الاوہام کو بھی ملاحظہ کرو کہ حضرت اقدس نے کس جگہ پر آیت **لیؤمننّ بہ قبل موتہٖ** کو وفات مسیح پر قطعی الدلالت یقینی یا صریح الدلالت لکھا ہے جو مولوی صاحب بطور معارضہ کے فرماتے ہیں کہ آپ کی یہ تقریر بادنیٰ تغیر آپ پر منعکس ہو جاتی ہے الخ ہاں البتہ اگر حضرت اقدس آیت **لیؤمننّ بہٖ قبل موتہٖ** کو وفات مسیح پر قطعی الدلالت فرماتے جیسا کہ مولوی صاحب اس آیہ کو حیات مسیح پر ﴿۱۶۵﴾

[1] النور: ۱۷ [2] الواقعۃ: ۷۷

﴿۱۶۶﴾ قطعی الدلالت فرماتے ہیں تو بالضرور جو الزام مولوی صاحب پر عائد ہے وہ حضرت اقدس پر بھی عائد ہو جاتا و اذ لا فلا آگے رہی یہ بات کہ کوئی ایسے معنے کسی آیت کے جو مفسرین سابقین پر مکشوف نہ ہوئے ہوں اور وہ حضرت اقدس مرزا صاحب پر مکشوف ہوں سو اس میں کوئی محذور لازم نہیں آتا کم ترک الاول للاٰخر مثل مشہور ہے کیونکہ یہ بات اپنے محل پر ثابت کی گئی ہے کہ معارف و اسرار قرآن مجید کے ایک خزائن لا انتہا ہیں جو وقتاً فوقتاً اولیاء اللہ اور علماء عارفین باللہ پر نازل ہوتے رہتے ہیں پچھلے مفسرین نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ جس قدر معارف و اسرار قرآن مجید کے تھے وہ سب ہم پر مکشوف ہو گئے اور اب آئندہ کوئی اسرار اور معارف باقی نہیں رہا۔ خصوصاً تفاصیل و تفاسیر ان پیشگوئیوں کی جو ابھی تک واقع نہیں ہوئیں ان کی نسبت تو سب کا یہ اقرار ہے کہ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ [1] قال اللّٰہ تعالٰی: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَاۗىِٕنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ [2] جب کہ ہر شے کی نسبت ایسا کچھ ارشاد فرمایا گیا تو قرآن مجید جو افضل الاشیاء ہے اس کے خزائن اسرار کا کیا ذکر ہے **قولہ** یہ طعن بادنیٰ تغیر آپ پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ **اقول** ۔ جوابہ مرّ انفا۔ **قولہ** اس عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے الخ۔ **اقول** ۔ جو معنے آیت **لیؤمننّ بہ قبل موتہٖ** کے آپ لیتے ہیں ان معنے کو تمام مفسرین محققین نے سوائے ابن جریر طبری **و من تبعہ** کے بطور مرجوح قول ضعیف قرار دیا ہے اور قول اول اور راجح یہی لکھا ہے کہ ضمیر **قبل موتہٖ** کی طرف کتابی کے راجع ہے اور مانا کہ دونوں احتمال مساوی درجہ پر ہیں اور پھر یہ بھی تسلیم کیا کہ آپ کے نزدیک قول مرجوح تو راجح ہے اور قول راجح مرجوح ہے لیکن مع ھذا ایک قول کو قطعی الدلالت کہنا باطل ہے **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** ۔ اور آیت **اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** بالضرور وفات مسیح میں صریح الدلالت ہے اور **توفّی** کے معنے میں سوائے وفات کے جو اور قول لکھے ہیں وہ غیر صحیح ہیں۔ اب اگر کہا جاوے کہ جب کہ تم نے آیت **لیؤمننّ بہ قبل موتہٖ** کو بسبب ذوالوجوہ اور ذو احتمالات ہونے کے متشابہ قرار دے دیا۔ اور تمہارے نزدیک صریح الدلالت نہ رہی تو پھر آیت **متوفّیک** اور **فلمّا توفّیتنی** بھی وفات مسیح میں صریح الدلالت نہ رہی کیونکہ وہ بھی ذوالوجوہ ہے اس واسطے کہ تفاسیر میں معنے **توفّی** کے سوائے موت کے اور کچھ بھی تو لکھے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ احتمال کی دو قسمیں ہیں ایک تو احتمال ناشی عن الدلیل ہوتا ہے اور دوم احتمال غیر ناشی عن الدلیل۔ احتمال ناشی عن الدلیل مقبول ہوتا ہے اور جس

[1] البقرۃ: ۳۳ [2] الحجر: ۲۲

کلام میں احتمال ناشی عن الدلیل پیدا ہو وہ کلام بالضرور ایک وجہ پر قطعی الدلالت نہیں رہتا۔ اور جو احتمال غیر ناشی عن الدلیل ہے وہ عند اولی الابصار ساقط الاعتبار ہوتا ہے۔ اگر ایسے احتمالات بعیدہ کا لحاظ کیا جاوے تو ہم کو ضروریات دین کا ثابت کرنا بھی مشکل ہو جاوے گا تفاسیر میں سب طرح کے اقوال ضعیفہ و رکیکہ و روایات موضوعہ مندرج ہیں اگر ان سب روایات موضوعہ اور اقوال رکیکہ کو تسلیم کیا جاوے تو پھر شرع اسلام میں ایک بڑا غدر برپا ہو جاوے گا اور اگر کوئی کہے کہ توفّی کے معنوں میں سوائے وفات و موت کے جو دوسرا احتمال مفید مخالفین ہے وہ بھی ناشی عن الدلیل ہے۔ تو گذارش یہ ہے کہ ایسے مدعی پر لازم ہے کہ ثبوت اس احتمال کا دلیل سے ثابت کرے اور انعام ایک ہزار روپیہ کا جو حضرت اقدس نے ازالۃ الاوہام میں ایسے شخص کے واسطے مشتہر کیا ہے وہ طلب کرے بعد طے کرنے اس مرحلہ کے یہ بات زبان پر لاوے کہ معنے توفّی میں سوائے موت و وفات کے دوسرا احتمال بھی ناشی عن الدلیل ہے۔ و دونہ خرط القتاد **قولہ** نووی کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے الخ۔ **اقول** جب کہ نووی جیسے شارح حدیث نے یہ امر بدلیل ثابت کیا ہے کہ اکثر ائمہ تفسیر نے ضمیر موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع کی ہے تو قطعی الدلالت ہونے میں آیت مذکورہ کے درباره حیات مسیح کیونکر فرق نہ آوے گا۔ آگے رہا آپ کا جرح جو نسبت قطعی الدلالت ہونے آیت متوفّیک وغیرہ کے کیا ہے اس کا جواب مختصر ابھی اوپر گذر چکا ہے اور تفسیر ابن کثیر میں جو یہ قول نقل کیا ہے کہ المراد بالوفاۃ ھھنا النوم یہ جناب کو کچھ مفید نہیں کیونکہ یہ رائے ہے ایک مفسر کی غایۃ الامر یہ کہ ایک جماعت قلیلہ کی رائے ہے جو غیر پر حجت نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جو صحیح بخاری کی معارض ہے بالفعل ہم اس رائے پر یہ جرح کرتے ہیں کہ اگر مراد توفّی سے انامت ہوتی تو فَیُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰی کا مضمون واقع ہو جاتا یا اس کی نسبت کچھ ایسی تصریح ہوتی کہ یہ نوم ایک غیر معہود نوم ہے یہ کیسی نوم ہے کہ قریب دو ہزار برس کے گذر چکے اور ابھی تک فَیُرۡسِلُ الاخرٰی واقع نہیں ہوا کما مرّ بیانہ سابقًا اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے کسی جگہ پر آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ کو وفات مسیح میں قطعی الدلالت نہیں لکھا ومن ادعی فعلیہ تصحیح نقل قولہ۔ **قولہ** اور ایک ترجمہ کر کے اوراق کو بڑھایا ہے الخ **اقول** جب کہ اختلاف مع الدلیل ہے تو ثابت ہو چکا کہ منافی قطعیت ہے اور آیت اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ میں جو احتمال دوسرا معنے توفّی میں ہے وہ ناشی عن الدلیل نہیں لہٰذا وہ احتمال اس کے ﴿۱۶۷﴾

﴿۱۶۸﴾ قطعی الدلالت ہونے میں مضر نہیں ہوسکتا اور یہ چند مرتبہ گذر چکا کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ کو حضرت اقدس نے دربارہ وفات مسیح قطعی الدلالت کہیں نہیں لکھا **قولہ** اور تفسیر مظہری والے کا یہ تقول الخ **اقول** مولانا صاحب قول صاحب تفسیر مظہری کا اگر آپ کے نزدیک تقول تھا اور مخدوش تھا اور مخالف تھا عامہ تفاسیر کی تو کسی تفسیر سے اس کا مخدوش ہونا بدلائل ثابت کیا ہوتا بلاوجہ کسی مفسر کے قول مبرہن کو مخدوش اور تقول اور مخالف کہہ دینا دیانت اور انصاف کے خلاف ہے اور جو صارف معنے حال سے جناب نے نون ثقیلہ کو قرار دیا تھا وہ تو صارف رہا ہی نہیں پھر اگر کوئی طالب حق تفسیر مظہری کی طرف سے آپ کی خدمت میں یہ کہے کہ لام تاکید جو حال کے واسطے آتا ہے وہ صارف عن معنے الاستقبال ہے تو آپ اس کا کیا جواب دیویں گے اور طرفہ یہ ہے کہ جس تفسیر کی عبارت کو جناب نے دارمدار اپنے مباحثہ کا گردانا ہے اور مناط استدلال اس کو قرار دیا ہے اس عبارت میں خود جناب نے یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ **وقال الحسن البصری یعنی النجاشی و اصحابہ رواھما ابن ابی حاتم**۔ اب آپ ہی انصاف فرماویں کہ جب حال کے معنے آپ کے نزدیک محض باطل تھے تو جناب نے قول حسن بصری کو جو مناقض آپ کے مدعا کے ہے کیوں نقل فرمایا اور اس کا ابطال بدلیل کیوں نہیں کیا یہ کیا بات ہے کہ جس معنے کو التزاماً آپ مراد لیتے ہیں اس پر استدلال قول مناقض سے کیا جاوے۔ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ اور رواۃ اسناد قراءت ابی بن کعب کی جو تفسیر ابن کثیر میں درج ہیں اور جناب نے ان کی تضعیف کی ہے اور علم اسماء الرجال میں ہمہ دانی ظاہر فرمائی ہے اس کی نسبت یہ گذارش ہے کہ جناب کی تحریر میں خفیف بالفا لکھا ہوا ہے اور تقریب میں کسی جگہ خفیف کا ترجمہ نہیں لکھا اگر **خصیب** بصاد و با ہے تو جناب پر واجب تھا کہ اوّل تو بمقابل حضرت اقدس مرزا صاحب کے جو آپ کے نزدیک علم اسماء الرجال میں دخل نہیں رکھتے اور شائد اس علم میں حضرت اقدس کو توجہ والتفات نہ ہوا ہو کیونکہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ میں اس علم کو قشر علوم حدیث فرمایا ہے اندریں صورت آپ ثابت کرتے کہ **خصیب** تین ہیں جن میں سے یہاں پر **خصیب** بصیغہ تصغیر معین ہے اور یہ ترجمہ اس کا جو مراتب اثنا عشر سے مرتبہ خامسہ پر واقع ہے کہ بموجب علم اصول حدیث کے اس مرتبہ خامسہ کا فلاں حکم ہے مثلاً یہ کہ حدیث اس کی اس مرتبہ فلاں کی ہوتی ہے۔ **علٰی ھٰذَا القیاس**۔ عتاب بن بشیر کا مرتبہ بھی مراتب اثنا عشر سے مرتبہ خامسہ پر ہے پس بمقابلہ ہم جیسے طلبہ کے جو علم اسماء الرجال سے بے خبر ہیں اس قدر تو آپ پر ضرور واجب تھا کہ رواۃ مرتبہ خامسہ کا حکم علم اصول حدیث سے بیان فرما دیتے تا کہ یہ معلوم ہو جاتا کہ ایسے رواۃ مرتبہ خامسہ کی روایت سے جو کوئی قراءت آئی ہو اس سے تائید

کرنا کسی معنے قراءت متواترہ کا جیسا کہ تمام مفسرین محققین نے کیا ہے درست نہیں ہے اب تھوڑی سی ﴿۱۶۹﴾
گذارش اور ہے کہ **عتاب** بن بشیر سے بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی نے تخریج کی ہے جیسا کہ
تقریب میں بھی لکھا ہے کیا جناب کے نزدیک یہ عتاب ساقط الاعتبار ہے۔ آگے رہا **خصیب** جن
محدثوں نے اس سے تخریج کی ہے اس کو میں ابھی نہیں لکھتا کیونکہ تقریب میں بھی اس کے ترجمہ میں
اس مقام پر کچھ نہیں لکھا دیکھ رہا ہوں کہ آپ عتاب کی نسبت کیا جواب دیتے ہیں یا اس ناچیز پر عتاب
ہی عتاب فرماتے ہیں۔ **قولہ** عموماً یہ بات غلط ہے۔ **اقول** اس اسناد کی رواۃ میں علل ظاہرہ تو جناب
والا بیان فرما چکے لیکن علل خفیہ غامضہ سے اطلاع نہ فرمائی۔ شائد اس واسطے کہ ان کی پرکھ سوائے جناب
والا کے اور کسی کو حاصل نہیں اسی واسطے تمام مفسرین محققین نے اس قراءت سے بغیر تحقیق تائید معنے
قراءت متواترہ کے فرمائی ہے کیونکہ وہ ان علل خفیّہ غامضہ سے واقف نہ تھے اور جناب والا واقف
ہیں۔ **قولہ** ہاں دو قول مرجع ضمیر **قبل موتہٖ** میں البتہ منقول ہیں الخ **اقول** جب کہ حسب اقرار
جناب کے دو قول آیت کی تفسیر میں منقول ہیں اور یہ ثابت ہو چکا کہ تمام تفاسیر میں قول راجح بدلائل
یہی لکھا ہے کہ ضمیر **قبل موتہٖ** کی **کتابی** کی طرف راجع ہے تو پھر جو معنے جناب لیتے ہیں ان کی
قطعیت میں کیونکر فرق نہ آوے گا اور **ماھو جوابکم فھو جوابنا** جو ارشاد ہے وہ یہاں پر نہیں
ہوسکتا یہ تو قیاس مع الفارق ہے کیونکہ آیت **اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِی** میں احتمال مخالف
غیر ناشی عن الدلیل ہے یہ تو مقابلہ نص کا ہوا جاتا ہے۔ ساتھ قول کے بلکہ ترجیح قول کی اوپر نص کے
ہوئی جاتی ہے اور یہی تو تقلید ناجائز ہے جس کو ہم اور آپ مدت سے چھوڑے بیٹھے ہیں ذوالوجوہ
کلام میں خواہ کلام الٰہی ہو یا کلام رسول مقبول صلعم کسی معنے کو اقوال سے ترجیح ہوسکتی ہے اور نص کے
مقابل قول کی ترجیح درست نہیں کتب اصول فقہ مثل مسلم الثبوت وغیرہ کے یہ مسئلہ معتبر نہیں ہو چکا
ہے بسبب عدم فرق کرنے کے ان دونوں امروں میں جناب والا کو اس مقام پر دھوکا ہو گیا ہے ذرا
اس بارہ میں غور فرمایا جاوے پس ثابت ہوا کہ یہ قیاس جناب کا قیاس مع الفارق ہے **قولہ** یہ کذب
صریح ہے **اقول** صحیح بخاری سے ثابت ہو چکا ہے کہ ابن عباس وفات مسیح کے قائل ہیں۔ پس بحکم
قاعدہ اصول حدیث کہ صحیح بخاری مقدم ہے سب کتب حدیث پر **اصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ**
صحیح البخاری مسئلہ مسلمہ ہے پس سوائے اس کے جو قول مخالف ابن عباس کا ہے ساقط رہے گا پھر
گذارش یہ ہے کہ بعض ائمہ دیگر بھی مثل ابن اسحاق اور وہب وغیرہ کے وفات مسیح کے قائل ہیں اور جو
معنے اس آیت کے ابومالک نے کئے ہیں کہ **ذٰلک عند نزول عیسی بن مریم لایبقٰی احد من**

﴿۱۷۰﴾ اھل الکتاب الا من اٰمن بہٖ اس کو آپ فرما چکے ہیں کہ آیت سے یہ معنے یعنی وقت نزول ہرگز ثابت نہیں ہوتے اور حسن بصری کی طرف قبول ان معنے کا اسناد کرنا نہایت موجب تعجب ہے حسن بصری کا قول تو جناب نے یہ نقل کیا ہے یعنی النجاشی و اصحابہ اس قول میں معنے استقبال سے کیا نسبت یہ تو خاص حال ہو گیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو خود ان معنے کا قبول بطور شک کے فرماتے ہیں نہ مثل جناب کے کہ یہ آیت معنے مطلوب میں قطعی الدلالت لذا تہا ہے اور ابن کثیر سے جو جناب نقل فرماتے ہیں کہ یہ معنی بدلیل قاطع ثابت ہیں الخ۔ لہٰذا جناب سے مطالبہ دلیل قاطع کا ہے وہ دلیل قاطع بیان فرمائی جاوے۔ ؎ نگفتہ ندارد کسی با تو کار۔ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار آگے رہا کسی قول کا کسی کے نزدیک اولیٰ ہونا یا اصح ہونا سو یہ چیز دیگر ہے اور قطعی الدلالت ہونا چیز دیگر وشتّان بینھما پس تقریب دلیل جناب کی محض ناتمام ہے قولہ میں تو وہی معنے جو تمام صحابہ و تابعین وغیرہم سے الخ اقول۔ تمام صحابہ یا تابعین سے منقول ہونا ان معنی کا غیر صحیح ثابت ہو چکا اور آپ خود تسلیم فرما چکے کہ ہاں دو قول مرجع ضمیر قبل موتہٖ میں البتہ منقول ہیں انتھٰی قولکم پس ایسا کچھ فرمانا جناب کا اس اقرار کے مناقض ہے اور مسائل مستنبط کتاب وسنت کو مخترع فرمانا یہ ایک اختراع جدید ہے اور اہل لسان اپنی کلام میں ازمنہ ثلثہ کی تصریح کب کیا کرتے ہیں بلکہ عجم کے علماء اور غیر علماء بھی وقت تخاطب کے ایسی تصریحات نہیں کیا کرتے یہ صرف عجم کے اطفال وقت پڑھنے میزان منشعب کے پڑھا کرتے ہیں کہ فَعَلَ کیا اس ایک مرد نے بیچ زمانہ گذرے ہوئے کے صیغہ واحد مذکر غائب کا بحث اثبات فعل ماضی معروف کی۔ اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے جو زمانہ استقبال کو بھی تسلیم فرما کر معنے بیان فرمائے ہیں وہ تو یہ مضمون ہے کہ خصم را تا بدروازہ باید رسانید یہ جناب کو کیا مفید ہے اور یہ جو آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جن صحابہ نے ارجاع ضمیر کا طرف کتابی کے کیا ہے وہ خطا پر ہیں اگر آپ کی اس تخطیہ صحابہ کو سرسری طور پر تسلیم بھی کر لیا جاوے تو حضرت مرزا صاحب جو عاشق رسول مقبول اور فریفتہ محبت صحابہ صلعم ہیں ہرگز اس آپ کی بات کو تسلیم نہ کریں گے کہ وہ صحابہ قطعی غلطی اور باطل پر ہیں جیسا کہ آپ پرچہ اول میں فرما چکے ہیں کہ جتنے معنے اس کے ماعدا ہیں سب غلط اور باطل ہیں کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ [1] پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ یہ مقام استبعاد کا نہ ہو قولہ قراءت مذکورہ فی الواقع ضعیف ہے الخ اقول جب تک کہ حکم ترجمہ عتّاب بن بشیر اور خصیب کا بموجب علم اصول حدیث کے بیان نہ فرمایا جاوے اور یہ ثابت نہ کیا جاوے کہ ایسے رواۃ جو مرتبہ خامسہ میں واقع ہیں ان کی روایت سے جو قراءت آئی ہو اس سے تائید معنی قراءت کے درست نہیں تب تک یہ قول قابل قبول نہیں ہوسکتا کیونکہ تمام مفسرین محققین اس

[1] الکھف : ٦

قرآت کو واسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے لائے ہیں **قولہ** معنے مذکور کا فساد اس وجہ سے نہیں ہے ﴿۱۷۱﴾
الخ **اقول** جب کہ اس معنے کا فساد جو آپ کے معنے کے مخالف ہیں۔ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ مخالف ہو قاعدہ نحو کے تو پھر اور کس وجہ سے وہ فساد ہے بیان فرمایا جاوے ہم نے یہ بھی تسلیم کیا کہ آپ کے معنے قاعدہ نحو کے سراسر موافق ہیں لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دوسرے معنے جو حسب اقرار جناب کے مخالف قاعدہ نحو کے نہیں ہیں وہ فاسد اور باطل ہوں۔ یہ کیسا معما ارشاد فرمایا گیا ذرا سوچکر اور تامل فرما کر توضیح اس کی فرمائی جاوے **قولہ** پس اس قول کا کذب **کالشمس فی نصف النہار** ظاہر ہوگیا **اقول** یہ بات اپنے محل پر ثابت ہو چکی ہے کہ جب صرف اقوال رجال میں بحث آ کر پڑتی ہے تو لحاظ کثرت اقوال کا کیا جاتا ہے نہ قلّت کا پس اگر تمام جہان کی تفسیروں میں سے ایک تفسیر ابن جریر جناب نے پیش فرما دی اور ابن کثیر اس کا تابع ہوا تو اس سے قطعیّت معنے جناب کی کیونکر حاصل ہوگئی۔ ایک یا دو مفسرین تو ایک طرف اور تمام جہان کی تفسیریں دوسری طرف۔ اب آپ ہی انصاف سے فرماویں کہ کس کو ترجیح دی جاوے گی پھر اگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے بموجب مثل مشہور و مقبول **وللاکثر حکم الکل** کے ایسا کچھ ارشاد فرمایا کہ سب کے سب آپ ہی کے معنے کو ضعیف ٹھہراتے ہیں تو اس قول کا کذب **کالشمس فی نصف النہار** کیونکر ظاہر ہو گیا۔ **بحکم النادر کالمعدوم وللاکثر حکم الکل** کے یہ تو عکس القضیہ ہے اور پھر یہ سب مضمون اس صورت میں ہے کہ معنے مطلوب جناب کے نصوص کے متعارض نہ ہوتے درصورتیکہ یہ معنے متعارض نصوص بیّنہ کے ہیں تو پھر ابن جریر کے قول سے جس کا تابع ابن کثیر بھی ہو گیا ہے قطعیت آپ کے معنے کی اور بطلان دوسرے معنے کا کیونکر ثابت ہوسکتا ہے **بیّنوا توجروا** **قولہ** بالجملہ مقصود رفع مخالفت ہے نہ اثبات دعویٰ۔ **اقــــول** بڑے تعجب کی بات ہے جب آپ کے معنے پر کوئی بڑا فساد لازم آتا ہے تب آپ دعوے ہی سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور پھر بھی اپنے دعوے کو قطعی الثبوت فرمائے جاتے ہیں۔ جناب من اگر معنے قراءت متواترہ کے وہ کئے جاویں جو قراءت غیر متواترہ سے ثابت ہوتے ہیں تو پھر دعوے جناب پر اب کونسی دلیل باقی رہ گئی۔ مولانا رفع مخالفت جو آپ کیا کریں ذرہ سوچ کر اور تامل فرما کر کیا کریں وہ رفع مخالفت ہی کیا ہوا جس سے دعویٰ بالکل نیست و نابود ہو جاوے۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا[۱] **قولہ** سند میں جو جرح ہے وہ الخ **اقول** کوئی ایسی جرح جناب نے بیان نہیں فرمائی جس سے تمام مفسرین محققین کا اس قراءت غیر متواترہ

[۱] النحل : ۹۳

﴿۱۷۲﴾ کوواسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے لانا باطل ثابت ہوا اور اس کا جناب سے مطالبہ ہے **قولہ** تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر اس معنے کی صحت پر معترض ہیں **اقول** جواب اس کا مکرر سہ کرر گذر چکا۔ بھلا تیرہ سو برس کی تفاسیر اس قدر کثیر کا مقابلہ صرف ایک تفسیر ابن جریر و من تبعہ یعنے ابن کثیر کیا کرے گی **وللاکثر حکم الکل و النادر کالمعدوم** علاوہ یہ کہ اقوال مندرجہ ابن جریر معارض ہیں نصوص قرآن مجید اور حدیث شریف کے **فتسقط لا محالة قولہ** یہ محض غلط ہے الخ **اقول** یہ ثبوت **تعارض بین المعنیین** کی کیا عمدہ دلیل ارشاد ہوئی ہے سبحان اللہ مگر یہ تو ارشاد ہو کہ یہ تعارض کونسا ہے آیا صرف تعارض عرفی بمعنے متعدد کے ہے یا بمعنے تناقض منطقی کے۔ بشق اول حضرت مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں دو متعدد معنے جمع ہو سکتے ہیں مثلث مثلاً یہ معنے کہ ہر ایک اہل کتاب کو قبل موت عیسیٰ بن مریم کے یہ خیالات شک و شبہ صلب و قتل کے حضرت عیسیٰ بن مریم کی نسبت چلے آتے ہیں جو اس آیت کے اوپر مذکور ہیں اور ان کو ان شبہات کے ہونے پر یقین ہے اور یہ معنے کہ ہر ایک اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے اس بیان مذکورہ بالا پر ایمان و یقین رکھتا ہے کہ مسیح بن مریم یقینی طور پر صلب و قتل کی موت سے نہیں مرا اس کے قتل یا صلب کی نسبت صرف شکوک و شبہات ہیں **علیٰ ھٰذا القیاس** اور معانی جو حضرت اقدس نے ازالہ وغیرہ میں بہ سبب ذوالوجوہ ہونے آیت کے لکھے ہیں وہ متناقض نہیں جو باہم جمع نہ ہوسکیں۔ اور بشق ثانی ان دونوں معنوں میں تناقض ثابت فرمایا جاوے ورنہ حضرت مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ الہامی معنے ان معنوں کے مغائر نہیں بہت درست اور نہایت صحیح ہے۔ پھر سخت تعارض اور بین تخالف کیسا۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ درصورت ارجاع اس ضمیر کی طرف کتابی کے ہونے میں ہم نے ان دونوں معنی کا غیر متناقض ہونا ثابت کر دیا ورنہ جمع کیوں ہوسکتی **اجتماع النقیضین** تو درست ہے ہی نہیں اور حضرت مرزا صاحب یہ کب کہتے ہیں کہ ضمیر **قبل موتہٖ** کی طرف عیسیٰ بن مریم کے رجوع نہیں ہوسکتی وہ تو یہ کہتے ہیں کہ درصورت ارجاع ضمیر کے طرف عیسیٰ بن مریم کے وہ معنے جو آپ کرتے ہیں وہ مورد فساد ہیں اور اس وجہ سے قابل تسلیم نہیں ہیں اور آیت **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** کو وفات مسیح میں مرزا صاحب نے کسی جگہ یقینی **صریحة الدلالت** اور **قطعیة الدلالت** نہیں لکھا ہاں وفات مسیح میں بطور اشارۃ النص کے لکھا ہے اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ آیت ذوالوجوہ کا باوجود اقرار ذوالوجوہ ہونے کے ایک وجہ پر اصرار کر کر اس وجہ کو قطعیۃ الدلالت کہہ دینا اور باقی وجوہ کا بلا دلیل جحد و انکار کرنا **وَجَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ**[1] کا مصداق ہے یا نہیں۔ **قولہ** یہ امر مسلم ہے الخ۔

[1] النمل :۱۵

اقول یہ ایک نزاع لفظی ہے اور مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں۔ کسی کلمہ کے تکلم کے بعد متصلہ کا زمانہ آپ ﴿۱۷۳﴾
کے نزدیک استقبال قریب ہے اور اہل عربیہ کے نزدیک حال ہے۔ مطول اور ہوامش اس کے سے
یہ مطلب ثابت ہو چکا اور ایسے مناقشات کرنے کی نسبت عرف اور اہل عربیہ کی طرف سے محشیان
مطول وغیرہ یہ کہہ چکے کہ یہ مناقشات واہیہ ہیں **قولہ** فرق نہ کرنا الخ **اقول** فرق کرنا ایسی عرفی باتوں
میں جو نہایت درجہ کی موشگافی ہے لاحاصل ولا طایل ہے جو منجملہ مناقشات واہیہ کے ہیں نہ داب
محصلین جیسا کہ ماہر علم عربیہ وفنون بلاغت بلکہ قاصر پر بھی مخفی نہیں **قولہ** بلکہ کہا گیا ہے کہ اس کا ایفا
الخ **اقول** اس کے کیا معنے کہ مجاہدہ تو کریں زمانہ حال میں اور ہدایت حاصل ہو کسی زمانہ نامعلوم
آئندہ میں۔ اے مولانا مجاہدہ کے ساتھ ہی بطور اتصال لزومی کے ہدایت الٰہی فوراً اور معاً پہنچ جاتی
ہے بلکہ مجاہدہ فی اللہ بھی خود ہدایت سے ہی ہوتا ہے۔ مجاہدہ اور ہدایت کا ایسا اتصال ہے جیسا طلوع
شمس اور وجود نہار میں۔ اگر جناب کو اس میں کچھ کلام ہوگا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس بارہ میں دلائل علمیہ
کتاب وسنت سے پیش کی جاویں گی۔ بالفعل بطور تنبیہ کے مختصر عرض کیا گیا اور بڑے تعجب کی بات
ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم کو اس سنت اللہ سے ہرگز انکار نہیں کہ مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت
مرتب ہوتی ہے اور پھر بلا وجہ و بغیر دلیل یہ بھی فرماتے جاتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مطلب
ثابت نہیں ہوتا مولانا اس آیت سے تو یہ مطلب بطور عبارت النص کے ثابت ہوتا ہے اگرچہ
دوسری آیات سے بھی ثابت ہو اور نون ثقیلہ کا حال تو ناظرین منصفین کو معلوم ہو چکا کہ اس نے
اثبات مدعا جناب سے بالکل دست برداری کر دی ہے اور وہ آیت کے پورے معنے کو ادھورا نہیں
کرسکتا۔ پھر ہمیں کیا ضرورت واقع ہوئی ہے کہ کلام ابلغ البلغاء کو پورے معنے سے عاری کر کر
ادھورے معنے پر محمول کریں **قولہ** یہ آیات منافی قطعیۃ الدلالت الخ **اقول** آیت لیؤمننّ بہٖ
آپ کے مسلک کے بموجب عام ہے اور مفہوم ان آیات کا خاص ہے اور یہ امر گذر چکا کہ خاص
مخصص عام کا ہوا کرتا ہے نہ برعکس جو عکس القضیہ ہوا جاتا ہے و مرّ تفصیلہ **قولہ** یہ حصر غیر
مسلّم ہے الخ **اقول** خود آپ کا حصر ہی معنے غلام میں جو صرف بمعنے کودک صغیر کیا گیا ہے غیر مسلّم
ہے قاموس وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیے اور منتہی الارب میں بھی لکھا ہے غلام بالضم کودک و مرد میانہ سال
از لغات اضداد است یا از ہنگام ولادت تا آمد جوانی۔ پس اندریں صورت جو صراح وغیرہ سے
نقل فرمایا گیا ہے جناب کو کچھ بھی مفید نہیں اور حضرت مرزا صاحب کو کچھ بھی مضر نہیں ہے **قولہ**
اول یہ کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ الخ۔ **اقول**۔ چند مرتبہ عرض ہو چکا کہ حضرت مرزا صاحب

﴿۱۷۴﴾ اس آیت کو وفات مسیح میں صریحة الدلالت اور قطعیة الدلالت نہیں کہتے جیسا کہ جناب اس آیہ کو حیات مسیح میں قطعیۃ الدلالت فرماتے ہیں۔ بموجب اقرار جناب کے آپ کے نزدیک بھی ضمیر **قبل موته** کی ذوالوجوہ ہے جس کو اہل اصول نے ایسی ضمیر کو متشابہ کی مثال میں لکھا ہے پھر اگر ایک وجہ کو تسلیم کر کر اس کے معنے صحیح اور سالم عن الفساد حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمائے ہیں تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دوسری وجہ غلط اور باطل ہوگئی **قوله** دوم بر تقدیر موت بھی الخ **اقول** اللہ تعالیٰ جو اصدق الصادقین ہے فرماتا ہے۔ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[1] اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخبر صادق نے جو خبر دی ہے اس مسیح آنے والے کے واسطے از روئے احادیث متفق علیہ کے یہ قید بھی لگا دی ہے **و امامکم منکم** اور **فامّکم منکم** یعنی **امّکم بکتاب اللہ تعالٰی وسنة رسوله صلی اللّٰه علیه و سلم** پس جملہ احادیث مطلقہ جو درجہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں ان سے مراد بھی یہی مقید ہوگا **کما مرّ تفصیله** پس ثابت ہوا کہ مخبر صادق نے یہ خبر بھی نہیں دی کہ مسیح بن مریم جو اس امت میں آنے والا ہے وہی عیسیٰ بن مریم بنی اسرائیلی آوے گا جو نبی و رسول بنی اسرائیل کا تھا بلکہ یہ خبر دی ہے۔ وہ مسیح آنے والا تم میں سے ایک ایسا اور ایسا امام ہوگا اور اس کی امامت کتاب اللہ کے معارف و اسرار اور سنت رسول صلعم کے بیان دقائق و حقائق میں ہوگی جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی بحث واقع ہو چکی **قوله** بر تقدیر وفات بھی الخ **اقول** مولانا بڑی وجہ قوی اور معقول موجود ہے جس کا بیان مفصلاً ثابت ہو چکا یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم رسول اللہ جنت میں داخل ہو چکے **قیل ادخل الجنة۔ وادخلی جنتی۔ وماهم منها بمخرجین** + **قوله** ظاہر اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سوائے احادیث نزول کے دیگر الخ **اقول** ملاحظہ فرمایا جاوے ازالۃ الاوہام افادات البخاری صفحہ ۹۰۱ تا کہ جناب کو ثابت ہو کہ بخاری میں متعدد جگہ ابن مریم کا ذکر کر کے اس سے مراد کوئی مثیل لیا گیا ہے **قوله** افسوس کہ باوجود الخ **اقول** باوجود اسکے کہ آپکے اقرار سے آیت **وان من اهل الکتاب** حیات و وفات میں ذوالوجوہ ہے پھر بھی آپ اس کو قطعی الدلالت حیات میں فرماتے ہیں☆ **انا للّٰه وانا الیه راجعون والی اللّٰه المشتکیٰ** اب سنیئے یہ تو آپ کی تحریر کا جواب ترکی بترکی ہوا اب ایک نہایت منصفانہ اور فیصلہ کرنے والا جواب دیا جاتا ہے آپ اگر انصاف کے مدعی اور حق کے طالب ہیں تو اسی جواب کا جواب دیں اور جواب ترکی بترکی سے تعارض نہ کریں ایسا کریں گے تو یقیناً سمجھا جاوے گا کہ آپ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے اور احقاق حق سے آپ کو غرض نہیں

[1] بنی اسرائیل: ۹۴ ☆ دیکھئے اگلے صفحہ ۳۰۵ پر درج حاشیہ (حاشیہ صفحہ ۱۷۴ ایڈیشن اوّل)۔ناشر

ہے[1] وہ جواب یہ ہے کہ مولوی صاحب میں نے کمال نیک نیتی سے احقاق حق کی غرض سے اپنے ان جملہ ﴿۱۷۵﴾
جوابوں کو جن کو میں اس وقت پیش کرنا چاہتا تھا یکبارگی قلمبند کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا اور
آپ نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میرا اصل تمسک اور مستقل دلیل پہلی آیت ہے مع ہذا اس کی قطعی الدلالت
کے ثبوت میں قواعد نحویہ اجماعیہ کو پیش نہ کیا اگر آپ بھی نیک نیت اور طالب حق ہیں تو اس کے جواب
میں دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کریں یا تو جملہ دلائل و جوابات سے تعرض کریں اور ان میں
سے ایک بات کا جواب بھی باقی نہ چھوڑیں یا میری بات یعنی وفات مسیح سے جو سنت اللہ کے موافق ہے
تعرض فرماویں۔اس کے سوا کسی بات کے جواب سے متعرض نہ ہوں مگر افسوس کہ آپ نہ پہلی صورت
اختیار کرتے ہیں نہ دوسری بلکہ میری اصل بات کے علاوہ اور باتوں سے بھی تعرض کرتے ہیں مگر ان کو بھی
ادھورا چھوڑا اور بہت سی باتوں کے جواب کا حوالہ آئندہ پر چھوڑا کہ ازالہ کا جواب یوں بسط سے دیا
جاوے گا اور وُوں تفصیل سے رد کیا جاوے گا اور ان کے مقابلہ میں اپنے دلائل وغیرہ کے بیان کو بھی اپنے
آئندہ رد ازالہ اوہام پر ملتوی کیا اور جو کچھ بیان کیا وہ ایسے انداز سے بیان کیا کہ اصل دلیل سے بہت دور
چلے گئے اور اپنے بیان کو ایسے پیرایہ میں ادا کیا کہ اس سے عوام دھوکا کھاویں اور خواص ناخوش ہوں۔اس
کی ایک مثال آپ کی یہ بحث ہے کہ آپ مدعی نہیں ہیں۔صاحبِ من جس حالت میں آپ نے خود مدعی
ہوکر دلائل بھی پیش نہ کئے اور یہ بھی فرماتے رہے کہ میرا منصب مدعی ہونے کا نہیں ہے تو آپ کو اس بحث
کی کیا ضرورت تھی صرف دلائل قطعیۃ الدلالت پیش کر دیتے۔ **دوسری مثال** یہ ہے کہ حضرت شیخنا و شیخ
الکل کی رائے کے بھی آپ نے خلاف بے موقع کیا اور لوگوں کو یہ جتانا چاہا کہ حضرت شیخ الکل بھی اس
بحث میں آپ سے علم کو کم رکھتے ہیں حالانکہ یہ امر خلاف ہے اور طرہ اس پر یہ ہے کہ وہ بھی .... اس
بحث میں آپ کے مخاطب ہیں حالانکہ شیخ الکل نے اس بحث میں بسبب چند مصالح علمیت کے مناظرہ
نہ فرمایا لہٰذا شیخ الکل کا ذکر آپ کے خطاب میں محض اجنبی و نامناسب تھا کیونکہ آپ کو شیخ الکل کی رائے
سے مخالف ہونا نہیں چاہئے تھا اور نیز اپنے موافق مولوی محمد حسین صاحب سے بھی مخالفت مناسب نہیں
تھی باوجودیکہ حضرت شیخ الکل نے فیما بین جناب اور مولوی صاحب بٹالوی ممدوح کے اس نزاع
معلومہ کی بابت صلح بھی کرادی تھی پھر ان کے نہ شریک کرنے میں کیا مصلحت تھی **تیسری مثال**

حاشیہ صفحہ ۱۷۴

[1] عبارت زیر خط مولانا صاحب کی ہے اور کلمات غیر معلم بخطوط اس ہیچمدان کے ہیں ناظرین منصفین
لطف اس معارضہ بالقلب کا حاصل کر کر داد انصاف دیں الانصاف احسن الاوصاف اور جو کلمات
مولوی صاحب پر عائد ہوئے اور اس جگہ لکھے گئے ہیں وہ میری طرف سے نہیں مولوی صاحب کی ہی عبارت
بعینہا ہے ۔ ایں جہان کوہست فعل ماندا باز می آید ندا ہا را صدا

﴿۱۷۶﴾ یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف ایک تفسیر ابن جریر کی عبارت واقوال بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اور وہ بھی بطور شک کے جس پر اِنْ دلالت کرتا ہے نقل کر کے عوام الناس کو یہ جتانا چاہا ہے کہ تمام مفسرین اور عامہ صحابہ وتابعین مسئلہ حیات مسیح میں جو اس آیہ لیؤمننّ بہٖ قبل موتہٖ کو قطعی الدلالت نہیں کہتے محض غلطی اور باطل پر ہیں نعوذ باللہ منہ اور مع ھٰذا یہ بھی جتلانا چاہا ہے کہ وہ سب مرزا صاحب کے مخالف اور ہمارے موافق ہیں اور یہ محض مغالطہ ہے کوئی صحابی کوئی تابعی کوئی مفسر اس بات کا قائل نہیں ہے کہ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی حیات اس آیہ سے بطور قطعی الدلالت کے ثابت ہوتی ہے اور ابن جریر اور ابن کثیر کا مطلب بھی یہ نہیں۔ ہاں البتہ انہوں نے اپنی رائے کو ترجیح دے کر یہ تقوّل **مسامحتاً** کر دیا ہے کہ یہ رائے دلیل قاطع سے ثابت ہے چنانچہ اب جناب سے اسی دلیل قاطع کا مطالبہ ہے اگر موجود ہو تو بیان فرمائی جاوے **چوتھی مثال** آپ کا عوام الناس کو یہ جتانا ہے کہ نون لیؤمننّ کو باوجود لام تاکید کے التزاماً خالص استقبال کیلئے ٹھہرانا تمام صحابہ ومفسرین کا مذہب ہے جو سراسر آپ کا دھوکا و مغالطہ ہے آپ کی اس قسم کی باتوں کا میں تین دفعہ جواب ترکی بترکی دے چکا آئندہ بھی اگر یہی طریق جاری رہا تو اس سے آپ کو تو یہ فائدہ ہوگا کہ اصل بات ٹل جاوے گی اور آپ کی اتباع میں آپ کی جواب نویسی ثابت ہو جاوے گی مگر اس میں مسلمانوں کا یہ حرج ہوگا کہ ان پر نتیجہ بحث ظاہر نہ ہوگا اور آپ کا اصل حال نہ کھلے گا کہ آپ لاجواب ہو چکے ہیں اور اعتقاد حیات مسیح میں خطا پر ہیں اور بات کو اِدھر اُدھر لے جا کر ٹلا رہے ہیں لہٰذا آئندہ آپ کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ اگر بحث منظور اور الزام فرار سے احتراز مدنظر ہے تو زائد باتوں کو چھوڑ کر میری اصل بات یعنی وفات مسیح پر دلیل قطعی قائم کرنے میں کلام و بحث کو محدود و محصور کریں اور جو میں نے بہ شہادت قواعد نحویہ اجماعیہ و باستدلال قواعد علم بلاغت واصول حدیث واصول فقہ وسائر علوم درسیہ رسمیہ کے مضمون آیت کا زمانہ استقبال کیلئے مخصوص نہ ہونا اور بصورت صحت تحقق اس مضمون کا وقت نزول سے مخصوص نہ ہونا ثابت کیا ہے اس کا جواب درصورت عدم تسلیم قواعد نحویہ اجماعیہ وعلم بلاغت وغیرہ کے دو حرفی یہ دیں کہ تمام قواعد نحوی و قواعد علم بلاغت وغیرہ بے کار و بے اعتبار ہیں یا خاص کر یہ قاعدہ یعنی صیغہ مستقبل کا واسطے دوام تجددی کے آنا غلط ہے اور اس کو فلاں شخص امام فن نے غلط قرار دیا ہے اور اس کی غلطی پر قرآن یا حدیث صحیح یا اقوال عرب عرباء سے یہ دلیل ہے اور بجائے اس کے قاعدہ صحیحہ فلاں ہے☆ یا یہ کہ فہم معنے قرآن کیلئے کوئی قاعدہ علم بلاغت وعلم اصول فقہ وعلم اصول حدیث وغیرہ کا مقرر نہیں ہے جس

☆ خط کشیدہ عبارت ۱۸۹۲ء ایڈیشن میں موجود ہے جبکہ ۱۸۹۵ء کے ایڈیشن میں سہو کتابت سے نقل ہونے سے رہ گئی ہے۔ (ناشر)

طرح کوئی چاہے قرآن کے معنے گھڑ سکتا ہے اور درصورت تسلیم قاعدہ اور تسلیم تعمیم مضمون آیت ﴿۱۷۷﴾
بزمانہ حال واستقبال یا تجدد دوامی کے اس مضمون کی تخصیص زمانہ نزول مسیح سے فلاں دلیل کی
شہادت سے ثابت ہے یا اس تعمیم سے جو فائدہ بیان کیا گیا ہے وہ اور صورتوں اور اور معنے سے بھی
جو بیان کئے گئے ہیں حاصل ہو سکتا ہے اور اگر مجرد اختلاف ایک دو مفسرین کا تفسیر آیت میں اس
تعمیم کا مبطل ہو سکتا ہے اور مجرد اقوال ایک دو مفسر کے آپ کے نزدیک لائق استدلال واستناد
ہیں تو آپ مفسرین صحابہ و تابعین کے ان اقوال کو جو دربارہ وفات مسیح وارد ہیں اور صحیح بخاری
وغیرہ میں مذکور ہیں قبول کریں۔ کیونکہ اصح الکتاب بعد کتاب اللّٰہ صحیح البخاری مسئلہ مسلمہ
ہے یا ان کے ایسے معنے بتا دیں جن سے حیات مسیح ثابت ہو ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جہان
کے مفسرین اور جملہ صحابہ و تابعین ہمارے ساتھ ہیں ان میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ مسیح بن مریم
کی حیات اس آیہ سے بطور قطعیۃ الدلالت کے ثابت ہوتی ہے آپ ایک صحابی یا ایک تابعی یا
ایک امام مفسر سے بہ سند صحیح اگر یہ ثابت کر دیں کہ حضرت مسیح کی حیات اس آیت سے بطور قطعیۃ
الدلالت کے ثابت ہے اور برہان قطعی اس کی یہ ہے تو ہم وفات مسیح سے دست بردار ہو جاویں
گے لیجئے ایک ہی بات میں بات طے ہوتی ہے اور فتح ہاتھ آتی ہے۔ اب اگر آپ یہ ثابت نہ
کر سکے تو ہم سے تیس آیات قرآن شریف اور احادیث صحیح بخاری وغیرہ اور صحابہ و تابعین کے
اقوال سنیں جن کو ہم آئندہ بھی جواب رد ازالہ اوہام میں انشاء اللہ تعالیٰ نقل کریں گے جیسا کہ
بعض اب بھی بیان کئے گئے ہیں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں عامہ ناظرین تو اس سے فائدہ اٹھاویں گے
اور اس سے نتیجہ بحث نکالیں گے آپ سے ہم کو امید نہیں رہی کہ آپ اصل مدعا کی طرف آئیں اور
زائد باتوں کو چھوڑ کر صرف وہ دو حرفی جواب دیں جو اس منصفانہ جواب میں آپ سے طلب کیا گیا
ہے۔ و اٰخر دعوانا ان الحمدُ للّٰہ ربّ العالمین و الصلوٰۃ و السلام علٰی خیر خلقہ
محمد و اٰلہ و أصحابہ اجمعین و علٰی من اتبع الرشد و الھدٰی من بعد ماتبین من
الغی و الطغوی ۔ محررہ سیم ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ کتبہ محمد احسن۔ امروہی نزیل بھوپال۔

﴿۱۷۸﴾

مراسلت نمبر (۲)☆

مابین
منشی بُوبہ شاہ صاحب و منشی محمد اسحٰق صاحب
اور مولوی سیّد محمد احسن صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از خاکسار بوبہ شاہ و محمد اسحٰق بخدمت مولانا مولوی محمد احسن صاحب زادلطفہٗ بعد مراسم مسنون تمنا مشحون مدعا آنکہ۔ شاید جناب کو یاد ہوگا جب آپ ہمراہ لشکر گورنر جنرل لارڈ رپن صاحب بہادر مقام لاہور میں تشریف لائے۔ چند اشخاص خدمت میں حاضر ہو کر مشرف زیارت ہوئے تھے لیکن بعد اس کے کبھی اتفاق زیارت نصیب نہ ہوا اور نہ کبھی باہم خط و کتابت کی نوبت پہنچی اگرچہ اس بات کا تو علم تھا کہ آپ ریاست بھوپال میں ایک مدت سے قیام پذیر ہیں۔ جب جد عبدالرحمہ ❀ ......راقم محمد اسحٰق ریاست میں پنشن خوار ہوئے انہوں نے چند بار آپ کا ذکر تحریر فرمایا۔ اس وقت وجہ تصدیعہ دہی یہ ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ جناب نے ایک رسالہ موسومہ اعلام الناس در بارہ تائید مرزا غلام احمد قادیانی تالیف فرما کر طبع کر دیا ہے اور اس میں دلائل ان کے دعویٰ مسیح ہونے کے بڑے پرزور لکھے ہیں جب سے یہ بات سنی ہے اس رسالہ کے معائنہ کا ازحد شوق ہے۔ اگرچہ ہم ہر دو اب تک مرزا قادیانی کے معتقد نہیں ہیں اور بڑا انتظار آپ کے رسالہ کا ہے۔ اگر ممکن

☆ الحق مباحثہ دہلی کا یہ حصہ ’’مراسلت نمبر۲‘‘ جو ایڈیشن اوّل میں چھپ چکا ہے روحانی خزائن کی تدوین کے وقت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے شامل نہ ہو سکا۔ اب یہ حصہ اس جلد میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (ناشر) ❀ خط چونکہ پھٹا ہوا تھا یہاں سے پڑھا نہیں گیا۔ (ناشر)

ہوتو ایک رسالہ بذریعہ پمفلٹ عنایت فرما کر اس کی قیمت اور خرچ ڈاک سے مطلع فرماویں۔ انشاء اللہ قیمت مذکور بذریعہ ٹکٹ ارسال خدمت کی جائے گی۔ یا پہلے اطلاع دیں کہ جس قدر قیمت اس کی ہوترسیل خدمت کی جائے گی امید کہ جواب سے ضرور مطلع فرماویں۔ پتہ یہ ہے لاہور ڈڈیلیٹر آفس پاس محمد اسحٰق ملازم ڈڈیلیٹر کے پہنچے۔ مکرر یہ کہ چند اشعار مؤلفہ مرزا قادیانی رسالہ توضیح المرام میں ثبت ہیں۔ ان کے مطلب پر خدشہ گزرتا ہے۔ مولانا مولوی محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ نے تقویت الایمان میں ایسے مضامین کی مذمت کی ہے۔ چونکہ مولانا مرحوم تیرھویں صدی کے مجدد تھے اور مرزا کو مجددیت کا دعویٰ چودھویں صدی مرکوز خاطر ہے۔ پھر ایک بات کو ایک مجدد ناجائز اور گناہ تحریر فرمائے دوسرا مجدد اسی بات کو اپنی کتاب میں ترویج دے یہ امر کیونکر جائز سمجھا جائے۔ اشعار یہ ہیں۔ ﴿۱۷۹﴾

شان احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم آنچنان از خود جدا شد کز میان افتاد میم
زان نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد پیکر او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم
بوئے محبوبِ حقیقی مے دمد زان روئے پاک ذات حقّانی صفاتش مظہرِ ذاتِ قدیم
گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال چون دلِ احمدؐ نہ مے بینم دگر عرشِ عظیم

ان اشعار کا مضمون سر بسر عقیدہ وجودیہ پر دال ہے جس سے گروہ موحدین کوسوں متنفر چلا آتا ہے۔ مسلمانوں میں وجودی ہنود میں بیدانتی باہم ایک ہی ہیں۔ تعجب ہے کہ مرزا مدعی مجددیت ہو کر ایسے کلمہ ملحدانہ اپنی تالیف میں درج کرے۔ دلیری یہ۔ گرچہ منصوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال۔ یعنی گو مجھے کوئی ملحد یا زندیق پڑا کہے میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ ہاں دنیا میں تو کوئی کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اِلّا روز حشر اس اَحکم الحاکمین کے سامنے قلعی کھل جائے گی۔

مولوی محمد احسن صاحب کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عاجز سید محمد احسن بخدمت بو بہ شاہ و محمد اسحٰق صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ دو خط آپ کے صادر ہوئے حال یہ ہے کہ رسائل اعلام الناس اب تقسیم مفت میں باقی نہیں رہے پچاس جلد اس احقر کو ملی تھیں وہ سب تقسیم ہو گئیں۔ اور لاہور میں چند اشخاص کے پاس یہ رسائل پہنچ گئے ہیں۔ آپ کسی سے خرید فرما لیجئے اور نسبت اشعار مندرجہ توضیح مرام کے جو خدشات آپ نے تحریر فرمائے ہیں وہ بہ سبب عدم غور اور تامل کے ہیں ۔

شان احمد را کہ داند جز خداوند کریم آنچنان از خود جدا شد کز میان افتاد میم

اوّل تو ان اشعار کا مطلب اور شرح خود حضرت اقدس نے سیاق اور سباق اشعار میں مفصل اور مشرح کر کر لکھ دی ہے کہ جس کے مطالعہ سے مخلصین کو کسی طرح کا خدشہ اور شبہ باقی نہیں رہتا۔ آپ اس مقام کو مطالعہ فرماویں اور اگر صرف لا تقربوا الصّلٰوۃ پر نظر رہے گی تو شکوک وشبہات کیونکر رفع ہو سکتے ہیں۔ ثانیاً ان آیات کے کیا معنی ہیں۔ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى [1] وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [2] وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى [3] اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ [4] و غیر ذٰلک من الاٰیات الکثیرۃ ۔ جو معنے ان آیات کے آپ سمجھیں ان اشعار کو تفسیر اس کی تصور فرماویں۔ ثالثاً ان اشعار میں کوئی خدشہ ظاہری بھی نہیں معلوم ہوتا حاصل مطلب یہ ہے کہ رتبہ و درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے خدائے کریم کے کوئی نہیں جان سکتا۔ آنحضرت کے رتبہ اعلیٰ کا تو ذکر ہی کیا ہے کسی ادنیٰ ولی کا ﴿۱۸۰﴾

[1] النجم: ۹،۱۰ [2] الانفال: ۱۸ [3] النجم: ۴،۵ [4] الفتح: ۱۱

رتبہ بھی کوئی نہیں جان سکتا۔ مثل مشہور ہے۔ولی راولی مے شناسد۔اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خودی اور ہواؤ ہوس سے ایسے جدا اور علیحدہ ہو گئے ہیں کہ کوئی امر مقتضائے خودی اور خود بینی کا سوائے مرضیات احدیت کے ان میں پایا نہیں جاتا۔ حدیث اصح الصحیح میں آنحضرت کے خادمین اولیا کی نسبت موجود ہے۔ **کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها و لسانه الذی یتکلم بهٖ الٰی اٰخرہٖ** ۔آپ اس حدیث کے کیا معنے سمجھتے ہیں اُسی قسم کے یہ اشعار ہیں۔

زان نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد   پیکر او شد سراسر صورتِ ربِ رحیم

کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ کے کیا معنے ہیں اور **خلق آدمؑ علٰی صورتهٖ** کے معنے پر غور کرو اگرچہ ضمیر صورتہٖ میں بہت اختلاف ہے مگر جس صورت میں کہ ضمیر صورتہٖ کی راجع ہو طرف اللہ کی تو پھر کیا معنے ہوں گے۔ وہی معنے اس شعر کے سمجھے جائیں۔

بوئے محبوبِ حقیقی مے دمد زان روئے پاک   ذات حقانی صفاتش مظہر ذات قدیم

اے میرے پیارے دوست تم ہر جمعہ کے خطبہ میں سنتے ہو گے کہ **السّلطان ظلّ اللّٰه الخ**۔ جب ایک ادنیٰ سلطان کے واسطے ایسا کچھ ارشاد ہے کہ وہ ظل اللہ ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر الٰہی ہونے میں کون مومن شک کرسکتا ہے۔

گر چہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال   چون دل احمد نمے بینم دگر عرش عظیم

مہربان من اس آیت کے کیا معنے ہیں۔ **قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ**[1]۔امام شافعی و نیز کبراء مجتہدین امت کے اشعار میں اس قسم کا محاورہ پایا جاتا ہے۔ ﴿۱۸۱﴾

ان کان رفضًا حب اٰل محمدٍ   فلیشهد الثقلان انی رافض

[1] الزخرف:۸۲

جومعانی ان محاورات کے ہیں وہی اس شعر کے معنے ہو سکتے ہیں۔ رابعاً کتاب منصب امامت اور صراط المستقیم مصنفہ مولانا ومقتدانا جناب شہید فی سبیل اللہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی ملاحظہ ہوان دونوں کتابوں کو آپ شرح پاویں گے اُن مضامین کی جوحضرت اقدس کی تصانیف میں پائی جاتی ہیں۔ ’’ہمچنین چون امواج جذب وکشش رحمانی نفس کاملہ این طالب را درقعر لجج بحار احدیت فرو مے کشد زمزمہ انا الحق و لیس فی جبتی سوی اللّٰہ ازان سربرمیزند کہ کلام ہدایت التیام کنت سمعہ الذی یسمع بہٖ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا ودر روایتےو لسانہ الذی یتکلم بہٖ ۔حکایتے است ازان۔و اذ قال اللّٰہ علٰی لسان نبیّہ سمع اللّٰہ لمن حمدہ و یقضی اللّٰہ علٰی لسان نبیّہ ما شاء کنایتے است ازان این مقالے است بس باریک ومسئلہ است بس نازک۔ باید کہ دران نیک تامل کنی و تفصیل اورابرمعانی دیگرتفویض نمائی شعر و وراء ذاک فلا اقول لانہ اثر لسان النطق عنہ اخرس وزِنہار برین معاملہ تعجب نہ نمائی وبانکارپیش نہ آئی زیراکہ چون ازنارِ وادی ندائے اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ[1] سربرزد اگرازنفس کاملہ کہ اشرف موجودات ونمونہ حضرت ذات است آوازانا الحق برآید محل تعجب نیست‘‘ الخ۔ پس اس مجدد الوقت کا کوئی کلام مخالف کلام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہرگز ہرگزنہیں ہے بلکہ ایک صاحب کا کلام دوسرے صاحب کے کلام کی شرح ہے البتہ ناظرین کی نظر اور سمجھ کا قصور ہے اگر رسالہ اعلام آپ کو نہ ملے گا تو میں انشاء اللہ تعالیٰ خرید کر روانہ کروں گا اپنے حالات خیریت سمات سے ہمیشہ مطلع فرماتے رہو۔ مورخہ ۳۱؍جولائی ۱۸۹۱ء۔

الراقم محمد احسن مہتمم مصارف ریاست بھوپال

[1] القصص: ۳۱

بوبہ شاہ صاحب اور محمد اسحٰق صاحب کا جواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

از خاکسار بوبہ شاہ ومحمد اسحٰق بخدمت گرامی جناب مولانا صاحب مولوی محمد احسن صاحب دام مجدھم السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوکر کاشف مضامین مندرجہ ہوا اس جواب کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے نیاز نامہ کو کافی توجہ سے ملاحظہ نہیں فرمایا جناب من اصل خدشہ یہ ہے کہ جب مرزا صاحب نے اپنے اور ﴿۱۸۲﴾ مسیح علیہ السلام کے لئے ایک ایسا درجہ ثابت کیا ہے جس کو ابن اللّٰہ ہونے سے تعبیر کر سکتے ہیں حالانکہ کتاب وسنت میں اس کا بالکل ثبوت نہیں۔ تو یہ استفسار پیدا ہوا کہ اب جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کون سا درجہ باقی رہا۔ اُس کے جواب میں مرزا صاحب نے فرمایا کہ آپ کے لئے ایک اعلیٰ مقام اور برتر مرتبہ جو آپ کی ذات کمال الصفات پر ختم ہوگیا ہے جس کی کیفیت کو پہنچنا ہی کسی دوسرے کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے۔ اسی جواب کے ذیل میں مرزا صاحب نے یہ اشعار تحریر فرمائے ہیں جن سے جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذات باری تعالیٰ سے اتحاد مفہوم ہوتا ہے اب اس اتحاد سے وحدت مجازی اور اتحاد صوری مراد ہے یا اتحاد حقیقی اور وحدت ذاتی۔ پہلی قسم کی وحدت تو آپ کے خادمین اولیاء کو بھی حاصل اور ثابت ہے جو مسیح علیہ السلام سے بدرجہا کم ہیں۔ آیہ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ[1] اور حدیث کنت سمعه الذی یسمع به الخ۔ ملاحظہ ہو پس اس قسم کی مراد ہونے کی تقدیر پر مرزا صاحب کا اپنے لئے مرتبہ ابنیت اور مساوات بالمسیح علیہ السلام ثابت کرنا اور اس کے مقابلہ میں جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وہ مرتبہ بیان کرنا جو حضرت مسیح علیہ السلام سے بدرجہا کم مرتبہ کے لوگوں کے لئے بھی ثابت اور متحقق ہے درحقیقت اپنے آپ کو

[1] الانفال : ۱۸

جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افضل و فایق قرار دینا ہے علاوہ بریں مرزا صاحب اس مقام پر جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوشان اور فوقیت علی المسیح علیہ السلام بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس عام وصف کے بیان کرنے سے وہ مطلب حاصل نہیں ہوسکتا جس سے مرزا صاحب کا کلام مہمل ہوا جاتا ہے اس لئے ضرور دوسری قسم معنے اتحاد حقیقی اور وحدت ذاتی مراد ہونے چاہیے اور یہی ہمارا سوال تھا کہ ان شعروں سے اتحاد الممکن مع الواجب ثابت ہوتا ہے جو باجماع المسلمین باطل ہے۔ **اشھد ان محمدا عبده و رسوله+ سبحان الّذی اَسرٰی بِعَبۡدِہٖ+ فَاَوۡحٰی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَا اَوۡحٰی+ قُلۡ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰی اِلَیَّ** +آپ کو واضح ہوگیا ہوگا کہ صرف **لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ** پر آپ ہی نے نظر کو مقصور و محصور رکھا ہے نہ خاکساروں نے۔ **قولکم** ان آیات کے کیا معنے ہوں گے **دَنٰی فَتَدَلّٰی** الخ۔ جناب من ان آیات کے وہی معنے ہیں جو عائشہ رضی اللہ عنہا اور یا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ لیکن وہ آپ کو کیا مفید ہیں **قولکم وَ مَا رَمَیۡتَ الخ** ۔اس قسم کا خطاب اوروں کے حق میں بھی موجود ہے جو مسیح علیہ السلام سے کم ہیں۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا [1] .(سورۃ الزمر) ﴿۱۸۳﴾
اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہِمُ اثۡنَیۡنِ [2] (یٰسٓ) فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡہُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَہُمۡ [3] ۔ **کنت مرضت فلم تعدنی** ۔مگر مرزا صاحب اپنے شعر میں ایسا وصف بیان کرنا چاہتے ہیں جو آپ کی ذات کامل الصفات پر ختم ہو گیا ہو اور اس سے آپ کا کمال علو منصب ثابت ہو برخلاف آیہ کریمہ وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ [4] کے کہ اُس سے یہ مقصود نہیں پس مرزا صاحب کے شعر کو آیت کریمہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہوسکتا **قولکم وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی** ۔الخ۔غزوہ بدر اور غزوہ حدیبیہ میں جو غلطی آپ سے ہوئی تھی بقول آپ کے جناب باری **عزّ اسمہٗ** سے ہوئی ہوگی۔افسوس مرزا صاحب کے عشق نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچایا سچ ہے **حبک الشیء یعمی و یصم قولکم اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ** الخ۔

[1] الزمر:۴۳ [2] یٰسٓ: ۱۵ [3] الانفال: ۱۸ [4] الانفال: ۱۸

اس آیہ کریمہ کا حال بھی آیت کریمہ وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ کا سا ہے **فقد مرّ** ۔**قولکم** کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ الخ ۔آپ کے نزدیک کسی شے کا ہلاک وفنا ہونا اور اس کا کسی دوسری چیز سے متحد ہو جانا ایک ہی بات ہو گی مع ہٰذا جب ہر چیز کو ہلاک ہونا اور بقول آپ کے ذات باری تعالیٰ سے متحد ہو جانا ضروری ہے تو اس میں جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا خصوصیت ہوئی آپ وحدت الوجود کے مسئلہ کو یہاں کھپانا چاہتے ہیں لیکن آپ کے پیر کا سیاق وسباق کلام اُسے کھپنے نہیں دیتا اور آپ اپنے پیر صاحب کا کلام ملاحظہ کیجئے **قولکم** خلق اٰدم علٰی صورتہٖ الخ ۔مرجع قریب ہوتے ہوتے کیا ضرور ہے کہ بعید کی طرف ضمیر راجع کی جائے مع ہٰذا یہ بھی صفات مختصہ بالنبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہ ہو گا ذرا تامل کیجئے **قولکم** اے میرے پیارے الخ ۔جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مظہر ہونے میں شک کرنا فی الواقع کسی مومن کا کام نہیں لیکن اور کون سی چیز ہے جو مظہر نہیں ہے ؎

ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست ۔سبحان اللہ اپنے لئے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ اور جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے صرف مظہر ہونا جس میں ادنیٰ سے ادنیٰ ممکن آپ کا شریک ہے ۔آفرین باد بریں ہمت مردانۂ او ۔حاصل یہ کہ ان اشعار میں وحدت مجازی مراد لینے سے بقرینہ سیاق وسباق کلام مرزا صاحب کے فوقیت علی النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت ہوتی ہے اور وحدت حقیقی مقصود ہو تو ......غُلّات کا مذہب ماننا پڑتا ہے و **کلاھما کفر بالاجماع** **قولکم** اس آیہ کے کیا معنے ہوں گے قل ان کان الخ ۔جناب من اس محاورہ اور طرز استعمال میں خدشہ نہیں ہے ۔خدشہ یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کا اشعار سابقہ میں اتحاد حقیقی مقصود و مراد نہ ہو تو پھر ان اشعار میں کون سی بات ہے جس کے سبب سے کوئی ان کو الحاد اور کفر کی طرف منسوب کرے گا اس شعر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے اشعار سابقہ میں وحدت حقیقی مراد ہے جس پر ان کو خدشہ ہوا کہ علمائے شریعت ملحد کہیں گے پس آپ نے جو کچھ ان کے کلام کو

وحدت مجازی وغیرہ پر محمول کرنے میں کوشش کی ہے مرزا صاحب کے نزدیک رائیگاں ہے۔ ﴿۱۸۴﴾
یارب مبادکس را مخدوم بے عنایت۔ **قولکم** کتاب منصب امامت وصراط المستقیم الخ۔ شاید آیہ کریمہ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [1] آپ کے نزدیک منسوخ ہوگئی ہوگی جو منصب وغیرہ پر چلنے کی ہدایت ہوتی ہے علاوہ بریں منصب امامت اور صراط المستقیم کو تقویت الایمان پر کیا ترجیح ہے جو اُسے چھوڑ کر اُن پر چلیں۔ صفحہ ۶۲۔ تقویت الایمان ملاحظہ فرمائیے کہ اس میں مولانا محمد اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ بلکہ بعض جھوٹے دغابازوں نے اس بات کو خود پیغمبر کی طرف نسبت کیا ہے کہ انہوں نے خود فرمایا ہے انا احمد بلا میم اور اسی طرح ایک بڑی عبارت عربی کی بنا کر اس میں ایسی ایسی خرافتیں جمع کر کر اس کا نام خطبۃ الافتخار رکھا ہے۔ اور اس کو حضرت علیؓ مرتضٰی کی طرف نسبت کیا ہے سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ اللہ سارے جھوٹوں کا مونہہ کالا کرے انتہٰی۔ یہ عبارت مولانا مرحوم کی دربارہ ردلفظ احمد بلا میم نص صریح ہے اس کے مقابلہ میں منصب اور صراط مستقیم کے مضامین مبہم قابل حجت نہیں ہو سکتے بلکہ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے رسول صلعم نے فرمایا **لا تطرونی کما اطرت النصارٰی عیسٰی ابن مریم فانّما انا عبده فقولوا عبدالله و رسولهٗ. فقط۔**

جناب من خاکساروں نے آپ کو قدیمی شفیق تصور کر کے دوبارہ تصدیعہ دیا ہے تا کہ خدشات ہمارے رفع ہو جائیں شاید اگر جناب کے نزدیک کوئی لفظ نا ملائم معلوم ہو تو معاف فرما دیں۔ اگر معاملہ دینی نہ ہوتا تو جو کچھ آپ تحریر فرما دیتے اس کے قبول کرنے میں عذر نہ ہوتا چونکہ یہ معاملہ متعلق دین اور اعتقاد کے ہے اور وجودیوں کو ہم جمیع پیشوایان دین سے مخالف ومخرب شریعت سنتے آئے ہیں خصوص جملہ فرق اسلام سے یہ فرقہ بدترین ہے پھر کیونکر صبر کیا جاتا۔ عریضہ بو بہ شاہ ومحمد اسحٰق مورخہ ۳۰ / اگست ۱۸۹۱ء

[1] الحشر : ۸

مولوی سیّد محمد احسن صاحب کا جواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محبی فی اللہ واخی لِلّٰہ منشی محمد اسحٰق صاحب و منشی بوبہ شاہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عنایت نامہ نے صادر ہوکر محظوظ و مسرور کیا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء آپ کو تحقیق مسائل کا بڑا شوق ہے اور اس پر یہ بڑی خوبی ہے کہ کتاب و سنت ہی آپ کا مطمح نظر ہے آپ جیسے صاحبوں سے قبول حق کی بڑی امید ہے تقلید کی صورت میں یہ امید نہیں ہوتی۔ خط حال میں ﴿۱۸۵﴾ آپ نے چند اعتراض کئے ہیں۔ میرے پہلے خط کو آپ نے غور سے ملاحظہ نہیں فرمایا لہٰذا مکرر لکھتا ہوں۔

اعتراض اوّل حضرت مرزا صاحب نے اپنے اور مسیح علیہ السلام کے لئے ایک ایسا درجہ ثابت کیا ہے جس کو ابن اللہ کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں۔ حالانکہ کتاب و سنت میں بالکل اس کا ثبوت نہیں ہے۔

الجواب بے شک بہت صحیح ہے۔ کتاب و سنت میں اس مرتبہ کے ثبوت کا کیا ذکر ہے۔ اس کی نفی موجود ہے اور یہ تو مذہب یہود و نصاریٰ کا ہے۔ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ عُزَيۡرُ ۨابۡنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ اللّٰهِ [1]۔ اور فرمایا وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ [2] لیکن اے میرے محبّ فی اللہ مرزا صاحب اس کے کب قائل ہیں وہ اس کی نسبت یہ کہتے ہیں ”جس کو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے اور ذرا امکان کو جو ہالکۃ الذات باطلۃ الحقیقت ہے حضرت اعلیٰ واجب الوجوب کے ساتھ برابر ٹھہرا دیا ہے“ انتھی بلفظہٖ۔ مرزا صاحب کے کلام سے صحیح و صریح معلوم ہوا کہ جو لوگ ایسی تثلیث کے قائل ہیں اُن کی طبیعتیں ناپاک ہیں اور وہ مشرک ہیں اور عیسیٰؑ ابن مریم ہوں یا ان کے

[1] التوبۃ: ۳۰ [2] النساء: ۱۷۲

مثیل وہ سب ایک ذرہ امکان ہیں جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے بقول شاعر ؎

آنکس کہ اولش عدم وآخرش فنا است + درحق اوگمان ثبات وبقا خطا است

اسی واسطے اس ذرہ امکان کو فرمایا کہ وہ تو اپنی ذات میں بالکل ہالک اور فانی ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ پھر آگے فرمایا کہ اس کی حقیقت ہی محض باطل ہے۔ **الا کل شی ما خلا اللّٰہ باطل** جبکہ اس ذرہ کی یہ حقیقت ٹھہری کہ وہ اپنی حقیقت میں ہی باطل ہے تو ایسی ذات کے ساتھ جو سب سے اعلیٰ ہے اور واجب الوجود ہے کیونکر کسی بات یا صفات میں شریک و برابر ہوسکتا ہے اب آپ کو مرزا صاحب کا عقیدہ تو اُسی رسالہ توضیح المرام سے معلوم ہوگیا اور یہی عقیدہ ہمارا اور آپ کا ہے۔ اب اس قدر گذارش اور ہے کہ جو نسبتیں اور حالتیں عارفین اولیاء اللہ پر وارد ہوتی ہیں اُن کو ہم پورے پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ کہ ولی راولی می شناسد۔ مثل مشہور ہے مگر بطور نمونہ ایک حالت جو مجھ پر اور آپ پر اور سب پر طاری ہوئی ہے یا ہوتی ہے میں اس کو یاد دلاتا ہوں۔ جب آپ حالت طفولیت میں زیر تربیت اپنے والدین کے تھے تب اپنے والدین پر آپ کو سب طرح سے اطمینان تھا۔ نہ آپ کو کھانے کی فکر تھی۔ نہ آپ کو لباس کی فکر تھی۔ نہ آپ کو کسی دشمن کی فکر تھی اور جملہ امور میں رجوع آپ کی اپنے والدین ہی کی طرف رہتی تھی حتیّٰ کہ اگر والدہ نے کبھی آپ کو مارا بھی ہوگا تو بھی آپ نے والدہ ہی کی طرف رجوع کیا ہوگا۔ مثل مشہور ہے کہ ماں مارے لڑکا ماں ہی ماں پکارے یہ حالت تو آپ کی ہوئی۔ اب اپنے والدین کی حالت کو ﴿۱۸۶﴾ دیکھئے۔ ان کی شفقت اور محبت کا کچھ ذکر ہی نہیں دنیا بھر کی خوبی وہ آپ ہی کے واسطے چاہتے ہیں اور آپ کے دشمن کو اگر ان کا قابو چلتا تو نیست و نابود ہی کر ڈالتے اب میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر کسی مومن کی حالت توکل اپنے رب معبود کے ساتھ بلاتشبیہ مجازاً ایسی ہی ہو جیسا کہ آپ کو اپنے والدین مربی کے ساتھ تھی اور سب طرح سے آپ کو اپنے والدین مربی پر اطمینان تھا تو کیا یہ حالت بھی شرک یا کفر ہے۔ آپ ضرور فرماویں گے کہ یہ حالت

کیوں شرک ہوتی یہ تو کمال مقتضائے ایمان ہے پھر اگر اس درجہ کمال ایمان پر مرزا صاحب پہنچے ہوئے ہوں تو اس میں کون سا امر خلاف کتاب وسنت کے ہے مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ اناجیل میں لفظ ابن اللہ آیا ہے تو واضح ہو کہ معنے لفظ ابن کے زمان قدیم میں محبوب اور پیارے کے آئے ہیں اور یہی معنے محاورات انجیل سے معلوم ہوتے ہیں انتہیٰ حاصلہ۔ اسی طرح پر حضرت مرزا صاحب کو مراتب ثلاثہ قرب الٰہی کے مکشوف ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ مرتبہ ہے کہ بطور استعارہ وتمثیل کے اُس مرتبہ کو علاقہ ابنیت سے تعبیر کر سکتے ہیں اس کے یہ معنے نہیں کہ مخلوق میں سے کسی کو مرتبہ ابنیت کا حقیقتاً حاصل ہو۔ نعوذ باللہ منہ۔

اگر آپ کہیں کہ ہم کو کتاب وسنت سے اس مرتبہ کا پتہ اور نشان بتلاؤ تب ہماری پوری تسکین ہوگی واذ لا فـــلا ۔ لیجئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا [1] جب تک کہ یہ حالت جو اوپر مذکور ہوئی تقاضائے ایمان کامل سے حاصل نہ ہو تو کیونکر ایسا ذکر الٰہی آدمی کر سکتا ہے جیسا آیت میں مذکور و مامور ہے اور جیسا کہ آیت میں کاف حرف تشبیہ کا موجود ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے بھی جا بجا لفظ استعارہ وغیرہ الفاظ مجاز کا استعمال کیا ہے جو ویسا ہی آیت میں بھی مذکور ہے پھر اُسی آیت کی تفسیر حضرت مرزا صاحب نے کی ہے اور پھر طبرانی کی حدیث میں حرف تشبیہ تک نہیں ہے۔ **الـخلق كلهم عيال اللّٰه و احبهم اليه انفعهم لعياله** اے میرے دوست اولیاء اللہ کا کوئی کلام جس پر اُن کو اصرار ہوا ایسا نہیں ہوتا جو کتاب وسنت سے مستنبط نہ ہو لیکن اس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا اور مخالف رہتا ہے **الـنـاس اعـداء لـمـا جهلوا** ۔ البتہ استنباط والے لوگ ہی اس کو سمجھ لیتے ہیں۔ **قال اللّٰه تعالٰی** لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ [2]۔

اعتراض دوم۔ آپ کا یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

[1] البقرۃ: ۲۰۱ [2] النساء: ۸۴

کا اتحاد اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتحاد حقیقی ہے جو باجماع مسلمین باطل ہے اور اگر اتحاد مجازی
مراد لی جاوے تو اُس میں کوئی فضیلت حضرت نبی علیہ السلام کو حاصل نہیں ہوتی ﴿۱۸۷﴾
مرزا صاحب ہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوئے جاتے ہیں کہ ابن اللہ ہیں۔

الجواب۔ بے شک اتحاد حقیقی باطل ہے باطل ہے اور پھر باطل ہے اٰمنّا ببطلانہٖ یہی ہمارا آپ کا عقیدہ ہے اور مرزا صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اتنا فرق عبارتی ہے کہ آپ نے فرمایا **اتحاد الممکن مع الواجب باطل**۔ اور مرزا صاحب اس سے بڑھ کر فرماتے ہیں۔ **اتحاد ذرۃ الامکان ھالکۃ الذات باطلۃ الحقیقۃ مع الذات الاعلی الواجب وجودہ باطل**۔ اور وصف اتحاد مجازی کا آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خادمین کو بھی تسلیم فرما چکے ہیں تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق اولیٰ حاصل ہوگا۔ اُس میں ہمارا آپ کا کوئی نزاع نہیں ہے صرف شُبہ یہ رہا کہ جو وصف مشترک ہے اُس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ خصوصیت اور فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ اے میرے پیارے دوستو اسی قدر آپ کی غلط فہمی ہے۔ اگر یہ غلطی رفع ہو جاوے تو فیصلہ شد۔ اب اس کا رفع لیجئے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ وصف منعم علیہم ہونے کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مومنین صالحین تک مشترک ہے **قال اللّٰہ تعالیٰ** اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ [1] **وقال تعالیٰ فی تفسیرہٖ** ۔ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ [2] ۔ تو کیا اس وصف میں آپ جو میرے نزدیک صالحین میں داخل ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں **ما ھو جوابکم فھو جوابنا** ۔ اس کو بھی رہنے دیجئے وصف مومن ہونے کا ایک ایسا وصف ہے جس میں مومن فاسق سے لے کر تا حضرت خاتم النبیین سب میں پایا جاتا ہے۔ اور سب کو مومن کہتے ہیں تو

[1] الفاتحۃ: ۶، ۷ [2] النساء: ۷۰

کیا مومن فاسق حضرت نبی علیہ السلام کے برابر ہو گیا؟ اس کو بھی رہنے دیجئے لفظ وجود ایک ایسی کلی ہے جس میں تمام سلسلہ ممکنات ادنیٰ اعلیٰ سے لے کرتا واجب الوجود سب شریک ہیں تو کیا وجود ممکن وجود واجب تعالیٰ کے برابر ہے پہلی تقریر میں ہم اور آپ دونوں اس کو باطل کہہ چکے ہیں۔ ایسی مثالیں سینکڑوں میں آپ کے روبرو پیش کرسکتا ہوں آپ ان کا کیا جواب دیویں گے **ما ھو جوابکم فھو الجواب من حضرۃ المجدّد**۔ اے میرے پیارے دوستو آپ نے اگر ابتدائی رسائل منطق کے بھی دیکھے ہوں گے تو اُن میں جواب اس کا بآسانی آپ کو ملے گا کلیات کی دو قسمیں ہیں ایک کلی متواطی جس کے افراد سب مساوی ہوں۔ دوسری کلی مشکک جس کے افراد مختلف ہوتے ہیں۔ پس مرزا صاحب یہی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وصف اتحادی مجازی میں جو آپ کو بھی مسلّم ہے ایسے مقام اعلیٰ اور برتر پر پہنچے ہوئے ہیں کہ نہ مسیح اس مرتبہ تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ کوئی اور ملک یا نبی ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغِ تجلے بسوزد پرم ﴿۱۸۸﴾

اور حضرت مجدد نے اسی مرتبہ کا نام مقام جمع اور مقام وحدت تامہ رکھا ہے جس کے سبب سے وہ آیات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وارد ہوئیں جو میں نے خط سابق میں آپ کو لکھی تھیں اگرچہ ظلّی اور طفیلی طور پر آپ کے خادمین کے حق میں بھی وارد ہوئی ہوں۔ اب سچ سچ فرماؤ کہ **لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ** پر آپ کا عمل تھا یا اس ناچیز کا۔

اعتراض سوم۔ آپ کا یہ ہے کہ آیت **دَنٰی فَتَدَلّٰی** آپ کے مطلب کو مفید نہیں۔

الجواب۔ اس آیہ کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سے وجوہ لکھے ہیں اور ہر ایک مفسر نے اپنی اپنی وجہ کو دلائل سے مبرہن اور موجہ کیا ہے آپ کے نزدیک جو وجہ مختار ہو اُسی کو اپنا

مذہب رکھئے۔ کیونکہ مدعا ہمارا یعنے اتحاد مجازی تو آپ تسلیم ہی فرما چکے ہیں۔ثبوت مدعا اس آیت پر موقوف نہیں لیکن جس صاحب کے نزدیک اس آیہ کی تفسیر وترجمہ اس طرح پر ہو (کہ نزدیک ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے پھر نیچے کی طرف اُترے یعنی مخلوق کی طرف واسطے تبلیغ احکام کے بلکہ اس سے زیادہ نزدیک تر ہوئے) حاصل یہ کہ ضمیر دَنٰی فَتَدَلّٰی وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔تو اس صورت میں جس اتحاد مجازی کے واسطے اس آیہ کو میں نے سابق میں لکھا تھا بخوبی مفید ہوگی اگر مفصلاً ومشرحاً آپ کو یہ تفسیر مطلوب ہوگی تو انشاءاللہ تعالیٰ عرض کی جاوے گی اور واضح خاطر ہو جیسا کہ درصورت اختلاف احادیث کے جمع مقدم ہوتی ہے ترجیح پر تاکہ اہمال احادیث کا لازم نہ آوے۔اسی طرح پر جب کسی آیت کی وجوہ صحیحہ تفسیر مختلف ہوں تو مھما امکن سب وجوہ کو اخذ کرنا چاہئے تاکہ سب پر اعمال ہو جاوے اور اہمال لازم نہ آوے۔اس ہیچمدان کے نزدیک تفسیر اس آیہ کی جو حضرت مجدّد پر مکشوف ہوئی ہے وہ کسی مجدّد سابق پر مکشوف نہیں ہوئی کم ترک الاول للاٰخر اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ [1]۔جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر ایک شے کے خزائن کثیرہ موجود ہیں تو کیا معارف قرآنیہ واسرار فرقانیہ شے میں داخل نہیں ہیں وہ تو اپنے اپنے وقت میں مجدد امت پر نازل ہوتے رہتے ہیں اور اسی واسطے اُس کو مجدّد کہا گیا ہے کہ وہ فہم جدید کتاب و سنت کا لاتا ہے کوئی شریعت جدید نہیں لاتا اگر فہم جدید بھی نہ لاتا ہو تو......اُس کو مجدّد کیوں کہا گیا آیت مَارَمَیۡتَ وغیرہ کی نسبت جو آپ نے لکھا ہے کہ ایسا وصف اوروں کے واسطے بھی آیا ہے اس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا فضیلت بخصوصیت حاصل ہوئی......اس کا ﴿۱۸۹﴾

[1] الحجر : ۲۲

جواب ہو چکا بطور کلی مشکک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وصف میں ایسے درجہ کمال پر پہنچے ہوئے ہیں کہ کوئی دوسرا نبی وملک اس میں شریک نہیں ہے این ہم فیصلہ شد۔

اعتراض چہارم آپ کا یہ ہے کہ غزوہ بدر وغزوہ حدیبیہ میں جو غلطی آپ سے ہوئی وہ آپ کے نزدیک جناب باری عزّ اسمہٗ سے ہوئی ہوگی۔

الجواب۔اے میرے پیارے دوستو **بغضک الشیء یعمی و یصم**۔افسوس مرزا صاحب کے بغض بلا وجہ نے آپ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است۔ باوجودیکہ مرزا صاحب کے کلام میں جا بجا تصریحات موجود ہیں کہ یہ وصف اتحاد بطور استعارہ و مجاز کے ہے نہ حقیقتاً بلکہ خود شعر میں لفظ (آنچنان) کا جو خاص مجاز کے واسطے آتا ہے موجود ہے اور یہ عبارت (کہ ذرہ امکان ہالکۃ الذات باطلۃ الحقیقت اس ذات اعلیٰ واجب الوجود سے کیونکر برابر ہوسکتا ہے) بھی توضیح المرام میں موجود ہے۔آپ یہی سمجھتے ہیں کہ مرزا صاحب وحدۃ الوجود کے قائل ہیں **کلّا ثُمّ کلّا**۔اے میرے پیارے دوستو۔ یہ اعتراض تو اس شخص پر وارد ہوسکتا ہے جو قائل ہو اتحاد حقیقی کا **نعوذ بالله منه** ایں ہم فیصلہ شد۔

اور یہ اعتراض کہ آیت **کُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ** سے اتحاد ثابت نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو کچھ مفید نہیں کہ اس میں **کل شی**ء مشترک ہے۔

الجواب۔ بے شک معنے ظاہری آیہ سے اتحاد ثابت نہیں ہوتا اور جو ایک طرح کے اشارہ سے اولیاء وعرفاء اتحاد مجازی نکالتے ہیں وہ معنے بہت خفی ہیں۔ غیر پر حجت بینہ نہیں ہو سکتے۔ میں نے ضمن میں دیگر آیات کے اس آیہ کو بھی لکھ دیا تھا۔لیکن وہ معنے خفی باطل بھی نہیں کیونکہ اتحاد مجازی کو تو آپ بھی تسلیم فرما ہی چکے ہیں کہ یہ وصف تو ادنیٰ خادمین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے اور یہ ثابت ہو چکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور کلی مشکک کے اعلیٰ درجہ کا یہ وصف حاصل ہے اندریں صورت آیہ مذکورہ ایک خفی اشارہ اس اتحاد مجازی پر بھی کرتی ہے۔ آفتاب اور ستاروں کا وجود دو[۲] وجود ہیں لیکن روز روشن میں سوائے وجود آفتاب کے دوسرا وجود ستاروں کا موجود ہی نہیں۔ شیخ بوستان لکھتا ہے ؎

رہِ عقل جز پیچ در پیچ نیست بر عارفان جز خدا ہیچ نیست
توان گفتن این با حقایق شناس ولے خوردہ گیرند اہلِ قیاس
الیٰ قولہ۔ ولے اہل صورت کجا پے برند کہ ارباب معنے بہ ملکے درند
کہ گر آفتاب ست یک ذرّہ نیست وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست
چو سلطانِ عزت علم بر کشد جہاں سر بجیب عدم در کشد ﴿۱۹۰﴾
الیٰ قولہ۔ مگر دیدہ باشی کہ در باغ وراغ بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز چہ بودت کہ بیرون نیائی بروز
ببین کاتشین کرمکِ خاک زاد جواب از سرِ روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم ولے پیش خورشید پیدا نیم

اگر آپ کہیں کہ اقوال شیخ بوستان سے مسائل مہمہ میں یہ کیسا استناد ہے تو جواب یہ ہے کہ اس اتحاد مجازی کے ثبوت میں مولوی محمد حسین صاحب نے ایک بہت عمدہ نقل لکھی ہے۔ شیخ محي الدین ابن عربی کی کتاب سے غایة الوصلة ان یکون الشیء عین ما ظهر و لا یعرف کما رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و قد عانق ابن حزم المحدث فغاب احدهما فی الاٰخر فلم نر الا واحدا و هو رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم فهٰذهٖ غایة الوصلة وهو المعبر عنه بالاتّحاد۔ و لنعم ما قیل۔

جذبۂ شوق بحد یست میانِ من وتو کہ رقیب آمد و نہ شناخت نشانِ من وتو

آگے رہا یہ شبہ کہ جب ہر ایک شے میں یہ وصف مشترک ہے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے کیا فضیلت ہوئی تو اس کا جواب مکرر سہ کرر گذر چکا یاد کرو کلی مشکک کو۔ اور پھر جبکہ بقول آپ کے سباق و سیاق کلام مرزا صاحب کا وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو ردّ کرتا ہے تو اب نزاع ہی کیا رہا۔ اور جبکہ وحدۃ الوجود کا مسئلہ میری اور آپ کی سمجھ سے باہر ہے تو پھر میں اس کا کیونکر قائل ہوسکتا ہوں۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [1]۔ آپ مجھ کو بلا وجہ الزام دیتے ہیں۔

اعتراض ششم آپ کا یہ ہے کہ ضمیر صورتہٖ میں راجع طرف قریب کے ہونی چاہئے بعید کی طرف کیوں پھیرتے ہو۔

الجواب۔ جو آپ نے معنے حدیث کے سمجھے ہیں وہ بھی صحیح ہیں۔ اور جو احتمال اس ہیچمدان نے لکھا تھا وہ بھی درست ہے کیونکہ اس کو ترجیح اس وجہ سے ہے کہ مرجع ضمیر کا اُس میں عمدہ ہوتا ہے۔ بخلاف آپ کے احتمال کے کہ اُس میں مرجع ضمیر کا فضلہ ہوتا ہے متعلقات فعل میں ضمیر کا رجوع عمدہ کی طرف مناسب ہے۔ نہ فضلہ کی طرف۔ این ہم فیصلہ شد

اعتراض ہفتم آپ کا یہ ہے۔ ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست۔ پھر اس وصف مظہریّت سے حضرت صلعم کو کون سی فضیلت حاصل ہوئی۔

الجواب۔ یہ وصف بھی بدرجہ اکمل جس سے فوق متصور نہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پایا جاتا ہے دوسرے میں نہیں پایا جاتا۔ وہی کلی مشکک کا حال اور علاقہ ابنیت ﴿۱۹۱﴾
جو بطور استعارہ حضرت مسیح یا مثیل مسیح وغیرہ کو حاصل ہے وہ بدرجہا کم ہے اس وصف وحدت تامہ سے جس کی تفصیل اوپر ہو چکی الحاصل واسطے سمجھنے کے آپ ان مراتب ثلاثہ قرب الٰہیہ کو بطور استعارہ و تمثیل کے یوں سمجھ لیجئے کہ ایک طرح کے مقربین کو ایسا

[1] البقرۃ: ۲۸۷

قرب الٰہی بلا تشبیہ حاصل ہے جیسا کہ خادم خاص فرمانبردار کو اپنے مخدوم کے ساتھ یہ ادنیٰ درجہ قرب کا ہے جو فی نفسہٖ وہ بھی بہت بڑا ہے کہ اُس کی نسبت وارد ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [1]۔ دوسرا مرتبہ قرب کا بلا تشبیہ ایسا ہے جیسا کہ خلف الرشید پسر کو اپنے والد ماجد سے جس کی طرف اشارہ ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا [2]۔ تیسرا مرتبہ قرب کا کہ سب سے بڑھ کر ہے اُس کی تمثیل بطور استعارہ کے ایسی ہے کہ کسی شخص کی تصویر جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہو کہ اس میں تمام صفات ذی الصورت کے موجود ہوں گے۔ ان تینوں مراتب میں جو فرق ہے وہ اہل بصیرت پر پوشیدہ نہیں ہے اور یہی خلاصہ اور حاصل ہے حضرت مجدّد صاحب کی کلام کا جو توضیح المرام میں مذکور ہے۔

اعتراض ہشتم آپ کا یہ ہے کہ اتحاد سے مراد اگر اتحاد مجازی ہے تو کچھ موجب فضیلت نہیں اور اگر اتحاد حقیقی مراد ہے تو کفر ہے۔

الجواب۔ جواب اس کا گذر چکا کہ قول اتحاد حقیقی کا بلا شبہ کفر ہے اور اتحاد مجازی مجھ کو اور آپ کو دونوں کو مسلم ہے جس کے مدارج بطور کلی مشکک کے مختلف ہیں۔ سب سے اوپر کے مرتبہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے کہ اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اٰدم و من دونہٖ تحت لوائی۔

اعتراض نہم۔ اس محاورہ اور طرز استعمال میں کوئی خدشہ نہیں۔

الجواب۔ پھر مرزا صاحب پر آپ کیوں خدشہ کرتے ہیں جو خدشہ آپ کا مرزا صاحب پر ہے وہی بعینہٖ امام شافعی و ابن تیمیہ وغیرہ پر وارد ہوتا ہے۔ قال الشافعی:

ان کان رفضًا حبّ اٰل محمد فلیشھد الثقلان انّی رافض

و قال شیخ الاسلام ابن تیمیة:

ان کان نصبًا حبّ صحب محمد فلیشھد الثقلان انی ناصب

و قال ابن قیم:

[1] البقرة: ۱۶۶ [2] البقرة: ۲۰۱

فان کان تجسیما ثبوت صفاتہٖ لدیکم فانی الیوم عبد مجسّم

ما ھو جوابکم من ھذہ الا کابر فھو الجواب من المجدّد اے میرے مخدوم۔ ذرہ میرے حال پر عنایت فرما کر خط حال اور خط سابقہ کو غور سے پڑھو ورنہ پھر میں بھی یہ مصرعہ پڑھے دیتا ہوں ؎ یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت

اعتراض دہم۔ کتاب منصب امامت پر چلنے کی کیوں ہدایت ہے آیت وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [1]۔ کیا منسوخ ہوگئی۔ آخر خط تک۔ ﴿۱۹۲﴾

الجواب۔ گستاخی معاف ’’تقویۃ الایمان‘‘ پر چلنے کی کیوں ہدایت ہے۔ کیا آیہ مذکورہ منسوخ ہوگئی جو تقویۃ الایمان وغیرہ پر چلنے کی ہدایت ہوتی ہے۔ ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔ علاوہ یہ کہ تقویت الایمان کو منصب امامت وغیرہ پر کیا ترجیح ہے جو انہیں چھوڑ کر اُس پر چلیں بلکہ منصب امامت اور صراط مستقیم کو تقویت الایمان پر ضرور بالضرور ترجیح حاصل ہے کیونکہ یہ دونوں کتابیں آخری تصنیف ہیں اور قول آخر قول سابق کا ناسخ ہوا کرتا ہے اور پھر یہ عرض ہے کہ میں نے آپ کو منصب امامت پر چلنے کی کب ہدایت کی ہے خود آپ نے خط اوّل میں لکھا تھا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید و مجدّد نے ایسے مضامین کی جو توضیح المرام میں لکھے ہیں تقویت الایمان میں مذمت کی ہے۔ میں نے آپ کے جواب میں الزاماً لکھا کہ خود حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب نے ایسے مضامین کو منصب امامت صراط مستقیم میں صحیح فرمایا ہے۔ اب فرمائیے کہ مولانا اسمٰعیل مجدّد صاحب کی کتاب پر چلنے کا ذکر اولاً آپ نے کیا یا میں نے۔ اور پھر یہ عرض ہے کہ تقویت الایمان اور منصب امامت وغیرہ میں کوئی تناقض بھی نہیں ہے جو تقویت الایمان پر چلنے سے منصب امامت وغیرہ ہاتھ سے جاتی رہے یا منصب امامت وغیرہ پر چلنے سے تقویت الایمان فوت ہو جاوے۔ کیونکہ ان دونوں میں کسی طرح کا تناقض اور تضاد نہیں ہے میں دو جملہ عرض کرتا ہوں۔ سنئے۔ زید

[1] الحشر: ۸

باعتبار شجاعت کے مجازاً شیر ہے۔اور زید باعتبار حقیقت کے ہرگز شیر نہیں ہے۔ان دونوں میں کیا تناقض ہے۔رسائل منطق میں آپ نے دیکھا پڑھا ہوگا ۔ درتناقض ہشت وحدت شرط دان...... وحدتِ موضوع و محمول و مکان۔الیٰ آخرہ۔جو ہدایات تقویت الایمان میں ہیں۔وہ باعتبار حقیقت کے ہیں اور جو معارف و اسرار منصب امامت وغیرہ میں مذکور ہوئے ہیں۔وہ دوسرے اعتبارات پر مسطور ہیں۔**لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ**۔جو صاحب منصب امامت وغیرہ کے مضامین کا انکار کرتے ہیں وہ عین حکمت کو باطل کر رہے ہیں اور پھر یہ گذارش ہے کہ یہ سب نزاع بھی جانے دیجئے آپ سے میں اور کچھ نہیں کہتا۔آپ تقویت الایمان پر ہی عامل رہیے لیکن حضرت مرزا صاحب کو مثل حضرت مولانا اسمٰعیل شہید و مجدّد کی اور اُن کی کتاب توضیح المرام کو مثل کتاب منصب امامت وغیرہ کے تصور کیجئے۔جو حالت آخر میں حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید فی سبیل و مجدد کو حاصل ہوئی وہی حالتِ ابتدا سے اس مجدد الوقت کی ہے اور جیسے اسرار و معارف کتاب منصب امامت صراط مستقیم میں لکھے ہیں ویسے معارف توضیح المرام وغیرہ میں لکھے ہیں۔پس این ہم فیصلہ شد۔اے میرے پیارے دوست پورے پورے غیر مقلد نہ آپ ہیں اور نہ میں ہوں۔کسی مسئلہ کی جب ہم اور آپ تحقیق کرنے بیٹھے تو بڑا کمال ہمارا یہ ہوگا کہ تقویت الایمان میں یوں لکھا ہے اور منصب امامت میں ووں لکھا ہے اور جلالین میں ایسا کچھ مندرج ہے اور کمالین میں ایسا کچھ اور اگر زیادہ تر اس سے توغل علمی ہوگا تو مولوی محمد حسین کی طرح حوالے مسلّم الثبوت اور مطول حمد اللہ ملا حسن، ارشاد الفحول، دائرۃ الوصول کے ہونے لگیں گے۔اب آپ فرمائیے یہ تقلید نہیں تو کیا ہے پورا پورا غیر مقلد تو وہی شخص ہوگا جو صاحب نفس قدسیہ اور مؤید من اللہ ہو اور مرتبہ مجدّدیّت پر اللہ تعالیٰ نے اُس کو مبعوث ﴿۱۹۳﴾

فرمایا ہو۔ میرے علم ناقص کے رو سے یہ منصب اس زمانہ میں سوائے حضرت مرزا صاحب کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ کلکتہ سے پنجاب تک اور دامن کوہ ہمالہ سے بمبئی تک اس احقر نے سفر کیا اور اکثر علماء سے ملاقاتیں ہوئیں لیکن جو بات باوجود نہ ہونے ملاقات کے اس مسافت بعیدہ پر میں نے مرزا صاحب میں پائی وہ کسی میں نہیں پائی۔ ورنہ یہ عاجز غیر مقلدوں میں دم بھرنے والا کیونکر اول حضرت کا ارادتمند ہو جاتا۔ ؎

قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ وشاب کا اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام

کبھی آپ نے نہ سنا ہوگا کہ حضرت مرزا صاحب کے یہاں مسلم الثبوت کا درس ہو رہا ہے یا مطول پڑھائی جاتی ہے یا مُلّا حسن حمد اللہ کی تعلیم ہو رہی ہے لیکن باوجود اس کے تمام علمائے ہندوستان وغیرہ کو جو اُن علوم میں ماہر واقف ہیں اُن کے مقابلہ کے واسطے بلایا جاتا ہے کوئی عالم اُس کا مقابلہ نہیں کرتا اور نہ کر سکے گا۔ مولوی محمد حسین جو ان علوم میں ایک فاضل اجلّ شمار کیا جاتا ہے اُس نے جو حضرت مجدّد سے مقابلہ اور مباحثہ کیا آپ نے سنا ہوگا کہ کیا نتیجہ اُس کا حاصل ہوا جو اسرار اور معارف حضرت مجدد نے اس مباحثہ میں بغیر کتاب اور سامان علم کے بیان کئے ہیں وہ مصداق ما لا عین رأت و لا اذن سمعت کے ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب کی تقریر میں بجز مضامین علوم رسمیہ کے (وہ بھی صحیح طور پر نہیں) کوئی دوسرا مضمون ہی نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد حسین ایک پکّے مقلد ہیں اور حضرت ایک پکّے محقق پھر کیا اہل بصیرت کے نزدیک یہی مباحثہ ایک بڑا نشان آسمانی حضرت مجدد کی مجددیّت اور محدثیت کا نہیں ہے اور اگر کسی صاحب کی نظر میں بعض کلام حضرت مجدد کا بظاہر خلاف معلوم ہو تو اول تو نفس الامر میں وہ خلاف اصول صحیحہ کے ہی نہیں اور پھر ثانیاً کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ تمام علوم رسمیہ میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو باہم مخالف ہیں اور ان میں ﴿۱۹۴﴾

حق ایک جانب ہے۔علم صرف سے لے کر منطق۔ معانی۔ بیان۔ اصول فقہ۔ اصول حدیث وغیرہ میں کوئی ایسا علم نہیں جس کے بعض مسائل میں اختلاف نہ ہو جو کتاب ان علوم کی کھول کر دیکھو گے اُس میں پاؤ گے۔ اخفش یوں کہتا ہے۔ سیبویہ یُوں کہتا ہے ابن سینا کا یہ مذہب ہے فارابی کا قول اُس کے خلاف ہے امام رازی نے یوں کہا ہے۔ ابن الصلاح یوں فرماتے ہیں لیکن ابن تیمیہ نے اس کا خلاف کیا ہے۔ توضیح تلویح میں فلاں اصل کو متاصل کہا ہے۔ ارشاد الفحول میں اس اصل کو ردّ کر دیا ہے۔ کہاں تک میں اس اختلاف کی شرح کروں پھر اگر حضرت مجدد کا کوئی کلام اصول فقہ یا اصول حدیث کے ظاہر میں کسی کو خلاف معلوم ہوتا ہو تو باوجود اختلاف موجودہ ان علوم کے یہ کیونکر ثابت ہو کہ حضرت مجدد غلطی پر ہیں وہ تو اپنے ہر ایک مدعا پر کتاب اللہ کو جو جملہ دلائل شرعیہ سے مقدم ہے اور جملہ فِرق اسلام کو مسلم ہے پیش کرتے ہیں۔ اب اگر کسی کو طاقت علمی ہے تو ان کے اس مدعا کو قرآن مجید سے ہی توڑے۔ خیر حدیث سے ہی توڑے۔ خیر عقل سے ہی توڑے۔ علمائے ہندوستان جو مدعو ہوئے ہیں دیکھیں ان میں کون کون اس میدان میں آتا ہے اور جبکہ کتاب اللہ کی نسبت لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ [1]۔ وارد ہے تو کیا اس آیہ کو قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کا کلام نہ کہا جاوے اور اُس پر ایمان نہ لایا جاوے آگے رہا یہ امر کہ ایسا کھلا کھلا نشان بیّن حضرت مجدد کی مجددیت وملہمیت ومحدثیت پر ہم سب پر ظاہر ہو جاوے کہ کسی طرح کا حجاب کسی کو بھی نہ رہے تو یہ بات اللہ تعالےٰ کی حکمت کے جو اُس نے ایمان بالغیب میں رکھی مخالف ہے دیکھو حضرت موسیٰ سے نبی جلیل القدر صاحب الکتاب کو بڑے بڑے معجزات دیئے گئے لیکن مخالفین کی نظروں میں ایک حجاب بھی قائم کر دیا گیا۔ ایک قبطی کو اُن کے ہاتھ سے قتل کروا دیا تا کہ مخالفین کی نظروں میں یہ فعل قتل اُن

[1] الانعام : ۶۰

کی نبوت کا حجاب ہو جاوے۔ حضرت یونسؑ نے عذاب کے نازل ہونے کی قوم مخالف کو بہ تعیین وقطع خبر دی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اس عذاب کو ٹال دیا تا کہ مخالفین کی نظروں میں ایک حجاب ہو جاوے۔ خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ میں طرح طرح کے حجاب مخالفین کے واسطے کھڑے کر دیئے گئے حالانکہ یہ خلافت باقی نبوت اور تتمہ رسالت تھی اور بڑے زور شور سے موعود کی گئی تھی تا کہ روافض اور خوارج کی نظروں میں وہ حجاب خفی حجاب جلی ہو جاویں اے میرے پیارے دوستو کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

مولانا شاہ ولی اللہ حکیم اُمت فرماتے ہیں کہ یہ خفاء اور حجاب اس واسطے ڈالے جاتے ہیں کہ ﴿۱۹۵﴾
امتحان مخلصان ومنافقان بمیان آید۔ الحاصل جو طعن آپ حضرت مرزا صاحب پر کرتے ہیں۔ اس میں مولانا اسمٰعیل صاحب علیہ الرحمۃ بھی شریک ہیں۔ انا احمد بلا میم کو حدیث قرار دینا فی الحقیقت بڑا افترا اور کذب صریح ہے وہ کسی طرح پر درست نہیں **سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ**۔ اللہ تعالیٰ سارے جھوٹوں کا منہ کالا کرے۔ اور پھر یہ عرض ہے کہ جملہ **انا احمد بلا میم** میں کوئی حرف تشبیہ وغیرہ کا مذکور نہیں جس سے معنے مجازی مفہوم ہوں صرف معنے حقیقی متبادر ہوتے ہیں اور وہ بالاتفاق باطل ہیں بخلاف کلام مرزا صاحب کے کہ اس میں جا بجا الفاظ مجاز اور استعارات کی تصریح ہے جس سے سوا اتحاد مجازی کے اتحاد حقیقی مفہوم ہی نہیں ہوتا حتیٰ کہ شعر میں بھی لفظ آنچنان کا موجود ہے۔ ؎ آنچنان از خود جدا شد کز میان افتاد میم لفظ چنان کا محض تمثیل کے واسطے آتا ہے معنے حقیقی یہاں پر مراد ہو ہی نہیں سکتے لا تطرونی۔ کے معنے پر ہمارا ایمان ہے اور جو اطراء مذہب نصاریٰ کا ہے وہ بالکل شرک اور کفر ہے اس کی نسبت مرزا صاحب فرما چکے ہیں کہ ان کی طبیعتیں بسبب اس شرک کے ناپاک ہو گئی ہیں

وغیرہ وغیرہ مگر اس حدیث میں وہی اطراء منع ہے جو نصاریٰ کا سا ہو نہ وہ اطراء جو قرآن مجید اور سنت سے ثابت ہے اور جو اولیائے امت نے قرآن و حدیث سے آپ کی مدح میں اطراء کیا۔ وہ کہاں ممنوع ہے لفظ حدیث کے **لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ**۔ ہیں نہ مطلق **لا تطرونی**۔ جناب من تقویت الایمان کو **لآ الٰہ الا اللّٰہ** کی شرح اور تفسیر سمجھئے اور منصب امامت یا صراط مستقیم یا توضیح المرام کے مضامین محمد الرسول اللہ کی تفسیر تصور کیجئے۔ ان میں وہ اطراء نہیں ہے جو یہود و نصاریٰ نے کیا ہے۔ والسلام خیر الختام۔

مورخہ دوازدہم ستمبر ۹۱ء مطابق نہم صفر ۱۳۰۹ھ

خاکسار

محمد احسن مہتمم مصارف ریاست بھوپال